إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ

بلاشبہ اس میں دل والے اور دل لگاکر کان دھرنے والے کیلئے عبرت اور نصیحت ہے

فغاں ہیں آہ میں فریاد میں شیون میں نالے ہیں
سناؤں دردِ دل طاقت اگر ہو سننے والے میں

فغانِ اشرف

جس میں

دلی کے ایک شریف گھرانے کی مصیبت مند اور دردناک زندگی کا دل ہلادینے والا سچا سین دکھلایا ہے۔ جس سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور جو نتیجہ ہے شوہروں کی بدسلوکی اور دل آزاری کا

مصنفہ

جناب اشرف جہان بیگم صاحبہ دہلوی

جنھوں نے اس لاجواب کتاب کو دلی کی ٹھیٹ زبان میں اپنی ذہانت اور جودتِ طبع سے حسبِ ایما و مشاورت خاکسار بشیرالدین احمد تعلقہ دار اس خوبی سے لکھا ہے کہ دل پر چوٹ لگتی ہے اور جو مردوں کے رویے اور چال چلن کی درستی کے لیے ایک تازیانۂ ہوش ہے

سنہ ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء

دلی پرنٹنگ ورکس دہلی میں باہتمام ٹھاکرداس اینڈ سنز طبع ہوئی

پہلی مرتبہ ایک ہزار

قیمت ۱۲ خرچ وی پی

شمس العلماء ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد صاحب مرحوم و مغفور کی دیگر تصانیف

	کاغذ سفید ولایتی	کاغذ حنائی	جلد	محصول ڈاک
(۱) **قرآن مجید مترجم** تقطیع کلاں دو صفحہ تیرھواں ایڈیشن مطبوعہ مفید عام آگرہ جس کے آخر میں الفاظ و محاورات اردو کی ایک مکمل فرہنگ مستزاد کی گئی ہے۔	لعہ	ہعہ	عار	۴ر
(۲) **قرآن شریف** تقطیع متوسط چو صفحہ ترجمہ بین السطور "جامع المصاحف"	مجہ	•	عہ	۹ر
(۳) **قرآن شریف** ترجمہ بصفحہ مقابل "غرائب القرآن"	للعہ	ہہ	ایضاً	۳ار
(۴) **حمائل شریف** تقطیع ۲۲+۱۶ ترجمہ بین السطور بارھواں ایڈیشن جس کے آخر میں الفاظ و محاورات اُردو کی ایک مکمل فرہنگ مستزاد کی گئی ہے۔	للعہ	•	عہ	۷ر
(۵) **دہ سورہ فی احسن صورہ** - مروجہ پنج سوروں کی جگہ یہ دہ سورہ مترجم و محشی ہے۔ سفر حضر میں پڑھنے کے بہت کام کا ہے۔ حمائل کی تقطیع ہے۔	۸ر	•	•	۳ر
(۶) **ادعیۃ القرآن** - قرآن شریف کی تمام دعائیں مترجم مع ایک مفصل دیباچے کے جس میں دعا کی حقیقت اور اُسکی مقبولیت وغیرہ عمدہ اور مفید مضامین ہیں روزانہ وظیفہ کے لئے ایک نایاب مجموعہ ہے	۸ر	•	•	۳ر
(۷) **الحقوق والفرائض** - حصۂ اول حقوق اللہ - حصۂ دوم حقوق العباد - حصۂ سوم اخلاق و آداب - مسائل شرعیہ میں اس سے بڑھ کر جامع و مفصل اور کوئی کتاب اُردو میں نہیں ہے جو نہایت عام فہم اور سلیس بھی ہے۔			قیمت مجہ	محصول ڈاک ۱۰ر
(۸) **اجتہاد** - اس کتاب میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ اسلام اور اُس کے معتقدات فطری ہیں - جو شخص ذرا بھی سمجھ رکھتا ہے وہ بخوبی تصفیہ کر سکتا ہے کہ دنیا میں اگر کوئی مذہب سچا ہے تو وہ اسلام ہی ہے۔ "کافر نتوانی شد ناچار مسلماں شو"			عہ	۴ر

[illegible]انے کے جدید قواعد کی وجہ سے محصول ڈاک دوچند ہوگیا ہے ۱۲

احسن الخطاب یعنی مقدمۃ الکتاب

نوشتۂ خاکسار بشیر الدین احمد تعلقہ دار

تماشائے اہلِ نظر بن گئی تو[1] فدا ہیں نگاہوں کا گھر بن گئی تو
نہ تھی اس جہاں میں یا تو تھی حورِ جنت زمیں پر اُتر کر بشر بن گئی تو
ترے دم سے قائم ہوا نظمِ عالم زہے شان کانِ ہنر بن گئی تو
تری ہر ادا لذتِ بے نہایت حلاوت میں قند و شکر بن گئی تو
مسخر کیا جس کو دیکھا نظر بھر لُبھانے میں جادو اثر بن گئی تو
مصیبت میں ثابت ہوئی رحمتِ حق تکالیف سے بے خبر بن گئی تو
ترے باعث آساں ہوئی زندگانی محبت کا الفت کا گھر بن گئی تو

(رضا)

اب وہ زمانہ لد گیا کہ عورتوں پر جہالت کا بدنما دھبہ لگایا جاتا تھا۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے عورتوں نے تعلیمی لائن میں وہ ترقی کی ہے کہ باید و شاید اور جن کی تعلیم زنانہ مدارس میں باقاعدہ طور پر ہوئی ہے اُن کا کیا کہنا۔ سونے پر سہاگہ۔ انھیں میں کی ایک فردِ فرید معظمہ[2] اشرف جہاں بیگم صاحبہ دلی کے ایک نامور گھرانے کی نامی گرامی

---

[1] عورت سے خطاب ہے [2] صوبہ دار محمد حسین خاں صاحب مرحوم و مغفور پنشنر کی دختر اصغر مصداق ہے کہ بہ قامت کہتر بہ قیمت بہتر ہیں — ۱۲

خاتون اس کتابِ لاجواب **فغانِ اشرف** کی مصنفہ ہیں۔ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ عورتیں بالعموم تصنیف و تالیف کی قابلیت نہیں رکھتیں۔ وہ سب کچھ ہو سکتی ہیں بہ شرطیکہ اُن کو ہونے کا موقع دیا جائے۔ ہماری نظر سے عورتوں کی لکھی ہوئی کئی کتابیں گزری ہیں اور ہم اُن کو بڑی مسرت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور اُن پر ناز کرتے ہیں۔ اشرف جہاں صاحبہ چوں کہ میری عزیزِ قریب اور مجھے بہت عزیز ہیں میں اُن کی علمی لیاقت سے اتنا واقف ہوں جتنی وہ خود نہیں ہیں۔ اول تو وہ ٹھیریں دلّی والی جہاں کی زبان آبِ کوثر سے دُھلی چُنچی تُلی ہے پھر وہ تعلیم یافتہ۔ اُردو تو اُن کی مادری زبان اور گھر کی لونڈی ہے رہی انگریزی اُس میں بھی بہ قدرِ ضرورت مہارت ہے۔ پھر اُن کی زبان کو دُرفشاں کہنا اور اُن خود کو شیریں بیاں اور عذب اللساں کہنا کیا مبالغہ ہے۔

ع

اُردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں اس میں محلِ چون و چرا اور مدخلِ قال و قیل نہیں ہے یوں بھی عورتوں کی زبان مردوں سے زیادہ چھنی چھنائی۔ نکھری صاف سُتھری اور میٹھی ہوتی ہے کیوں کہ مرد بہ تعلقِ ملازمت یا کاروبار و تجارت دُور دراز ملکوں میں سرگرداں پڑے پھرتے ہیں اُن کی زبان میں بلوَنی ہونا ایک لازمی بات ہے مگر عورتوں کی بولی ہنڈرڈ ٹچ کا طلائے خالص ہے جس میں عیار کو بار نہیں۔ اشرف جہاں کو حصولِ علم کی طرف

کامل رجحان ہی اور یہ جو آپ دیکھتے ہیں اُسی کا فیضان ہی زبان محض اُس کی ترجمان ہی جو نمونہ قدرت الٰہی اور اُس کی شان ہی - وہ اب بھی کتاب کا کیڑا ہیں اور اُن کا اوڑھنا بچھونا پڑھنا لکھنا ہی جو کیا اچھا مشغلہ ہی! وہ نری لکھی پڑھی اور منشیِ بے بدل ہی نہیں ہیں بلکہ عورتوں میں جن صفات اور ہنروں کی پڑھنے لکھنے سے بھی زیادہ ضرورت ہی سب سے متصف ہیں یعنی سینا پرونا - طرح طرح کی بنت اور کاڑھنا - پکانا ریندھنا سلیقہ - سُگھڑاپا جو عورتوں کا فرضِ اولیں ہی اُس میں بھی وہ پیش رَو ہیں - دسوں اُنگلیاں دسوں چراغ - مختصر یہ کہ من حیث المجموع عطرِ مجموعہ ہیں - نکھ سے شکھ عورتوں کے لیئے باعثِ افتخار و سرمایہ ناز امثال و اقران میں ممیز و ممتاز - چشمِ بد دُور بڑی ذہین اور ہوشیار - زیرک و تجربہ کار ہیں مبارک ہی وہ گھر جس میں ایسی لڑکیاں ہوں اور قابلِ فخر و مباہات ہی وہ خاندان جس میں ایسی ہمہ دان بیویاں ہوں - اب گو انھوں نے نہ اپنی طرف سے بلکہ رسم و رواج کی پابندی سے مدرسہ چھوڑ دیا ہی مگر مطالعہ کتب اور اخبار بینی کا سلسلہ جوں کا توں برقرار ہی اور اسی پر اُن کا دار و مدار ہی ع شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے درکار نیست ہر نئی کتاب کو وہ منگاتی اور دلی شوق سے پڑھتی ہیں - اُن کی معلومات بہت وسیع اور وافر اور نظر از بس غائر ہی - میں نے اُن کا رجحانِ طبیعت اور میلانِ خاطر دیکھ کر اُن کو صلاح دی کہ تم "کوئی کتاب

لکھو" میں جانتا تھا کہ وہ لکھ سکتی ہیں اور خوب لکھ سکتی ہیں مگر اُن کی طبیعت میں جھجک تھی میرے بڑھاوے چڑھاوے دینے سے اُن کی ہمت بندھ گئی۔ صرف دریائی دینے کی دیر تھی کہ ہوا سے باتیں کرنے لگیں اور آسمان کا تارہ بن گئیں۔ ؎

بالائے سرش زہوش مندی   می تافت ستارۂ بلندی

مرد جو کتاب لکھتے ہیں اور اُن میں عورتوں کے حالات قلم بند کرتے ہیں وہ اس وجہ سے غیر مستند ہیں کہ آپ بیتی نہیں ہوتی۔ حال ہو ایک کا اور لکھے دوسرا۔ جس کی نہ پھٹی ہو بوائی وہ کیا جانے پیر پرائی۔ بات باون تولے پاؤ رتی کی یہ ہے کہ جس کی کہانی ہو اُسی کی زبانی ہو جب تو اُس میں اصلیت کا لطف اور واقعیت کی جھلک نظر آتی ہے ورنہ زرا تُک سے تُک ملانا ہے اور بس۔ اس لیئے یہ کتاب چونکہ ایک قابلِ قدر خاتون کے دل و دماغ اور جذباتِ نسوانی کا نچوڑ ہے عورتوں کے من و عن حالات کا بالکل سچا اور واقعی فوٹو نہیں نہیں! زندہ اور چلتی پھرتی تصویر ہے جو اپنے منہ سے پڑی بول رہی ہے اور اپنی شیریں زبانی سے موتی رول رہی ہے۔ زبان اس کی شستہ۔ دلی کی ٹکسالی اردو۔ بیگمات کے لب و لہجے کی نقل ہو بہو ہے۔ محاورات۔ ضرب المثل۔ بے بدل قلّ و دل۔ بندش چست۔ مضامین درست غرض ہر اعتبار اور ہر پہلو سے اُردو فن ادب کی ایک بہترین کتاب ہے جو عورتوں کے لیئے آویزۂ گوش اور مردوں کے لیئے تازیانۂ ہوش ہے۔

جو لوگ عورتوں کو ایسا کودن سمجھتے ہیں کہ وہ ہاتھ میں قلم بھی نہیں پکڑ سکتیں اُن کو یہ خیال مبارک اور جو یہ سمجھتے ہیں کہ کتاب لکھتے ہیں مرد اور نام لکھ دیتے ہیں عورت کا وہ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (بعض گمان گناہ کی حد تک پہنچتے ہیں) میں داخل ہیں - ممکن ہے کہ ایسا کسی نے کیا ہو تو جب کسی نے کیا بُرا کیا مگر اس خیال کو ایسا پختہ کرنا کہ اس کے خلاف پر کان نہ دھرنا نری ہٹ دھرمی ہے حقیقت نفس الامر اور واقعی بات یہ ہے کہ ہمارے دیکھتے دیکھتے بہت سی عورتیں ایسی تعلیم کی سٹیج پر آگئی ہیں جو تصنیف میں مردوں کے لگ بھگ قدرت رکھتی ہیں اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ مرد تعلیم پا کر مصنّف بن سکیں اور عورتیں اُسی تعلیم کی بدولت اس کوچے سے نابلد رہیں - مرد فیضانِ علم سے متمتّع ہوں اور عورتیں مُمتنع -

اس میں کلام نہیں کہ میں اس کتاب کے معرضِ وجود میں لانے کا محرک ضرور ہوں مگر ایسا ہی جیسا کہ کوئی لہو لگا کر شہیدوں میں مل جانے کا مدعی ہو - میری اصلاح اس میں صرف اتنی ہی ہے جیسے آٹے میں نمک یا اُرد پر سفیدی یا دریا میں قطرہ - ؎

صادق ہوں اپنے قول کا غالبؔ خدا گواہ   کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

بھلا "چھلنی کے جائے کُن ترائے" دلّی والیوں کو جو زبان سکھانے کا دعویٰ کرے وہ نادان - رہا قصے کا پلاٹ جو اصل چیز ہے وہ وہی واقعات ہیں جو آئے دن عورتوں پر گزرتے اور وہ چار و ناچار صبر و شکر

سے اُن کو جھیلتی رہتی ہیں۔ اس میں کوئی بات اَن ہوئی یا خلافِ قیاس نہیں ہے۔ گو ہم جانتے ہیں کہ یہ ایک فرضی اور گھڑا ہوا قصہ ہے مگر با ایں ہمہ اس کو پڑھ کر دل پر چوٹ لگتی ہے۔ لائق مصنفہ نے اپنی تیز طبیعت اور زورِ قلم سے نقل کو اصل کر دکھایا ہے اور یہی ناول کی بڑی خوبی ہے جو **بی اشرف جہاں** کا حصہ ہے۔ مصنفہ نے اپنی کسرِ نفسی سے کتاب کا مسودہ مجھے دکھلایا ضرور اور میں نے بھی اُسے حرف بہ حرف پڑھا مگر میں نہایت وثوق سے کہنے پر آمادہ ہوں کہ میری کتاب کو دیکھ کر استغراق کی حالت ہو گئی۔ ہرگز مجھے توقع نہ تھی کہ اُن کا نقشِ اوّلیں بہت سے کہنہ مشاق اصحاب سے بھی بازی لے جائے گا ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات۔ سوائے تحسین و آفریں کے نہ اصلاح کی ضرورت تھی نہ گنجایش۔ ؎

بوئے تو زبوئے گل شناسد آں را کہ دماغ بوشناس است

اس پر سے ناظرین مصنفہ کے طرزِ بیان اور لیاقتِ تحریر و تدوین کا بہ خوبی اندازہ کر سکتے ہیں ع حاجتِ مشاطہ نیست روئے دل آرام را
ہمارے لیئے یہ بات بے انتہا مسرت اور فخر کی ہے کہ مسلمانوں میں بھی ایسی قابل عورتیں ہیں گو وہ کم ہیں مگر ہیں ضرور ع آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔ جو ایسی بہتر اور دل چسپ نصائح سے پُر اور نتیجہ خیز کتابیں لکھ سکتی ہیں اور خوب لکھتی ہیں۔ یہ کتاب دراصل عورتوں کے اُن حالات اور خیالات کا چربہ ہے جو آئے دن گھرانوں میں پیش

آتے رہتے ہیں۔ اس کو عورتیں تو شوق سے پڑھیں ہی گی مگر میں سفارش کرتا ہوں کہ مرد بھی اسے ضرور پڑھیں تاکہ اُن کو اس مظلوم فرقۂ اناث کے درد دُکھ کا صحیح علم ہو۔ وہ اپنے گریبان میں منہ ڈالیں اور دیکھیں کہ عورتوں کی کیا فریاد و فغاں ہے اور کوشش کریں کہ اس صنف ضعیف کو جس کی نازک گردن ہمارے ہاتھ کے زبردست پنجے میں پھنسی ہوئی ہے صنفِ قوی کے فولادی پنجے سے کسی قسم کی ایذا اور تکلیف نہ پہنچے۔ مردوں کو خداوندِ تعالیٰ نے اس واسطے قوی نہیں بنایا ہے کہ وہ اپنی قوت کا صرفِ بیجا عورتوں پر ناواجبیت سے کریں۔ مردوں کو عورتوں کی بالنسبۃ اس لیئے قوی بنایا گیا ہے کہ وہ کم زور کی حفاظت اور حمایت کریں۔ اُن کی دست گیری کریں اور سہارا دیں۔ اُن کی کوتاہیوں اُن کی لغزشوں کو مخالفانہ اور مخاصمانہ نہیں بلکہ ہمدرانہ نظر سے دیکھیں اور درگزر کریں۔ اُن پر محبت، شفقت اور نرمی کی نظر رکھیں۔ اُن کے نازک دلوں کو چکنا چور نہ کریں۔ خود تکلیف اُٹھائیں، صبر کریں۔ تحمل اور برداشت کی خو ڈالیں مگر اُن کو ٹھیس نہ لگنے دیں اور جہاں تک ہو سکے اُن کو آرام و آسایش پہنچائیں اور اس طرح اپنی بڑائی کو ثابت کر دکھائیں۔ یہ تو کوئی بات بڑائی کی نہ ہوئی کہ "آہن بہ آہن کوفتن"۔ پھر عورت عورت ہی ہے اور مرد مرد ہی۔ طاقت ور اور ضعیف، زبردست اور زیردست کا کیا مقابلہ۔ اُن کی بھلائی بُرائی ہمارے دستِ قدرت میں ہے۔ ذرا ہنس دیئے اُن کا

دل کھل گیا رنج دُھل گیا - ذرا تیور بدل لیئے اُن کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہوگئی - پھر یہ کیا شرافت اور کیسی بھلمنسات ہو کہ ہم اُن کا دل دُکھائیں ذرا ذرا سی بات پر اُن کو تکلیف پونہچائیں اور آپ مزے چین کریں - اُن کو کونے میں پڑا سڑنے دیں اور اپنے دل بہلانے کا سامان اور کچھ کرلیں - اللہ تعالیٰ اپنے کلامِ پاک میں ارشاد فرماتا ہو اور کیا ہی میٹھے بول ہیں کہ " وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ " (عورتوں کے ساتھ حُسنِ سلوک سے رہو) اور پھر فرماتے ہیں " هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ " (وہ تمھارا لباس ہیں اور تم اُن کے لباس ہو) مطلب یہ ہو کہ جو تم سو وہ اور جو وہ سو تم - کوئی فرق نہیں ہو - تمھارا اُن کا چولی دامن کا ساتھ ہو تمھارے اُن کے بیچ میں کسی طرح کا پردہ نہیں - حدیث شریف میں شریف اور بھلے مانس کی یہی پہچان بتلائی ہو کہ " خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِلنِّسَاءِ كُمْ " (تم میں اچھا وہی ہو جو اپنی عورتوں سے اچھا رہے) ~~

صاحب کرم کسے ست کہ بخشد گناہ را
بخشیدن درم نبود پیشِ ما کرم

دیکھیئے اور غور سے دیکھیئے خدا اور رسول کے کیسے صاف و صریح احکام ہیں جن پر عمل کرنے سے سارے جھگڑے بکھیڑے مٹ جاتے ہیں اور دنیا اور دین کی بھلائی حاصل ہوتی ہو - دنیا کی بھلائی یہ کہ میاں بیوی ایک جان دو قالب ہو جائیں گے دین کی بہبودی یہ کہ آخرت میں خدا کے حکم کی تعمیل کا اجر پائیں گے -

یہ کتاب میرے نزدیک کسی طرح میری کتابوں سے کم نہیں۔ کیوں کہ جس کوچے میں بی اشرف نے اب بہ فضل خدا قدم دھرا ہی میں اسی کوچے میں مدتوں سے رہتا ہوں۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں نہ بی اشرف کے خوش کرنے کو بلکہ اظہار واجبیت کے لیئے کہ اگر مجھ جیسے بڈھے ٹھڈے نے کچھ کتابیں لکھ لیں تو کون سا کمال کیا کمال ان کا ہی کہ باوجود ہر طرح کے موانع اور رکاوٹوں کے جو عورتوں کو تعلیم کی ڈگر میں قدم قدم پر پیش آتی ہیں انھوں نے ایسی لیاقت پیدا کی کہ اچھے اچھے لکھاڑوں سے بازی لے گئیں۔ اوروں کی تو میں کہتا نہیں مگر اپنی نسبت یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر میں بھی اس مضمون پر قلم فرسائی کرتا تو اس سے بہتر لکھنا تو یقیناً ناممکن تھا شاید اس کے برابر بھی مشکل ہی سے لکھ سکتا۔ ع اللہ کرے حسنِ رقم اور زیادہ۔ اس میں شک نہیں کہ جس طرح میں ان سے سن و سال میں بڑا ہوں اسی طرح لیاقت علمی اور تجربے میں بھی مجھے تفوق اور برتری ہی با ایں ہمہ اُن کو مجھ پر دو اعتبار سے اڈوانٹیج حاصل ہی۔ ایک تو یہ کہ اُنھوں نے قدرتہً مجھ سے اچھی زبان پائی ہی دوسرے یہ کہ وہ چشم دید واقعات لکھتی ہیں اور میں سُنے سُنائے حالات اور اس میں جو فرق ہی وہ محتاجِ بیان نہیں۔ ع شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ۔

میں امید کرتا ہوں کہ جناب اشرف جہاں بیگم صاحبہ اپنی بہنوں کو اپنی پُرزور انشاپردازی سے بہت کچھ فائدہ پہنچائیں گی اور مردوں کو اُن کے عیوب پر مطلع ہونے کا موقع دیں گی۔ عورتوں پر مردوں نے بڑی بڑی

لتاڑیں کی ہیں اور جو دل میں آیا لکھ مارا۔ تنہا بہ پیشِ قاضی روی راضی آئی۔ مگر تصویر کا دوسرا رُخ اب سامنے آیا ہے ؎

نالۂ بلبلِ شیدا تو سُنا ہنس ہنس کر اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی

اونٹ جب پہاڑ کے نیچے آتا ہے تب ہی وہ جانتا ہے کہ ہاں مجھ سے بھی کوئی اونچا ہے۔ اس کتاب میں مردوں کے حالات کو بڑی وضاحت سے پوست کندہ بیان کیا ہے اور اُن کی قلعی خوب کھولی ہے۔ ؎

سُن تو سہی ہے خلق میں تیرا افسانہ کیا کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا

مرد ٹھنڈے دل سے کان لگا کر سُنیں کہ عورتوں کا درد دُکھ کیا ہے اور مردوں کا سلوک اُن سے کیا ہے۔ ہٹ دھرمی اور بات کی پیچ کی بھی نہیں جو کہا ہے بجا کہا ہے اور جو لکھا ہے حق بجانب لکھا ہے۔ ؎

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی جوابِ تلخ می زیبد لبِ لعلِ شکرخارا

مردوں کو چاہیئے کہ ایک نیک طینت اور نیک مزاج مرنے بھرنے والا شوہر۔ ایک شفیق۔ رفیق۔ جان چھڑکنے والا باپ اور ہر ایک کے ساتھ خلق و انسانیت سے پیش آنے والا انسان بنے۔ ؎

سخت مشکل ہے ہر اک کام کا آساں ہونا آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

ہم اچھے ہیں تو ہمیں سب ہی اچھے نظر آتے ہیں۔ آپ بھلے تو جگ بھلا دوسروں کو بُرا کہنا اور بُرا سمجھنا اپنا عکس آئینے میں دیکھنا ہے۔ ؎

میں بتا دوں آپ کو اچھوں کی یہ پہچان ہے جو ہیں خود اچھے وہ اوروں کو نہیں کہتے بُرا

زندگی کے دن بہت مختصر ہیں۔ جو دن گزریں غنیمت جانو۔ خود خوش و خرم

صابر و شاکر رہو اور دوسروں کو بھی خوش رکھنے کی کوشش کرو خصوصاً
اُس نیک ذات کا ہر طرح خوش رکھنا تم پر فرض عین ہے جس کا پلہ تم سے
بندھا ہے اور اُس کی ساری امیدوں کا دارومدار تمھاری ایک ذات
پر موقوف و منحصر ہے - بیوی کو چاہو اور قدر کروگے تو بچوں پر ضرور پیار
آئے گا - یہ ننھی مُنّی سی پَود خدا کی امانت ہے - اس کی حفاظت اور
نگہداشت تم پر واجب ہے - یہ ہم نے مانا کہ سب مرد اور عورتیں برابر نہیں
"آدمی آدمی انتر کوئی ہیرا کوئی کنکر" اور ہر ریوڑ میں ایک نہ ایک کالی
بھیڑ ضرور ہوتی ہے مگر سچی بات یہ ہے کہ جو وفاداری، پاک بازی، عصمت اور
ایثار عورتوں کی نازک ذات میں ہے مرد اُس کی گرد کو بھی نہیں پہنچتے اور
اسی وجہ سے انگریزوں نے عورتوں کو "بٹر ہاف" یعنی "بہترین نصف"
کہا ہے اور بجا کہا ہے - جو قوم اپنی عورتوں کی قدر و منزلت نہیں کرتی وہ
حق پسندی سے بہت دور ہے - خدا مردوں اور عورتوں کو نیک توفیق
دے کہ وہ دنیا کی چندروزہ اور مسافرانہ زندگی، جس میں صدہا قسم کے
تردد اور افکار، آلام اور مصائب ہیں اُس کو اپنے طرزِ عمل سے اور
زیادہ تکلیف دہ اور موجب سوہانِ روح نہ بنائیں - میاں بیوی کا
نفاق دنیا میں دوزخ ہے اور اتفاق گھر کے گھر ہی میں جنّت - چاہیئے
یہ کہ میاں بیوی سے اور بیوی میاں سے خوش رہیں - کچھ یہ جھکیں کچھ
وہ - بس اس سے بڑھ کر اور چاہیئے بھی کیا - اندھا کیا چاہے دو
آنکھیں اور جس کی دونوں آنکھیں روشن ہوں وہ چہ غم اور ملن

دن عید رات شب برات اُسی کے لیئے ہی اور اسی میں دنیا کا مزا ہی ورنہ یہاں کیا دھرا ہی۔

۵

۱؎ کس کشتۂ غم کی داستاں ہی — ہر صفحہ کفن سے خوں چکاں ہی
سطریں سب گیسوے پریشاں — صورت ماتم کی بے گماں ہی
اے آہ! سوادِ روشنائی — آہِ دلِ زار کا دھواں ہی
ہر ایک کشش ہی نیزۂ غم — ہر دائرہ چشمِ خوں فشاں ہی
جو سین ہی محشرِ الم ہی — حسرت افزا ہی جو بیاں ہی
راحت کا ہی یہ فسانہ اے دل — غارت گرِ طاقت و تواں ہی
تحریر ہی اشرفِ جہاں کی — تصویرِ لطافتِ بیاں ہی
گھر کیوں نہ کرے ہر ایک دل میں — دلّی والی کی یہ زباں ہی
حیرت زدہ اس کو دیکھ کر ہوں — آئینۂ حالِ بیوگاں ہی
آخر دنیا نہ کیوں ہو غارت — بیوہ پہ بہت ستم یہاں ہی
کہتے ہیں کہ خاکِ کشورِ ہند — دنیا میں پناہِ بے کساں ہی
بیوہ کے لیئے تو اس زمیں کا — ہر ذرّہ جوابِ آسماں ہی
کیوں کرتے ہو پائمال اس کو — فرقت شوہر کی کم گراں ہی؟
طعنوں سے دلِ غریب دائم — تیرِ دلدوز کا نشاں ہی
فقرہ فقرہ ہی تیز خنجر — ہر وقت جگر پہ جور واں ہی
کیا سوگ ملا ہی عمر بھر کا — ایسا جینا عذابِ جاں ہی

۱؎ یہ نظم منشی تلوک چند بی۔اے کی ہی جس میں بہت تھوڑا سا تصرف بضرورت کرنا پڑا ہی۔ ۱۲

سُسرال میں چین ہے نہ مَیکے — دشمن ہر ایک خانداں ہے
ہوتی ہے بسر سبک سری سے — اپنا بیگانہ سرگراں ہے
دنیا میں سوائے ذاتِ باری — مونس ہے کوئی نہ مہرباں ہے
حافظ اللہ آبرو کا — ہر گام پہ تازہ امتحاں ہے
بیگانۂ نعمتِ مسرت — اپنی قسمت پہ نوحہ خواں ہے
ہے ذوقِ غزل تو آہ لب پر — محروم کی یہ غزل رواں ہے

غزل

او ماہ یہ زندگی کہاں ہے — فرقت تیری عذاب جاں ہے
دریائے فراق آہ! تیرا — طوفاں خیز اور بیکراں ہے
پہلو میں تڑپ تڑپ کے میرا — قلب تفتیدہ نیم جاں ہے
آجا بھی کہ اب مریضِ ہجراں — منت کشِ مرگِ ناگہاں ہے
تو جب سے چھٹا ہے او دل آرام! — آرام نصیبِ دشمناں ہے
ہنستا ہے زمانہ سن کے یارب! — واثر و نہ اثر مری فغاں ہے
دل میں ہے کسی کی آہ! تصویر — کیا قہر اک سوزشِ نہاں ہے
تھیں تجھ سے خزاں میں بھی بہاریں — اب مجھ کو بہار بھی خزاں ہے
بلبل کا ترانہ کیا سنوں میں — میری قسمت پہ نوحہ خواں ہے
پھولوں کی بہار خاک دیکھوں — گُل داغِ جگر کا ہمنشاں ہے
محروم یہ زاریاں ادھر سے — اور اُن کی طرف سے ہوں شہاں ہے

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ وَالشُّکْرُ عَلٰی نِعْمَآئِہٖ کہ آج وہ میرا میٹھا میٹھا درد جو کچھ عرصے سے مجھے بے چین کر رہا تھا کسی قدر اُس کی چبھن میں تخفیف ہے اور ایک موہوم سی جھلک اُس آرزوئے دیرینہ کے پورے ہونے کی نظر آتی ہے خدا ہمچو کنادہ کوئی سا بھی کام ہو خواہ وہ مشکل ہو یا سہل جب تک ایک دو دفعہ ہاتھ سے نہ نکلے طبیعت ضرور ہچکچاتی اور پس وپیش کرتی ہے۔ ہاں یہ بات اور ہے کہ کوئی ایسا شفیق رفیق اور ہمدرد مِل جائے کہ حوصلہ افزائی کرے اور ہمّت بڑھائے اور شوق کو دوبالا کر دے۔ نرا شوق تو بس طاق میں ہی دھرا رہتا ہے اور کچھ فائدہ نہیں ہوتا جب تک کہ کوئی سہارا نہ لگائے اور یہ کُھلی بات ہے جس کا مجھے بھی تجربہ ہے کہ جب دو سر جُڑ جاتے ہیں تو بہت سے عقدے کُھل جاتے ہیں۔ ایک مدّت سے میں خیالی پُلاؤ پکا رہی تھی کہ لوگوں کی دیکھا دیکھی میں بھی کتاب کے پیرائے میں کچھ لکھوں بہ شرطے کہ لکھ سکوں۔ خدا جھوٹ نہ بلائے شبانہ روز یہی دُھن لگی رہتی تھی لیکن چوں کہ پہلے کبھی کتاب تو کتاب کسی تفصیلی مضمون کے لکھنے کا بھی اتفاق نہ ہوا تھا اس قدر ڈر غالب تھا کہ کچھ کہا نہیں جاتا۔ مگر جب کوئی کام ہونے والا ہوتا ہے

تو مسبب الاسباب اور کارسازِ حقیقی اُس کا کچھ نہ کچھ سامان پردۂ غیب سے کر دیتا ہے اور اپنے بندے کی ہر ایک آرزو کو پورا کر دیتا ہے چنانچہ مولوی بشیر الدین احمد (اوّل تعلقہ دار سرکار عالی نظام) کے دلِ صفا منزل میں میرے دل کی بات ڈال دی۔ صاحبِ موصوف نے دبی ہوئی چنگاری کو شعلہ بنا دیا اور میرا حوصلہ اس درجے بڑھایا کہ میری آنکھیں کھُل گئیں۔ دل ہی دل میں منصوبہ گانٹھنے لگی اور اسی فکر میں غلطاں پیچاں رہی۔ کئی دن کے خلفشار کے بعد ایک نقشہ جما کچھ لکھنے بیٹھی کہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھانے لگی۔ ناتجربہ کاری الگ ڈراؤنی آنکھیں دکھانے لگی۔ طرح طرح کی رُکاوٹیں پیش آنے لگیں رہی سہی ہمت بھی پست ہو گئی مگر میری پیٹھ پر ایک ایسے بزرگ اور شفیق کا دستِ شفقت تھا جو تصنیف و تالیف کے میدان کا شہسوار اور اس بحرِ زخار کا شناور اور تجربہ کار تھا۔ اُس کی دست گیری اور رہنمائی کی مشعلِ ہدایت نے میرا بیڑا پار کر دیا۔ مبادا میری واجبی تعریف بھی اُن کی خاطرِ عاطر کو ناگوار ہو لہٰذا قلم روک لیا پھر خیال آیا کہ اگر کچھ نہ لکھوں تو احسان فراموش کہلاؤں۔ بہت مختصر صرف چند ہی جملے میں اس فریضے کی ادائی کے لیئے (زرود مخصوص) کرتی ہوں۔ آپ کی تصانیف کی غرض و غایت اور اصلی مدعا مستورات کے درماندہ فرقے کی سود و بہبود کے سوائے کچھ نہیں ہے۔ وہ کتابیں سب دیکھ چکے ہیں پسند کیا اور میری تعریف کیا۔ جس کسی نے دیکھا پسند کیا اور ہاتھوں ہاتھ

لیا اور سر پر چڑھایا۔ لیکن میں جو بات کہنی چاہتی ہوں وہ کچھ اور ہی ہے۔ آپ میں اعلیٰ درجے کی ایک چھوڑ دو صفتیں ہیں جو آبِ زر سے لکھنے اور دل میں گھر کرنے کے قابل ہیں۔ اول یہ کہ خود مہذب اور نیک نفس ہیں ایک دردمند دل رکھتے اور دوسروں کی فلاح و بہبود کے خواہاں اور جویاں ہیں۔ دوسرے یہ کہ ایک شہرۂ آفاق باپ کے اکلوتے بیٹے ہونے کا اُن کو بجا فخر ہے یعنی ایک ایسی اصل کی فرع ہیں جس کا سکّہ سارے ہندوستان کی ادبی دنیا میں ایسا بیٹھا ہوا ہے کہ محتاجِ بیان و استحسان نہیں۔ یہ اسی گھرانے کا فیضان ہے کہ عورتوں کو بھی تعلیم کی طرف رُجحان ہے۔ آپ کے والدِ ماجد یا آپ کی تصانیف ہی کا یہ نتیجہ ہے اُس کا شکریہ کما حقّہ ادا کرنا ہمارے امکان سے باہر ہے زبان نہیں کہ اُس کا اعلان کر سکیں۔ خالو جان کے ہر وقت کے تقاضے نے میرے تنِ مردہ میں جان ڈال دی یا یوں کہیئے کہ رُوحِ تازہ پھونک دی۔ میرے اُس ارادے کو جس میں اِضمحلال اور ڈھیل پڑ گئی تھی ایسا کس دیا کہ سُستی کی جگہ چُستی آگئی۔ قلم صفحۂ قرطاس پر فرّاٹے بھرنے لگا۔ جس کا ثمرہ یہ چند اوراقِ پریشاں ہیں جنھیں کتاب کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ کتاب لکھی میں نے ضرور ہے مگر اس کی روحِ رواں میرے خالو جان ہیں۔ ؎

مشکل ز توجہ تو آساں   آسان ز تغافلِ تو مشکل

بے مبالغے سے بُری اور کھری بات اور حقیقتِ نفس الامری یہ ہے کہ

واقعہ اصلی ہے طرز ادا البتہ نقلی ہے۔ ایک آفت زدہ دُکھیا بہن کی سرگزشت ہے، سرگزشت کیا ہے مقدّر کا لکھا اور مصیبت کا کچا چٹھا ہے۔ وہ بے چاری بہ ہزار خواری شوہر کے مظالم کی تاب نہ لاکر جل جل کر بھسم ہو گئی۔ زندگی کے ساتھ مصیبت بھی ختم ہو گئی۔ **دوہا**۔ لکڑی جل کوئلا بھئی اور کوئلا جل بھئی راکھ ٭ میں پاپن ایسی جلی کوئلا بھئی نہ راکھ۔

میری نظر سے قریب قریب سب وہ کتابیں گزری ہیں جو مردوں نے عورتوں پر لکھی ہیں۔ ہم تو ایسی باتیں سُننے کے آج سے نہیں جب سے پیدا ہوئے عادی ہیں۔ **ع**

جھڑکی تو مدتوں سے مساوات ہو گئی ٭ گالی کبھی نہ دی تھی سو اب بات ہو گئی

اک مار تھی سو اُس بتِ بدخو کے ہاتھ سے ٭ مدت ہوئی کہ اپنی وہ اوقات ہو گئی

جو جی میں آئے کہیں کیوں کہ مرد ہیں۔ سر دھرے ہیں۔ سرِ تسلیم خم ہے۔ نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سُنتا ہے۔ قہرِ درویش بجانِ درویش۔ مگر انصاف مقتضی اس کا ہے کہ کچھ ہم بے زبانوں کا درد دُکھ بھی تو کبھی سن لیا کریں۔ **ع**

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں رسوا　　تم قتل بھی کرتے ہو تو چرچا نہیں ہوتا

یہ اپنا اپنا لہنا اور اپنی اپنی تقدیر ہے۔ **قطعہ**

قسمت کیا ہر ایک کو قسّامِ ازل نے　　جس چیز کے قابل کوئی ناسنخ نظر آیا

بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا　　غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

میں نے مردوں کی بے رُخی کی تصویر یا عورتوں کی تقدیر کا ایک

ہمدم سا رُخ ڈرتے ڈرتے دکھایا ہی - مگر خدا نہ کرے کہ سب مرد ایسے قسی القلب ہوں - بہت سے درد بھرا دل رکھتے ہیں بیویوں کا ناز اُٹھاتے اور صبر سے کام لیتے ہیں - اگر ایسا نہ ہوتا تو عورتوں کا ٹھکانا کہاں لگتا - بن موت مرجاتیں - اس ناچیز کتاب کی تصنیف سے میری دلی خواہش صرف یہی ہی کہ **فغانِ اشرف** سُن کر کچھ اور دل پسیج جائے -

غیروں کی طرف پھینکے ہی گُل بلکہ ثمر بھی
اے ابرِ کرم بحرِ سخا کچھ تو ادھر بھی

اب جی چاہتا ہی کہ اپنے اُس مالک کے سامنے جو تقدیروں کا بگاڑنے اور سنوارنے والا اور مقلب القلوب ہی دعا کے لیئے اپنے ہاتھ اُٹھاؤں اور اُس سے نہ کہوں تو کس سے کہوں - لیکن میں کیا اور میری دعا کیا - مگر یاد رہے بیکسوں مظلوموں اور گنہگاروں ہی کی دعا زیادہ مقبول ہوتی ہی -

آہ کھینچی تو تا فلک پونہچی
دیکھ ہمدم کہاں تلک پونہچی

خدا لڑتی رات کرے بچھڑتی رات نہ کرے - لڑائی ہو مگر جدائی نہ ہو - دعا یہ ہی :- اے پروردگارِ عالم تیری مُٹھی میں سب کے دل ہیں تو عورتوں کو پہلے اور مردوں کو بعد موافقت اور سازگاری کی راہ دکھلا کہ دنیا کی دشوار گزار منزل سے یہ ناؤ جو منجدھار میں پڑی ڈگمگا رہی ہی نکل کر ساحلِ مراد پر صحیح سلامت پونہچ جائے - ایک یہ بھی التجا ہی

کہ اشرف بے چاری علم سے عاری کتاب تو کیا لکھے گی مگر ہاں چند اوراق جو ایک جگہ جمع کر دیئے ہیں بُرے یا بھلے جیسے بھی کچھ ہیں حاضر ہیں۔ ع گر قبول افتد زہے عزّو شرف۔ ان اوراقِ پریشاں میں اثر دے اور شرفِ قبولیت سے سرفراز فرما۔ ناظرین لغزشوں سے چشم پوشی فرمائیں اور غلطیوں کا پردہ ڈھانک لیں۔ عورت ہوں اور اُس پر طرّہ یہ کہ ناقص العقل۔ مگر پھر آخر آدمی کا بچہ ہوں اس لیئے انسان ضرور ہوں۔ ہاتھیوں کے ساتھ گنّے کھانے کا حوصلہ رکھنا اور برابری کا دعویٰ کرنا مُنہ کی کھانا ہے۔ چھوٹی بن کر بڑوں کا دامن پکڑتی ہوں اپنی ناتجربہ کاری اور کم لیاقتی کو سمجھتی بوجھتی ہوں مگر آس ہے تو صرف اس کی کہ ؎

شنیدم کہ در روزِ امید و بیم بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم

یہاں کی تو اچھی طرح یا بُری طرح جیسی کچھ بھی تھی گزر گئی اور جو تھوڑی بہت رہ گئی ہے۔ ایں نیز بگزرد۔ خدا وہاں کی اچھی کرے جہاں سدا سدا کو رہنا ہے۔ ؎

غمِ دنیا مخور کہ بیہودہ است ہیچ کس در جہاں نیاسوداست

غمِ دیں خور کہ غمِ غمِ دین است ہمہ غمہا فرود تر ازاین است

راقمہ ناچیز کنیز اشرف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب (۱) راحت بیگم کے خاندان کے ابتدائی حالات

دیکھتے ہیں جلوۂ گلہائے رنگا رنگ ہم — مثلِ نرگس جب تلک ہے اس چمن میں چشم وا
آخرش ہوگا وہی اک دن خزاں کے ہاتھ سے — جو کہ عالم اپنا اس نشو و نما سے پہلے تھا
ہے غنیمت کوئی دم نظارۂ رنگِ بہار — پھر کہاں یہ گلشن اور گل اور یہ سبزہ اور ہوا
(ذوق)

نیرنگیِ زمانہ سب پر ظاہر ہے - اس بدیہی امر سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اس کی روانی بہتے ہوئے پانی سے کہیں زیادہ تیز ہے - ممکن ہی نہیں کہ یہ ایک حالت پر رہے - جو آج ہے وہ کل نہیں اور جو کل ہے وہ پرسوں نہیں غرض یہ کہ قیامت تک یہی اُلٹ پھیر لگا رہے گا - آنکھیں روزمرہ نت نئے تماشے دیکھتی ہیں اور دیکھیں گی - انقلابِ زمانہ کے ہاتھوں ہزاروں بنے بنائے گھر اُجڑ گئے اور سیکڑوں خوش حال خاندان آناً فاناً میں تباہ و برباد ہو گئے - قبل اس کے کہ میں راحت بیگم کی مصیبت بھری رام کہانی آپ کو سناؤں مناسب ہے کہ اُن کے خاندان کے کچھ مختصر حالات ناظرین کے سامنے پیش کروں - راحت بیگم کے والد ڈاکٹر افتخار احمد صاحب دلی کے مشہور محلے کوچہ بلاقی بیگم میں رہتے تھے ڈاکٹر صاحب کی شادی ایک ایسے خاندان میں ہوئی تھی جو تعلیم نسواں کا سخت مخالف تھا یہی وجہ تھی کہ اُنکی بیوی پڑھی لکھی نہ تھیں - ڈاکٹر صاحب

چوں کہ روشن خیال اور تعلیم یافتہ تھے اس لیئے اُنھیں بیوی کا اس
کوچے سے نابلد ہونا بہت شاق تھا مگر خدا بھلا کرے اوپر والوں کا
کہ ڈاکٹر صاحب کو بڑھاوے چڑھاوے دے دلا یہاں چاپک ہی
دیا۔ **نصیرہ بیگم** (اہلیۂ افتخار احمد) یوں تو بڑی سنجیدہ تھیں اور اکثر
اپنے متعلق سوچا کرتی تھیں کہ ڈاکٹر صاحب کی رکاوٹ اور بے رخی
محض میری جہالت کی وجہ سے ہے۔ اُدھر بے چارے ڈاکٹر صاحب
بھی متفکر رہتے تھے۔ غرض یہ کہ میاں نے بیوی کو چند ہی روز میں
پڑھا لکھا کر ایسا کر دیا کہ چھوٹی موٹی اُردو کتابیں پڑھنے لگیں اور کچھ
ٹیڑھے مکوڑے بھی گھسیٹ لیتی تھیں۔ بیوی چوں کہ ہوشیار تھیں
اُنھوں نے بہت جلد ترقی کی اور میاں کے دل میں جو خلش تھی نکل گئی
اور دونوں گھل مل گئے۔ ڈاکٹر صاحب کے ہاں یکے بعدِ دیگرے
چار بچے ہوئے۔ جس میں سے ایک تو مرا ہوا پیدا ہوا اور تین صحیح
سلامت۔ سب سے بڑی لڑکی **راحت بیگم** تھی۔ اُس سے
چھوٹا لڑکا نثار احمد اور سب سے چھوٹے لڑکے کا نام **مشتاق احمد**
تھا۔ ڈاکٹر صاحب اور خدا بخشے میرے والد صوبہ دار صاحب
مرحوم سے بہت گہرے مراسم تھے اور اسی سبب سے عورتوں
میں بھی خاصہ میل جول تھا۔ ڈاکٹر صاحب ملازم نہ تھے بلکہ اپنے
گھر کے قریب ایک مختصر سا مکان جو اُن کا دیوان خانہ کہلاتا تھا
اُسی میں اُنھوں نے ایک ڈسپنسری (شفاخانہ) قائم کر رکھی تھی

ڈاکٹر صاحب کی کچھ آبائی جائداد بھی تھی - راحت بیگم باپ کی بڑی چہیتی بیٹی تھی اور لڑکی تھی بھی سمجھ دار ہوشیار اور قبول صورت اُس پر اپنے تو اپنے اَن ہوئے کو بھی پیار آتا تھا - ڈاکٹر صاحب تو یہ چاہتے تھے کہ لڑکی کو اچھی تعلیم دی جائے مگر ننھیال والے سخت مخالف تھے - یہ مانا کہ نصیرہ بیگم اپنے شوہر کی ہر ایک خوشی میں خوش تھیں اور حتی المقدور میاں کو خوش رکھنے کی کوشش کرتی تھیں مگر آخر تھیں تو ایک جاہل خاندان کی اور صحبت بھی ایسوں ہی کی پائی تھی جو بالکل ہی تاریک خیال کے لوگ تھے - میاں نے پڑھا لکھا ضرور دیا تھا مگر وہ ذخیرہ اس قدر کافی نہ تھا کہ اُن کے خیالات کو پورے طور پر بدل سکتا اور وہ سمجھنے لگتیں کہ تعلیم کیا چیز ہے اور اُس سے انسان کو کیسے کیسے فائدے حاصل ہوتے ہیں اُن کا تو یہ مقولہ تھا کہ لڑکیوں کا قرآن شریف پڑھ لینا اور دو چار کتابیں مسئلے مسائل کی دیکھ لینا بس کافی تھا گویا منشی فاضل ہو گئی - باقی گھر کے کام دھندوں میں مثلاً پکانا ریندھنا سینا پرونا چھوٹے بہن بھائیوں کو پالنا ان کا ہوں میں شب و روز منہمک رہیں - لیکن ڈاکٹر صاحب کی نظر اس سے بلند تھی اور بیوی کو ہمیشہ سمجھاتے بجھاتے رہا کرتے تھے کہ تم لڑکی کی تعلیم کا جلد ہی فکر کرو یہ قرآن شریف سے فارغ ہو چکی اس کی تعلیم کی عمر نکلی جاتی ہے کہیں نہ کہیں پڑھنے کا انتظام ضرور کرنا چاہیئے نصیرہ بیگم کی یہ حالت تھی کہ ادھر سنا اُدھر ٹال دیا کہ دیکھا جائے گا - دونوں لڑکے

تو سکول میں پڑھتے ہی تھے مگر اب ڈاکٹر صاحب کو لڑکی کا فکر ہر وقت
لگا رہتا تھا - یہاں تک کہ دوا خانے میں مریض کو دیکھ رہے ہیں نسخہ
لکھ رہے ہیں کہ یکایک بیٹی کا خیال آیا کہ وہ گھر میں لڑکیوں میں فضول
گپ شپ میں اوقات ضائع کر رہی ہوگی - افسوس اس کا بیش قیمت
وقت کس طرح نکلا جا رہا ہے کیا اچھا ہو کہ وہ تعلیم کے سر لگ جائے -
دوسری قوموں کی عورتوں کو دیکھو کیسی ترقی کر رہی ہیں - جوں ہی
ان خیالات نے اُن کو پریشان کیا لکھتے لکھتے فوراً قلم رُک گیا اور خیالات
منتشر ہو گئے - غرض کئی روز تک وہ سوچتے رہے کہ کیا تدبیر کروں
جو لڑکی تعلیم پائے اسی فکر میں اُن کی جان گُھلی جاتی تھی - یہ مانا کہ
وہ مرد تھے سب کچھ کر سکتے تھے بیوی پر زیادہ زور ڈالتے اور لڑکی
کی تعلیم کا انتظام کرنا اُن کا فرض تھا لیکن وہ چاہتے تھے کہ بیوی زیادہ
پاکھنڈ نہ مچائیں - کوئی ایسی صورت نکل آئے کہ وہ خود بخود بغیر لڑائی
جھگڑے کے میری رائے کے موافق ہو جائیں - اسی خیال سے
روزانہ بیوی کو اخبار سناتے اور دوسری قوموں کی عورتوں کے
کارہائے نمایاں بتلاتے کہ شاید اس خدا کی بندی کا دل تعلیم کی طرف
مائل ہو - راحت کو پڑھنے کا تھوڑا بہت شوق تو ضرور تھا اور وہ ہمیشہ
کچھ نہ کچھ باپ سے پڑھتی ہی رہتی تھی لیکن باقاعدہ نہیں کیونکہ ڈاکٹر
بے چارے کو یہی ایک کام نہ تھا اُن کے پیچھے پیٹ کا دھندا بھی

لگا ہوا تھا - پھر بھی حق بات یہ ہے کہ وہ بے چارے بہت کوشش کرتے تھے کہ لڑکی کو کچھ تھوڑا بہت پڑھا دیا کریں مگر مریضوں کا ہجوم اُن کو اتنی مہلت نہ دیتا تھا کہ اسی کے ہو رہیں تاہم بیٹی کو پڑھاتے رہتے تھے -
ایک روز جب کہ ڈاکٹر صاحب دواخانے سے گھر آئے تو بہت کچھ سوچ بچار کے بعد بیوی سے کہا کہ مجھے تم سے ایک خاص معاملہ میں مشورہ کرنا ہے - بیوی نے کہا بسم اللہ فرمائیے - مگر اس وقت مجھے ذرا کام ہے اور وقت بھی تھوڑا ہے کیوں کہ دو بجے آپ کی بہن نادری بیگم آنے والی ہیں اس لیے کمرہ وغیرہ صاف کرانا ہے اور شام کے کھانے کا انتظام بھی کرنا ہے اگر کوئی ایسی ضروری بات ہے تو ابھی ورنہ پھر کبھی - لیکن میرا خیال تھا کہ رات کو اطمینان سے بات چیت کرتے تو اچھا ہوتا - میاں کو بیوی کی اس رسان کی گفتگو سے کچھ اطمینان ہوا اور امید بندھی کہ کیا عجب ہے کہ سمجھائے بجھائے سے رستے پر آجائے اور معاملہ روبراہ ہو جائے - کہنے لگے کہ اس میں شک نہیں وہ مشورہ نہایت ضروری ہے لیکن ایسی بے اطمینانی کی حالت میں طے نہیں ہو سکتا بس اب رات ہی پر رکھو - یہ کہہ کر ڈاکٹر صاحب باہر چلے گئے اور اسی اُدھیڑ بن میں لگے رہے کہ کیا کہوں اور کیوں کر کہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ اُن کے مُنہ سے "نا" نکل جائے اور مفت کی بدمزگی ہو - لیکن پھر یہ خیال آیا کہ وہ اس قدر ناسمجھ تو ہیں نہیں جو سمجھائے سے بھی نہ سمجھیں اور اگر اپنی ماں بہنوں کے خیال سے

وہ اسی بات پر اڑی رہیں تو پھر مجھے کھلم کھلا اس معاملے میں مخالفت کرنے کا حق ہوگا۔ غرض یہ کہ دل سے یہی باتیں کرتے رہے کہ اتنے میں کہاروں نے دروازے پر آواز دی "سواری اُترو الو" ماما ظہورن لپکی ہوئی دروازے پر گئی کہاروں کو باہر بھیجا اور دروازہ بند کر کے ڈولی کا پردہ اُٹھایا اور کہا لو بیوی جی اُتر آؤ۔ نادری بیگم (ڈولی میں سے) پردہ ہو گیا؟

ظہورن۔ بی میں نے پہلے ہی ڈوڈھی (ڈیوڑھی) میں سے کہاروں کو ہٹا دیا۔ نادری بیگم اُتریں دروازے سے لگی ہوئی بھاوج اور بھتیجی کھڑی تھیں بھاوج نے نند کو گلے لگایا۔ بھتیجی نے آداب کیا پُھپّی نے پیار کیا اور تینوں کمرے میں چلی گئیں۔

نادری بیگم (بھاوج سے) بھابی جان بھائی جان کیا باہر ہیں؟

نصیرہ نہیں تو گ۔ کمرے میں ہیں۔

نادری تو پہلے میں اُن سے مِل آؤں۔ یہ کہہ کر بھائی کے کمرے میں چلی گئیں۔ اور نہایت جھک کر آداب کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔ اتنے میں راحت اور اُن کی ماں بھی آ گئیں۔ سب یہیں بیٹھے رہے اور ادھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں۔

ظہورن۔ بیگم صاحب کہار تو چیکھ (چیخ) رہے ہیں۔

نصیرہ۔ اُوئی میری بھول پر پتھر پڑیں میں تو بالکل بھول گئی۔ بیٹی سے کہا ذرا جانا بوا صندوقچی کی کنجی لے جاؤ اور پیسے دے دو

وہاں کرایہ پر کہاروں سے ماما کی خوب جھک جھک ہوئی جیسی کہ کہاروں کی عادت ہوتی ہے کچھ بھی دو وہ ٹرّاتے ہی رہتے ہیں۔ غرض وہ بڑبڑاتے ہی چلے گئے۔

باب (۲) ۱۔ عصمت کی تعلیم۔

اَفرجِ کمال پر تھا جب ہند کا ستارا — اور نورِ علم سے تھا پُر نور ملک سارا
تھیں عورتیں ہماری علم و ہنر میں یکتا — اور اوج پر بہت تھا بختِ رسا ہمارا
عصمت کی دیویاں تھیں اور فخرِ خانداں تھیں — کچھ راز یہ نہیں ہے ہے سب پہ آشکارا

ایسی ہی تھیں ہزاروں ہندوستاں کے اندر
ثانی نہ جن کا ہوگا سارے جہاں کے اندر

تھا وہ بھی اک زمانہ ہے یہ بھی اک زمانہ — وہ علم کی حکایت، یہ جہل کا فسانہ
وہ دَورِ فرخی تھا، یہ عہدِ بے رخی ہے — سب عہدِ باستاں کی عظمت ہوئی روانہ
تھے علم سے وہ کرتے باطن کو اپنے روشن — اب اس سے یہ غرض ہے مل جائے آب و دانہ
آوارہ تن ہوئے خود اور عورتیں مقید — زنجیر جہل کی ہے اور گھر ہے قید خانہ
قابل نہیں ہے ہرگز تعلیم و تربیت کے — نامنصفی سے ڈھونڈا ہے یہ بہانہ
قدرت کی نعمتیں سب دونوں کے واسطے ہیں — تعلیم میں روا ہے کیوں طورِ غاصبانہ

۱۔ تعلیمِ نسواں پر یہ نظم منشی تلوک چند صاحب محروم۔ بی۔ اے۔ کی ہے۔ اس میں ہندی کے لفظ زیادہ تھے عام فہم کرنے کے لیے اُن کو بہ ضرورت بدلنا پڑا جس کے لیے قابل شاعر سے خواہانِ معافی ہوں۔ س

گر ضرورت بود روا باشد — بے ضرورت چنیں خطا باشد ۔۱۲ مصنفہ

حالت رہے گی کب تک ایسی ذرا بتا دے ای گردشِ زمانہ! ای گردشِ زمانہ

حق نے ہیں اُن کو بخشے دل اور دماغ دونو

مردوں کے جور سے ہیں پر داغ داغ دونو

سوتے رہو گے کب تک ہے تم کو دو جگانا جاگو سحر ہوئی ہے غفلت کا کچھ ٹھکانا

دنیا بنی ہوئی ہے دوزخ کا کیوں نمونہ مشکل نہیں ہے کچھ بھی اس کا سمجھ میں آنا

جو دُکھ گرست میں ہیں وہ جہل کے سبب ہیں تعلیم کا گھٹانا ہے پاپ کا بڑھانا

جس گھر میں عورتیں ہوں ان پڑھ نہ پڑھنے والی دانست میں ہماری جنت ہے وہ گھرانا

کمزور ہیں تو ہے یہ انصاف کا تقاضا تعلیم کے ہی بل سے کیجے انھیں توانا

طاقت جو علم میں ہے وہ آج ہے مسلّم سب اس کو مانتے ہیں نادان ہیں کہ دانا

پڑھواؤ لڑکیوں کو پڑھواؤ لڑکیوں کو ہندوستاں کو گر ہے جنت نشاں بنانا

چاہو اگر مصیبت ہندوستاں سے نکلے

کوشش کرو کہ پہلے اپنے مکاں سے نکلے

کہتا ہے ایک دانا سرمایہ قوم کے ہیں بچے یہ ننھے ننھے سوچو ذرا تو کیا ہیں

وابستہ ان سے ساری ہیں قوم کی امیدیں وہ قوم کا سہارا اور اس کا آسرا ہیں

رونق انھیں کے دم سے باقی ہے بزمِ ہستی یہ گلشنِ جہاں کے گلہائے خوشنما ہیں

چشم و چراغ خانہ ماں باپ کے لئے ہیں اور آسمانِ قومی پر ماہِ دل فزا ہیں

چھوٹا انھیں نہ سمجھو دی حق نے ہے بزرگی یہ داستانِ قومی کے حرفِ ابتدا ہیں

گر ان کی تربیت سے غافل ہیں قوم والے یہ جان لو کہ ملزم وہ پیشِ کبریا ہیں

افسوس! قوم ان کو مٹی میں پھینکتی ہے یہ لعل قیمتی ہیں گوہر یہ بے بہا ہیں

عورات کو پڑھاؤ، عورات کو پڑھاؤ
کب جاہلوں سے ہوگا بچّوں کا رکھ رکھاؤ

کانِ گہر کو کھودو اس سے گہر ملے گا　　کوئلے کی کان سے تو کوئلا مگر ملے گا
ممکن نہیں جہاں سے زائل ہو تخم تاثیر　　جیسا درخت ہوگا ویسا ثمر ملے گا
آساں یہ تجربہ ہے خود آزما کے دیکھو　　بچّے کی عادتوں میں ماں کا اثر ملے گا
پہلا جو مدرسہ یاں بچّوں کے واسطے ہے　　تم اُس کو جاکے ڈھونڈو اپنا ہی گھر ملے گا
بچّے کی اپنی ماں ہے یا اس کو سب سے پہلے　　جو ہمسر ملے گی یا جو ماسٹر ملے گا
جو کچھ بتائے گی ماں، جو کچھ سکھائے گی ماں　　بچّے میں تا بہ آخر اُس کا اثر ملے گا
بچّے کی لوحِ سادہ پر نقش جو پڑے گا　　وہ نقش تم کو مثلِ نقشِ حجر ملے گا

بچّوں کی تربیت گر جاہل کے ہاتھ میں ہے
سمجھو کہ تیغِ بُرّاں قاتل کے ہاتھ میں ہے

بچّے بھی ہوں گے جاہل، جاہل اگر ہیں مائیں　　بچّے بھی ہوں گے کاہل، کاہل اگر ہیں مائیں
دیکھیں گے گروہ کو اعدا سمجھیں گے ہے وہ ہوّا　　بچّے بھی ہوں گے بزدل، بزدل اگر ہیں مائیں
ناقص اگر ہیں مائیں، بچّے بھی ہوں گے ناقص　　بچّے بھی ہوں گے کامل، کامل اگر ہیں مائیں
ہوں گے وہ رہ نوردِ راہِ خدا شناسی　　سوئے عبادتِ حق مائل اگر ہیں مائیں
نشو و نما نہ ہوگی، طاقت ذرا نہ ہوگی　　صحّت سے اُن کی کچھ بھی غافل اگر ہیں مائیں
پیدا شکم سے اُن کے ہوں گے تو مار و کژدم　　شمشیرِ بغض و کیں سے گھائل اگر ہیں مائیں
اغلب یہ ہے کہ اُن کے بچّے بھی با خدا ہوں　　زمرے میں باخدا کے شامل اگر ہیں مائیں

جب تک کہ عورتیں ہیں علم و ہنر سے عاری

ممکن نہیں کہ سُدھرے حالت ذرا ہماری

دن تمام ہوا مغرب کی نماز پڑھ کر نادری بیگم کھانا کھا کر بھائی بھاوج سے رخصت ہوئیں۔ ڈاکٹر صاحب بھی کھانا وانا کھا کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ بیوی نے ماما کو کھانا دیا دلایا۔ گھر کی گری پڑی چیز سینت رکھی ڈھکی دھکائی۔ بچوں کو سونے کے لیئے کمرے میں بھیجا اور خود عشا کی نماز پڑھ پڑھا فراغت ہو میاں کے کمرے میں گئیں۔ جیسے ہی دروازے میں قدم رکھا۔ دیکھتی کیا ہیں کہ لیمپ دھڑ دھڑ جل رہا ہے۔ مگر ڈاکٹر صاحب مُنہ پر اخبار رکھے مسہری پر لیٹے کسی قدر غنودگی میں ہیں۔ بیوی نے قریب جا کر آہستہ سے آواز دی کہ ہیں ابھی نماز بھی نہیں پڑھی اور اس قدر جلد سو گئے ؟ - یہ کہہ کر اخبار مُنہ پر سے ہٹا دیا۔ گو بیوی کی آواز کان میں ضرور گئی تھی۔ مگر جھپکی سی لگ گئی تھی جواب نہ دیا۔ البتہ اخبار کے اُٹھا لینے سے چونک پڑے اور کہا کہ کیا تم آ گئیں ہو بیوی۔ جی ہاں۔ میں تو جلدی ہی آتی مگر گھر کے سَو دھندے ہوتے ہیں کوئی نہ کوئی کام نکلا ہی چلا آتا ہے اب رنجنت ہوئی ہوں۔ نماز پڑھتے ہی سیدھی ادھر چلی آئی پان تک بھی نہیں کھایا۔ کہ اتنے میں ظہورن نے کہا بیگم صاحب پان لیجیئے نصیرہ بیگم نے ہاتھ بڑھا کر خاصدان لے لیا اور پان کھانے لگیں ڈاکٹر صاحب مسہری سے اُٹھ گاؤ تکیئے سے لگ کر بیٹھ گئے۔ بیوی بھی پاس بیٹھیں اور اب یوں بات چیت شروع ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب

کیا راحت سو گئی - بیوی - جی ہاں ابھی ابھی سونے کے لیے گئی ہے - ڈاکٹر - اور لڑکے؟
بیوی - نثار تو کتاب دیکھ رہا ہے مشتاق شاید سو گیا - ڈاکٹر - تمھیں معلوم ہے کہ آج مجھے تم سے ایک ضروری امر میں مشورہ کرنا ہے -
بیوی - تاڑ تو گئی تھیں کہ ہو نہ ہو وہی راحت کے پڑھنے لکھنے کا پٹنا ہو گا مگر انجان ہو کر بولیں نہیں مجھے تو نہیں معلوم بھلا کیا کوئی میں علمِ غیب پڑھی ہوں جو آپ کے دل کی بات معلوم کر لوں - ڈاکٹر - اجی میں کب کہتا ہوں کہ تم علمِ غیب جانتی ہو میرا خیال تھا کہ شاید تم کچھ سمجھ گئی ہو - خیر لو اب سنو - مجھے اُس وقت سے جب سے کہ راحت نے قرآن شریف ختم کیا ہے اُس کی تعلیم کی بہت بڑی فکر ہے مگر افسوس کہ اس وقت تک باوجودے کہ میں ہر وقت اس خیال میں پریشان رہتا ہوں کوئی مفید نتیجہ نہ نکال سکا -
بیوی لڑکیوں کی تعلیم کی تم کو ایسی کیا پڑی ہے جو خواہ مخواہ اس قدر فکر ہے -
ڈاکٹر - کسی قدر (چیں بہ جبیں ہو کر) پہلے میری سُن لو اور اُس کے ہر ایک پہلو پر غور سے نظر ڈالو - ایسے اٹکل پچو جواب میں سُننا نہیں چاہتا - تم یہ جانتی ہو کہ ہر ایک شخص اپنی رائے میں آزاد ہے - اس لیے میں چاہتا ہوں کہ پہلے میں اپنا منشا تم پر ظاہر کر دوں اور پھر جو تمھاری سمجھ میں آئے سو شوق سے کہو - یہ بھی میں جانتا ہوں کہ تم راحت کی ماں ہو دشمن نہیں مگر نہیں میرے خیال میں اگر تم تعلیم

نسواں کی مخالف ہو اور چاہتی ہو کہ راحت اُن پڑھ اور جاہل محض رہے تو بے شک تم اُس کی دشمن ہو۔ یہ تمھاری محبت اور لاڈ پیار بالکل بے جا ہے کیوں کہ اب وہ زمانہ گیا جو عورتیں جاہل رہ کر بھی اپنی زندگی کے دن گزار لیتی تھیں۔ اب تو تعلیم ہمارا اوڑھنا بچھونا اور شہرِ زندگی ہو گئی ہے۔ دُور کیوں جاؤ اپنے ہی کو دیکھو۔ کیا تمھیں یاد نہیں کہ جب تمھاری شادی ہوئی تمھاری کیا حالت تھی؟ یعنی تم الف کے نام بھالا بھی نہیں جانتی تھیں یا اب ماشاء اللہ تمھارا شمار پڑھے لکھوں میں ہے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب مجھے تمھارے تعلیم یافتہ نہ ہونے کا علم ہوا تو کیا بتاؤں کہ جو صدمہ مجھے پہنچا تھا مگر کچھ تقدیر سامنے تھی جو تم پڑھ لکھ گئیں اور سنبھل گئیں۔ کیوں کہ تمھاری طبیعت میں شوق تھا اور جلد تم نے لگ لپٹ کر اُس کمی کو پورا کر لیا۔ گو پہلے تو تم بھی کس قدر اپنی ماں کے دباؤ سے پڑھتے کنیاتی رہیں۔ مگر جب تم نے جان ہی لیا کہ اس گھر میں بے پڑھے لکھے گزارا ہونا مشکل ہے تو تم نے کمرِ ہمت باندھی اور تھوڑے ہی دنوں میں خاصہ لکھنے پڑھنے لگیں۔ تم ماشاء اللہ سمجھ دار ہو اب تم اس کا تصفیہ کرو کہ تمھاری کون سی حالت بہتر تھی۔ پہلی یا اب کی " زمانہ ماضی یا زمانہ حال" سخن پروری اور ہٹ دھرمی کی صحیح نہیں ایمان اللہ کہو تاکہ آگے کو سلسلۂ سخن چلے۔

بیوی - تھوڑی دیر سکوت میں گئیں اور دل ہی دل میں سوچتی رہیں کہ بُری طرح پھنسی کیا کروں - میری جان عجب غضب میں ہے اگر میاں کے خلاف کچھ کہتی ہوں تو حق بات نکلتی ہوں اور اگر ان کی ہاں میں ہاں ملاتی ہوں تو کُنبے والوں کی فضیحتیاں اور دن رات کی جوتیاں ہیں - بے چاری ابھی کچھ کہنے بھی نہ پائی تھی کہ ڈاکٹر (کچھ دیر ٹھیر کر) خدا خیر کرے تم تو بے طرح اُلجھ گئیں یہ کوئی ایسا کٹھن معاملہ نہ تھا جو تم ایسے سوچ میں گئیں - بیوی (جلدی سے ہڑبڑا کر) نہیں مشکل تو نہیں میں اپنی دونوں حالتوں کا اندازہ کر رہی ہوں - اگر آپ ایماناً اور انصافاً پوچھتے ہیں تو میں اپنی اس حالت کو اُس حالت پر ضرور ترجیح دوں گی - کیوں کہ ایک وقت وہ تھا کہ میں ایک حرف بھی نہ جانتی تھی اور آپ کو خط لکھنے کے لیئے پھڑکتی تھی اور اب بہ فضلِ خدا نہایت آسانی کے ساتھ خط لکھ لیتی ہوں -

ڈاکٹر - بس بس میرا مدعا حاصل ہو گیا اور میں خوش ہوں کہ تم تعلیم کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہو بس یہ فیصلہ اب تمھارے ہاتھ میں ہے اور میں اس سے سبک دوش ہونا چاہتا ہوں -

بیوی - وہ کیا فیصلہ کس بات کا ؟

ڈاکٹر - اب تک تم نہیں سمجھیں یعنی یہ کہ راحت کی تعلیم باقاعدہ ہونی ایسی ہی ضرور ہے جیسے کھانا اور پینا شرطِ زندگی ہے اور وہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ سکول میں وہ داخل نہ کی جائے - سکول کا نام سن کر بیوی کے

کان کھڑے کیئے اور کہنے لگیں کہ میں تعلیم کے خلاف تو نہیں ہوں مگر
بہت پڑھانا آج کل بیٹیوں کا اچھا نہیں۔ بس راحت کے لیئے اتنا ہی
پڑھنا کافی ہے جتنا کہ میں جانتی ہوں۔ عورتوں کو زیادہ پڑھ کر کیا کرنا ہے
اتنا ہی بس ہے کہ معمولی مسئلے مسائل کی کتابیں پڑھ لیں اور ٹوٹا پھوٹا
لکھ لیں اس سے زیادہ فضول۔

ڈاکٹر۔ افسوس کہ تم میری امیدوں کا خون کیئے دیتی ہو۔ یہ تم نے
کس طرح معلوم کیا کہ لڑکیوں کو تعلیم کی زیادہ ضرورت نہیں۔ تم کتابیں
پڑھو اخبار کا مطالعہ کرو تو تم کو معلوم ہو کہ عورت کو مرد سے زیادہ تعلیم
کی ضرورت نہیں۔ تو خیر مگر برابر تو ضرور ہے۔

بیوی۔ لو اور سنو سبحان اللہ! کیا لڑکیاں نوکری کریں گی؟ لڑکوں
کو تو پڑھنے کی اس وجہ سے ضرورت ہے کہ اُن کو روٹی پیدا کرنی ہے۔ لڑکیاں
پرایا دھن ہیں جہاں جائیں گی اُن کو روٹی اُن کے گتّوں کو۔

ڈاکٹر۔ افسوس صد افسوس کہ ہماری عورتیں ابھی تک تعلیم کا اصلی
مقصد نہیں سمجھیں۔ تعلیم کا صرف یہی منشا تو نہیں ہے کہ نوکری کی جائے
یا وہ صرف ایک ذریعہ روٹی کمانے کا ہے۔ ایسے تاریک خیالات
سُن کر مجھے سخت صدمہ ہوتا ہے۔ تعلیم ایک ایسی چیز ہے جو مرد اور
عورت دونوں کو یکساں فائدہ پونہچاتی ہے اور جس سے انسان
فی الحقیقت انسان بن جاتا ہے۔ جس طرح سونے کو آگ میں تپانے
سے اُس کا کھوٹ نکل جاتا ہے اور کھرا نکل آتا ہے اسی طرح انسان

تعلیم پاکر سچے اور پاک خیالات کا ذخیرہ دل و دماغ میں جمع کر لیتا ہے
اور ہر ایک نشیب و فراز کو بہ خوبی سمجھنے لگتا ہے۔ عقل پختہ ہو کر علم سے
ترقی پاتی ہے۔

بیوی - آپ جو کہتے ہیں وہ سب بجا اور درست ہے لیکن میری بڑی
مشکل ہے۔ ہمارے ہاں تو سرے سے لڑکیوں کو لکھانا پڑھانا ہی
معیوب ہے چہ جائے کہ سکول۔ بھلا کہیں بہو بیٹیاں سکولوں میں
بھی جایا کرتی ہیں اور یوں آپ کی لڑکی ہے آپ کو اختیار ہے مگر میرے
میکے والے یک لخت مجھے چھوڑ دیں گے۔

ڈاکٹر - میں ایسی لغو اور لایعنی باتوں کی مطلق پروا نہیں کرتا
جس کا جو دل چاہے کہے۔ میں نے اپنے دل میں اچھی طرح
ٹھان لی ہے کہ جس کام سے مجھ کو اور میری اولاد کو فائدہ پہنچے
وہ کام مجھے کرنا ہے خواہ کوئی لاکھ کہے اور دنیا ادھر کی اُدھر ہو جائے

بیوی - یہ میں آپ سے کہے دیتی ہوں کہ جس دن لڑکی سکول گئی
کنبے برادری کے سب ہی لوگ لعن طعن کریں گے۔ کام وہ کرنا چاہیے
کہ سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے۔ یعنی لڑکی پڑھ لکھ جائے اور
کنبے رشتے کے لوگ بھی ملے جلے رہیں۔

ڈاکٹر - میرا ارادہ تھا کہ مشن اسکول میں لڑکی کو داخل کر دوں
کیوں کہ وہاں کی پڑھائی عمدہ ہے لیکن میں تم کو اس کے بالکل برخلاف
پاتا ہوں۔ پھر تو تم ہی کوئی ترکیب بتاؤ نا۔

بیوی - لو اور سنو میں تو بھرے سے سکول کی تعلیم کے ہی خلاف ہوں چہ جائے کہ مشن! توبہ توبہ (کلوں پر ہولے ہولے تھپڑ مار کر) ایسی بات منہ سے بھی نہ نکالنا - مشن سکول ہیں تو میں اپنی لڑکی کو کبھی نہ بھیجوں گی بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ دیدہ و دانستہ میں جیتی مکھی نگل لوں اور لڑکی کو دھکا دے دوں - ایسی بھی کیا لڑکی دو بھر ہے - مشن میں تو سنتی ہوں کہ استانیاں اور لڑکیاں سب عیسائی ہیں - انجیل پڑھائی جاتی ہے - لڑکی ابھی بچہ اور کچی لکڑی ہے - مبادا کسی کے بہکائے سکھائے میں آ جائے - تو دین دنیا دونوں غارت اور جگ ہنسائی جدا عمر بھر کو منہ کالا ہو - آپ کو اگر پڑھانا ہی ہے تو گھر پر استانی رکھ کر پڑھوائیے منع کون کرتا ہے - یہاں تو ڈاکٹر صاحب بھی بند ہو گئے - چوں کہ رات زیادہ ہو گئی تھی اور ڈاکٹر صاحب کو بھی بحث کو زیادہ طول دینا منظور نہ تھا وہ یہ کہہ کر سو رہے کہ اچھا خیر دیکھو میں غور کروں گا - بیوی بھی جا کر پڑ رہیں - رات بات کی بات میں کٹ گئی اور صبح ڈاکٹر صاحب ناشتہ وغیرہ کر کے دوا خانے چلے گئے چند مریضوں کو دیکھا نظر اٹھائی تو کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے سے ڈاکٹر صاحب کے ایک دوست حامد حسین انجنیر چلے آتے ہیں علیک سلیک ہوئی باتوں باتوں میں لڑکیوں کی تعلیم کا ذکر آ گیا - انجنیر صاحب نے کہا بھائی صاحب آپ بھی کس مخمصے میں پڑے ہیں یہ کون سا مشکل کام ہے میری لڑکی کو ایک یوریشین ٹیچر مس ڈینزی

جو مشن سکول کی تعلیم یافتہ اور انٹرنس پاس ہے اور دستکاری میں بھی خوب مہارت رکھتی ہے ماپڑھاتی ہے اگر آپ کہیں او رمناسب سمجھیں تو میں آج یا کل اُس کو آپ کے ہاں بھیج دوں - گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پڑھا دیا کرے گی -

ڈاکٹر - ہاں ہاں میں تو ایسی ہی اُستانی ڈھونڈ رہا ہوں - آپ کیا دیتے ہیں ؟

انجنیئر - میں تو دس روپئے مہینا دیتا ہوں آپ بھی یہی مقرر کر دیں وہ اور بھی کئی لڑکیوں کو پڑھاتی ہے -

ڈاکٹر - آپ کی بڑی مہربانی ہوگی آپ اُسے ضرور ضرور بھیج دیں بھائی کیا کروں عجیب جاہل عورتوں سے پالا پڑا ہے ورنہ میرا ذاتی خیال سکول میں پڑھانے کا تھا - خیر اب آپ اُس مس ہی کو بھیجئے میرا ادنیٰ بھی ٹھیک ہے - دوسرے دن جب وہ اُن کی لڑکی کو پڑھانے آئی تو اُنھوں نے نئے ٹیوشن کا ذکر کیا وہاں کیا دیر تھی - اُس نے کہا "اچھا" - دوسرے دن وقتِ مقررہ پر ڈاکٹر صاحب کے ہاں جا پہنچی - راحت کو ڈاکٹر صاحب نے بلایا اور آمنا سامنا کرا دیا - لڑکی بھی نئی اُستانی کو نہایت خلیق اور خوش مزاج دیکھ کر بہت خوش ہوئی - اور جھٹ اپنا کمرہ جھاڑ جھوڑ میز کرسی قرینے سے لگا درست کر لیا - دوسرے دن مس صاحب آئیں - نصیرہ بھی اُن سے مل کر خوش ہوئی کہ بہت خوش مزاج اور قابل ہیں - غرض مس صاحب

روزانہ آتیں اور راحت کو پڑھاتیں اور دست کاری بھی سکھاتی رہیں
ایک برس میں تو راحت اُردو اچھی طرح لکھنے پڑھنے لگی اور انگریزی
میں بھی کچھ شُد بُد ہوگئی دو برس میں کہیں سے کہیں پونہچ گئی۔
پڑھنا لکھنا حساب کتاب سینا پرونا غرض یہ کہ ایک پیاری بیبی سلیقہ شعار
اور گھر لڑکی بن گئی۔ اس میں مس صاحب کی توجّہ کو دخل تھا سو تھا
مگر راحت نے بھی اپنی راحت کو قربان ہی کر دیا اور بڑے شوق سے
لگ لپٹ کر دنوں کا کام گھنٹوں اور برسوں کا کام مہینوں میں
کر ڈالا۔ وہ محض مس صاحب کی تعلیم پر بند نہ تھی بلکہ سارے سارے
دن کتاب پر اوندھی پڑی رہتی تھی۔ کتاب سے چھوٹی سینا پرونا
لے بیٹھی۔ اس سے وقت ملا تو پکانے ریندھنے کی طرف جھک گئی
ننھیال والے اوّل اوّل تو بہت بگڑے رہے مگر تابہ کے بیٹی کو
چھوڑ تو سکتے نہ تھے آخر غصّہ دھیما پڑ گیا اور خود ملنے جلنے لگے ڈاکٹر صاحب
بیٹی کو ترقی کرتے دیکھ کر بے حد خوش ہوتے تھے۔ مثل مشہور ہی
تخم تاثیر صحبت کا اثر۔ راحت نے اب اپنے لباس میں بھی بہت کچھ
تبدیلی کر لی تھی۔ غرارے دار پاجامہ قمیص اور ساڑھی سے شوق
ہو گیا اور اکثر یہی پہنا کرتی تھی۔ لڑکی کے لباس پر کُنبے والے اعتراض
کرتے تھے۔ رہے ننھیال والے وہ شروع ہی سے خلاف تھے
اب جو راحت نے کینچلی بدلی تو اور بھی اُنگلیاں اُٹھنے لگیں۔ لیکن

ڈاکٹر صاحب کے کان پر جوں نہ چلی وہ بات ہی کیا تھی جس پر وہ
ٹوکتے - لڑکی اب خود سمجھدار ہوگئی تھی اپنے نیک و بد کو خوب سمجھتی تھی
باپ نہیں چاہتا تھا کہ تعلیم کو روکے نہ ابھی کچھ شادی بیاہ کا خیال تھا
ہاں اوپر والے خواہ مخواہ آوازے توازے کستے رہتے تھے کہ اتنی
بڑی لڑکی کو پڑھوا رہے ہیں اور شادی بیاہ کی فکر تک نہیں - امّاں جان
کو تعلیم کی کیا قدر اُن کے ہاں کسی نے پڑھا ہو تو وہ جانیں - اُن کے
نزدیک بڑا فرض یہ تھا کہ لڑکی کو کل نہیں آج بیاہ دیں اور بس -
بیوی کا میاں پر آئے دن کا تقاضا تھا بات بات پر ٹوکتی تھیں کہ
لڑکی پہاڑ کی طرح اُٹھتی ہی جاتی ہے مجھے کھایا پیا انگ نہیں لگتا -
ہمارے ہاں تو اس سے چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کی شادی ہو جاتی ہے
راحت کو جو دیکھتا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ اوئی بی! اتنی بڑی جوان لڑکی
لوٹھا کی لوٹھا ہوگئی اور شادی بیاہ کا نام تک نہیں امّاں باوا ابھی
اچھے ہیں کان میں تیل ڈال کر بیٹھے ہیں - اور تم تو صرف تعلیم کے پیچھے
دیوانے ہو خدا جانے اسے کہاں تک اور کب تک پڑھواؤ گے - بس
بہت پڑھ لی اسے کیا فضیلت کی پگڑی بندھواؤ گے - جس گھر میں جوان
بیٹی ہوتی ہے سوا پہر خون برستا ہے اب تو خدا کے لیئے اس کا کہیں نہ کہیں
ٹھکانا کرو جو میں پیٹ بھر کر کھاؤں اور نیند بھر کر سوؤں - یوں کہنے کو
تو کنبے میں کئی لڑکے ہیں مگر لڑکی کا طرزِ تعلیم اور اُس کے انوکھے
خیالات معلوم کر کے کوئی رُخ نہیں کرتا اور نہ کوئی ٹھکانے کی بات

آتی ہے - میں تو اس فکر میں گھلی جاتی ہوں -

ڈاکٹر - خاموش سنتے رہے بات ختم ہونے پر بولے - آج تو تم نے بڑی اُپج کی لی - خون برسنے کے مسئلے کوسُن کر بہت ہنسے - بھلا یہ تو بتاؤ کہ یہ مسئلہ تم نے کہاں اور کس سے سنا یا اپنے دل سے گھڑا ؟ جو خرابیاں لڑکیوں کو چھوٹی عمر میں بیاہنے سے ہوتی ہیں تم شاید اُن سے واقف نہیں ہو - چھوٹی عمر میں لڑکیوں کے بیاہنے کا دستور زیادہ تر ہندؤوں میں تھا اور ہے مگر اب وہ بھی اس بات کا خیال کرنے لگے ہیں تاوقتیکہ لڑکی جوان نہ ہو جائے بیاہ نہ کیا جائے اور کیا فائدہ ایسے بیاہ سے جو دولھا دُلھن ایک دوسرے کے فرائض کو نہ سمجھیں - وہ لڑکیاں جو کم سنی کی حالت میں بیاہی جاتی ہیں بیاہی ہوئی زندگی کی ذمہ داریوں سے واقف نہیں ہوتیں - خانہ داری کا بوجھ جس کا دار و مدار عورت کی گردن پر ہے مطلق نہیں اُٹھا سکتیں بچوں کی نگہداشت اور تربیت ٹھیک طور پر نہیں کر سکتیں - اگر وہ تعلیم یافتہ ہوں تو چھٹپن ہی سے اپنے بچوں کو دودھ میں گھول کر ایسے سبق پلائیں جو اُن کی آیندہ زندگی کے لیئے مفید ثابت ہوں برعکس اس کے اول تو وہ ٹھیریں جاہل پھر طرہ یہ کہ کم عمر ایسے گڈے گڑیوں کی شادی محض اوپر والوں کے خوش ہونے کا نتیجہ ہوتی ہے اور آگے چل کر جوتیوں میں دال بٹتی ہے -

بیوی - یہ کوئی آج نیا دستور نکلا ہے - ہم تو اپنے ہوش سے دنیا جہان

ہے کہ پڑھنے کی وہ شوقین لڑکیاں جن کو دراصل کتاب کے کیڑے کہا جائے تو بجا ہے ماں باپ کی کوتاہ اندیشی سے تعلیم کو بیچ ادھر میں چھوڑ کر بیاہ دی گئیں۔ اُن کے دلوں پر جو صدمہ گزرا اُس کا اندازہ کچھ وہی دل اچھی طرح جانتے ہیں جن کو اس قسم کے معاملات پیش آئے ہوں اور جن کے جائز شوق کو رسم ورواج کی کُند چھری سے ذبح کیا گیا ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اوپر والوں کے پیٹ میں کیوں درد ہوتا ہے اور کیوں لڑکیوں کی تعلیم کی ادبدا کر مخالفت کرتے اور چلتی گاڑی میں روڑا اٹکاتے ہیں۔ نہ خود پڑھیں نہ دوسرے کو پڑھتے دیکھ سکیں۔ ان بے جا تقاضوں کی بدولت وہ قبل از وقت بیاہ دی جاتی ہیں اور اُن کی تعلیم نامکمل اور ادھوری رہ جانے سے وہ منجھ دھار میں ڈبکیاں لینے لگتی ہیں۔ اب گو وہ پہلی سی باتیں نہیں رہیں مگر پھر بھی بہت سے گھرانوں میں یہی آفت بپا ہے کہ ذرا لڑکی سیانی ہوئی اور تعلیم کو غیر ضروری سمجھ کر دفعتہً بند کر دیا جاتا ہے اور بیاہ کی ایسی بھاگڑ مچتی ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ وہی مثل ہے کہ چور چوری سے جائے گا تو کیا ہیرا پھیری سے بھی۔ بڑی بوڑھیاں اپنا فرض جو ہرگز فرض نہیں ہے پورا کرنے پر تُلی رہتی ہیں۔ پڑھی لکھی لڑکیوں پر ہنسنا اُن پر نام دھرنا یہ تو عام بات ہے۔ بیوی میاں کی گفتگو کو بہت غور سے سنتی تو رہیں مگر کچھ اثر نہ ہوا پھر بولیں تو وہی مرغے کی ایک ٹانگ یعنی یہ کہ لڑکیاں شوق سے پڑھیں پڑھنے کو کون منع کرتا ہے مگر ایسا بھی

کا یہی دستور دیکھتے چلے آئے ہیں گھر گھر بیٹیاں اور گھر گھر شادیاں جہاں لڑکی ذرا سیانی ہوئی اور بیاہ برات (بارات) سے چھٹی پائی۔ نہ کوئی جھگڑا نہ بکھیڑا۔ کیا بڑی عمر کی لڑکیاں بیاہنے سے میاں بیوی میں لڑائی نہیں ہوتی ہے تم جو بات کہتے ہو ایسی کہ دھری جائے نہ اُٹھائی جائے۔ شاید تعلیم کا یہی اثر ہے کہ سر پر پہاڑ بیٹھا رہے۔

ڈاکٹر۔ تم تو بعض وقت کیسی ناسمجھی کی باتیں کرتی ہو۔ میں یہ کب کہتا ہوں کہ بڑی عمر کے میاں بیوی میں سو رفراجی بھول کر بھی نہیں ہوتی تمھارے نزدیک ناسمجھ اور سمجھ دار دانا اور نادان میں کوئی فرق ہی نہیں۔ سنو۔ گھر کی مثال ایک سلطنت کی سی ہے اور اُس سلطنت کی چلانے والی بیوی ہے۔ پس اگر بیوی میں اس قدر لیاقت نہیں کہ وہ بھی اِس چھوٹی سی سلطنت یعنی گھر کا بوجھ سنبھال سکے تو فرمائیے ایسے گھر کا کیا حشر ہو گا؟ اور کسی گھر کا عمدہ انتظام جب ہی ہو سکتا ہے کہ اُس کا حاکم معقول اور تعلیم یافتہ ہو۔ اس لیئے عورتوں کو چاہیئے کہ وہ بہ اعتبار تعلیم کے ناقص نہ ہوں۔ دوسرے ابھی راحت کی عمر ہی کیا ہے۔ ہمارے ہاں اس کو جوان کہتے ہیں؟ تو ایسی جوانی کو سلام ہے۔ میں تم سے کئی بار کہہ چکا ہوں کہ تم اس کی تعلیم میں حارج نہ ہو اور بیاہ کا تقاضا مجھ پر ہرگز نہ کرو۔ یہ جب تک میرے حسبِ منشا تعلیم سے فارغ نہ ہو جائے گی میں شادی کا نام نہیں لوں گا۔ ناظرین ہماری قوم اکثر شادی کو خواہ وقت ہو یا نہ ہو سب سے ضروری کام سمجھتی ہے اور تعلیم تو اُس کے آگے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ میرا خود چشم دید واقعہ

کیا پڑھنا ہے کہ دنیا کے اور سارے کام اَینڈے رہ جائیں۔ اس کے کیا معنی
کہ پڑھنے کے پیچھے خدا کا فرض نہ پورا کیا جائے۔ راحت کے لیئے اپنے
میکے میں کوئی اچھی جگہ دیکھ کر چیپک دینے کا میرا خیال تھا۔ کئی لڑکے
بہت اچھے تھے اور ہر ایک بات سے اطمینان تھا۔ کچھ پوچھنا گچھنا
بھی نہ تھا۔ سوچے ہوئے تھی کہ جب چاہوں گی کر لوں گی۔ مگر اب
میں دیکھتی ہوں تو اُن لوگوں کے خیالات بدلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں
ڈاکٹر۔ (قہقہہ مار کر) یہ تو وہی مثل ہوئی۔ بنیا تولتا ہی نہیں کہ پورا
تول۔ وہ لڑکے جو تمھارے کُنبے میں ہیں اور جن کا خیال تم جمائے
بیٹھی ہو کیا اس نعمت کے قابل ہیں؟ یہ منہ اور یہ مسالا ہرگز نہیں
اور کیا تم مجھ سے امید رکھتی ہو کہ اگر اُن لڑکوں کی طرف سے راحت
کے لیئے سلسلہ جنبانی ہوتی تو کیا میں ایسا بے جوڑ رشتہ منظور
کر لیتا اور جیتی مکھی نگل لیتا　لاحول ولا قوۃ کیا لڑکی کو آگے
دے کر کوئیں میں دھکا دینا ہے۔ آخر میکے کا معاملہ تھا بیوی کو ایسا منہ توڑ
جواب دینا بہت بُرا لگا اور کہنے لگیں وہ کب تمھاری منتیں کر رہے ہیں
وہ خود لڑکی کو سیکڑوں نام دھرتے ہیں کہ جب دیکھو مردوں کی طرح کتاب
پر اَوندھی پڑی رہتی ہے۔ میموں کا سا لباس اور سارے ڈھنگ اُنھیں
کے سے ہیں۔ نوج ہم ایسی لڑکی سے شادی بیاہ کریں۔ دنیا کے
پردے پر شاید بیٹیوں کا قحط ہے جو اس کتابوں کی پوٹ کو کوئی سر چڑھا کر
نہال ہو جائے گا۔ تمھاری بیٹی میں ایسا کیا سُرخاب کا پر لگا ہے جو لوگ

سمجھ جائیں۔ **ڈاکٹر**۔ ہاں سچ ہی۔ ؎

چشم بداندیش کہ برکندہ باد — عیب نماید ہنرش درنظر

ع قدرِ گوہر شہ بداند یا بداند جوہری - یہ کُندۂ ناتراش علم کی قدر کیا جانیں بہر حال دو حال سے خالی نہیں - یا تو ہماری لڑکی اُن لڑکوں کے قابل نہیں یا وہ لڑکے اس لڑکی کے قابل نہیں - خیر کچھ بھی ہی مجھ کو خود بھی ایسا بے ڈھنگا جوڑ منظور نہیں تخشو بھی بلّی مرغا اللہ ڈولی ہی بھلا - ؎ وہ اپنی خُو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں

سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سر گراں کیوں ہو

اچھا تم نے میرا بڑا دماغ کھایا - اب اس بات کو تہ کر رکھو مجھے ایسے خیالات سے تکلیف ہوتی ہی - تم دیکھنا اگر خدا نے چاہا اور میری زندگی نے وفا کی تو راحت ایسے گھر جائے گی جو اس کی تعلیم کو قدر کی نگاہ سے دیکھے گا ذرا دم لو جلدی نہ کرو پہلے سے پڑھ تو لینے دو -

بیوی - تم کو اختیار ہی جتنا جی چاہے پڑھواؤ تمھاری بیٹی ہی مجھے کیا مطلب تمھارے سامنے بھلا میری کب چل سکتی ہی - مگر کیا کروں رشتہ ہی ایسا نکھٹا ہی کہ کہے بغیر زبان بھی نہیں رُکتی - لیکن اب میں نے کان پکڑا میری توبہ ہی جو میں اس معاملے میں دخل دوں اور مفت کی بدمزگی مول لوں - آپ جانیں آپ کی بیٹی جانے -

میں کون وہ تو میں جانتی ہی تھی کہ مردوں کے آگے عورتوں کی کب چلتی ہے اور جہاں میرے میکے والوں کا نام آیا کہ تم نے جلی کٹی سُنانی شروع کی شاید تمھاری لڑکی دنیا سے انوکھی ہے اور اس کا بوجھ عرش سے اُترے گا۔ یہ تو بڑی بات ہے ہماری تو معمولی سے معمولی بات بھی خواہ وہ کیسی بھی واجبی ہو مردوں کی نگاہ میں بے وقعت ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے دیکھا کہ معاملہ طول کھینچتا ہے اور بیوی ہیں کہ حق ناحق بگڑ رہی ہیں چپکے سے اُٹھ باہر چلے گئے اور گھٹا جو بے طرح اُمنڈ کر آئی تھی اور اگر برستی تو شور بور کر دیتی شکر خدا کا کہ اُتر گئی۔ جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو۔

باب (۳)　ڈاکٹر صاحب کلکتے چلے

ان نینن میں پی بسے دوجا کون سمائے
بھر مادوں تو کر کرا اور کاجل دیو نہ جائے

حُسنِ اتفاق سے ڈاکٹر صاحب کے ایک دوست جو کلکتے میں نوکر تھے اُنھوں نے ڈاکٹر صاحب کو خط لکھا کہ یہاں ایک معقول نوکری ہے اگر آپ پسند کریں تو فوراً آجائیے۔ گو یہاں بھی اُن کا دواخانہ اچھی حالت میں تھا اور خاصی طرح بہ آسایش گزران کرتے تھے۔ مگر نوکری کی کچھ بات ہی اور ہے۔ گھر میں آئے بیوی کو ٹٹولنے لگے کہ دیکھوں وہ کیا کہتی ہیں۔ تنخواہ بھی معقول اور مقام بھی اچھا بظاہر کوئی امر مانع نہیں۔ بیوی سے کہا کہ کہو بی تمھاری کیا صلاح ہے ایسے موقعے بار بار نہیں آتے۔

بیوی - (تھوڑی دیر سوچ کر) دُور کی وجہ سے دل دُھکڑ پکڑ کرتا ہے ورنہ نوکری ہے تو اچھی - آ گئے آپ جو مناسب سمجھیں البتہ اگر خیال ہے تو دُور کا ہے -

ڈاکٹر - مردوں کے لئے دور نزدیک سب برابر ہے - اور پھر جہاں ریل ہو وہ دور ہی کیا ہوا - پھر میاں بیوی کی دیر تک کیا کُھسر پُھسر ہوتی رہی ہمارے فرشتوں کو بھی خبر نہیں - مگر ہاں اتنا ضرور معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب نے بیوی کو شیشے میں اُتار لیا اور عورتوں کو ہموار کر لینا کون بڑی بات ہے، دو چار باتیں لگاوٹ کی کیں اور وہ پھسل پڑیں - بیوی کو سمجھا بجھا ڈاکٹر صاحب نے جواب لکھ دیا کہ میں ان شاء اللہ سفر کے عشرے میں کلکتے پونہچ جاؤں گا - جب جانے کی ٹھیر گئی تو بیوی نے سامانِ سفر کی طیاری شروع کی - دونوں ماں بیٹیوں نے مار مار کر کے کپڑے جو کچے پکے تھے سیئے سلائے - بچھونا اور سارا ضروری سامان ٹھیک ٹھاک کر - برتن جو روزمرہ کے استعمال کے تھے ایک ٹاٹ کی بوری میں بھر کر سی سلا دیئے - ڈاکٹر صاحب کے جانے ہی میں کو سے ان دن باقی ہیں آج ہی کا دن بیچ میں تھا ان شاء اللہ کل کی گاڑی سے سدھار جائیں گے - نصیرہ بیگم کی والدہ امیر بیگم نے داماد کی دعوت کے لئے رقعہ بھیجا - جس میں لکھا تھا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میاں افتخار احمد مع اپنی بیوی بچوں کے آج شام کا کھانا میرے ساتھ کھائیں - بیوی نے رقعہ پڑھ کر میاں کو دے دیا -

ڈاکٹر - امّاں جان اب تک پرانی رسم کو نباہے جاتی ہیں باوجودے کہ بیاہ کو ایک عرصہ ہو گیا بال بچے ہو گئے مگر دعوت ناغہ نہ ہوئی -

بیوی - خدا نہ کرے ناغہ کیوں ہو - اللہ سب کو صحیح سلامت رکھے اس میں بدشگونی ہوتی ہے مثل مشہور ہے کہ بیٹی بوڑھی ہو جاتی ہے مگر اس کا دان بوڑھا نہیں ہوتا - خدا رکھے امّاں جان کے دم کو جو وہ سب باتوں کا خیال رکھتی ہیں بھائی بھاوجوں کو کیا غرض جو ایسی ہم دردی کریں -

ڈاکٹر - ہاں کہتی تو سچ ہو بڑے بوڑھے اپنی وضع کے بہت پابند ہوتے ہیں - اچھا تو کہلا بھیجو کہ ان شاء اللہ ہم سب بسر و چشم حاضر ہوں گے - بیوی نے ماں کے ہاں کہلا بھیجا - شام کے لگ بھگ سب مٹیا محل جا پہنچے - کھانے سے فراغت ہونے کے بعد چلتے وقت ساس نے داماد کے دائیں بازو پر امام ضامن کے روپیئے باندھ دیئے ڈاکٹر صاحب نے ساس کی خوشی اور شرما شرمی سے باندھ لیئے اور آداب کر کے جانے کی اجازت چاہی - امیر بیگم نے داماد کو دعائیں دیں اور خط لکھنے کی تاکید کی اور یہ بھی کہا کہ کل میں خود بھی آؤں گی - رات زیادہ ہو چکی تھی - افتخار احمد مع بیوی بچوں کے اپنے گھر آئے اور سو رہے صبح ڈاکٹر صاحب حسب معمول اُٹھے ناشتہ کر کرا اپنے دوست احباب سے ملنے چلے گئے - دس بجتے بجتے امیر بیگم بھی آگئیں - نصیرہ آج بہت اُداس تھی - مگر دل کو سنبھالے ہوئے تھی - لیکن اُس کے چہرے اور

بات چیت سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی گہرے فکر میں ہیں۔ ڈاکٹر صاحب باہر سے آئے کھانا کھایا اور کمرے میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد بیٹی کو پکارا۔ راحت باپ کی آواز سن کر دوڑی گئی اور کہا ابا جان آپ نے کیوں یاد فرمایا؟۔

ڈاکٹر۔ بیٹی ذرا بیٹھ جاؤ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ تم کو معلوم ہے کہ میں آج کلکتے جا رہا ہوں اور نہیں معلوم کب آنا ہو بظاہر ایک سال سے پہلے پھیرا ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ تمھاری سعادت مندی سے میں متوقع ہوں کہ میرے غیاب میں تم اپنی پڑھائی سے غافل نہ ہوگی بلکہ بلاناغہ جیسا کہ میرے سامنے لکھتی پڑھتی ہو برابر پڑھتی رہنا۔ ایسا نہ کرنا کہ پڑھنا لکھنا چھوڑ چھاڑ الگ کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو مجھ کو بڑا قلق ہوگا۔ خط بھی جلدی جلدی لکھا کرنا اور اپنے حالات سے مطلع کرتی رہنا۔

راحت۔ ابا جان آپ بالکل اطمینان رکھیں میں ضرور اپنے پڑھنے میں ایسی ہی کوشش کروں گی۔ جیسی کہ آپ کے سامنے کرتی رہی ہوں آج میں ایسی نادان بچہ نہیں کہ اپنا قیمتی وقت ضائع کروں اور آپ کو ناراض کروں۔ خط بھی برابر لکھتی رہوں گی۔ باپ بیٹی میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ بیوی ایک شیروانی لے کر کمرے پہنچیں اور میاں سے کہنے لگیں کہ درزی شیروانی لے کر آیا ہے آپ ذرا دیکھ لیں تو میں اس کو بھی صندوق میں تہ کر کے رکھ دوں کیوں کہ وقت تنگ ہے مجھے

کھانے اور ناشتے کا انتظام کرنا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بیوی کے ہاتھ سے شیروانی لے کر دیکھی اور کہا کہ اس کو کالے ٹرنک میں احتیاط سے رکھ دینا آستینوں کا خیال رکھنا کہ شکن نہ پڑ جائے۔

بیوی۔ بہت اچھا اس طرح تہ کر دوں گی کہ آستینیں مطلق نہ مڑیں گی یہ کہہ کر بیوی جانے لگیں تو ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ایک بات سنتی جاؤ۔

بیوی۔ کہو کیا کہتے ہو۔

ڈاکٹر۔ سب سے بڑی بات جو مجھے تم سے کہنی ہے وہ راحت کی تعلیم کے بارے میں ہے، تم میرے پیچھے اُس کی پڑھائی کا ایسا ہی خیال رکھنا جیسا کہ میرے سامنے رکھتی ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ کیوں کہ میں نہیں ہوں۔ کہیں ایسا نہ کرنا کہ ڈھیلی ڈوری چھوڑ دو اور بے فکر ہو جاؤ ورنہ اتنے روز کی کرائی محنت ہفت برباد جائے گی اور لڑکوں کی بھی نگرانی رکھنا۔ میں اس سے پہلے کبھی تم لوگوں سے اتنے روز کے لیئے جدا نہیں ہوا یہ پہلا موقع ہے کہ تم لوگ مجھ سے بچھڑتے ہو۔ وہاں پہونچنے پر میں کوشش کرونگا کہ کوئی مکان مل جائے اور نوکری بھی جم جائے تو تم سب لوگوں کو وہیں بُلا لوں گا۔ تم کسی قسم کا فکر نہ کرنا ہمیشہ جلدی جلدی اپنی اور بچوں کی خیریت لکھتی رہنا۔ بیوی کو میاں کی جُدائی بہت شاق تھی تاہم بڑی کراری آواز سے محض اس لیئے کہ چلتے وقت میاں کو زیادہ رنج نہ ہو جواب دیا کہ نہیں گھبرانے کی کون سی بات ہے تمام جہان کے مرد پردیس جاتے ہیں، میں ان شاء اللہ

راحت کی پڑھائی کا ضرور خیال رکھوں گی آپ مطمئن رہیں۔ نصیر بیگم
کے دل میں خدا جانے کیوں اس دفعہ غیر معمولی گھبراہٹ تھی کچھ کلیجا
بیٹھا سا جاتا تھا۔ جس کو وہ خود سوچتی تھی کہ کیا وجہ ہے جو دل بجھا جاتا ہے
کیا یہ پہلا سفر ہے اس سے پہلے بیسیوں مرتبہ باہر گئے ہیں مگر کوئی شخص
وجہ سمجھ میں نہ آتی تھی۔ میاں پر اپنی افسردگی کا مطلق اظہار نہ کیا
اور جو کچھ تکلیف ہوئی اپنے دل پر گزاری مُنہ سے اُف تک نہ کی
اس خیال سے کہ بچے پریشان ہوں گے اور جانے والے کو بھی مفت
کا رنج ہوگا۔ بڑی ہمّت سے ضبط کیئے رہی۔ جلدی سے کھانا
پکوایا اور میاں کو کھلایا کہ اتنے میں گاڑی دروازے پر آگئی اور
دونوں لڑکے باپ کو اسٹیشن پہنچانے کے لیئے طیار ہوئے۔
ڈاکٹر صاحب نے راحت کو پیار کیا۔ ساس کو آداب کیا۔ ساس نے
گلے لگایا۔ چٹ چٹ بلائیں لیں اور دعا دی کہ اللہ ساتھ خیر کے
لائے۔ جیسے پیٹھ دکھاتے ہو اسی طرح مُنہ بھی جلد دکھاؤ۔
بیوی کو خدا حافظ کہہ کر رخصت ہوئے۔ بیوی نے بھی دبی زبان
سے "اللہ بیلی" کہا۔ راحت باپ کے جانے سے رونے لگی اور
بہت اُداس ہوئی۔ ماں نے اُسے سمجھایا کہ بیٹا جب مرد باہر
جاتے ہیں تو رویا نہیں کرتے وہم کی بات ہے تم تو سمجھدار ہو اور دل
ایسا کچا۔ بیٹی کو سمجھا ضرور رہی تھیں مگر اُن کا دل بھی بھرا چلا آتا تھا
غرض بڑی مشکل سے سمجھا بجھا کر چپکا کیا اور خود عشاء کی نماز پڑھنے لگیں

ڈاکٹر صاحب جس وقت اسٹیشن پر پہنچے تو وقت بہت تنگ تھا گاڑی چھوٹنے ہی والی تھی پھرتی سے چڑھ گئے۔ بیٹوں نے جوں توں کر کے جلدی جلدی اسباب پھینکا۔ باپ کو سوار کرا کر واپس ہوئے نصیرہ لڑکوں کے انتظار میں جاگ رہی تھی، فوراً اُٹھ بیٹھی، پوچھنے لگی۔ کہ ریل کب چھوٹی اچھی طرح سوار ہو گئے ؟۔

نثار۔ گاڑی چھوٹنے میں کوئی پانچ منٹ رہ گئے تھے ابا جان فوراً سوار ہو گئے ہم نے جھپا جھپ اسباب ڈال دیا۔ اتنے میں گاڑی چھوٹ گئی، وہ تو اچھا ہوا کہ ٹکٹ پہلے سے لے لیا تھا ورنہ ہرگز گاڑی نہ ملتی۔ **نصیرہ** ۔ خیر سوار تو ہو گئے ۔ مجھے خود بھی خیال تھا کہ وقت تنگ ہو گیا ہے۔ ماں بیٹوں کی باتیں ہوتی رہیں۔

نصیرہ بیگم۔ نثار سے بیٹا رات زیادہ آگئی ہے جاؤ اب سو رہو۔ صبح تم جلدی اُٹھتے ہو ایسا نہ ہو کہ زیادہ جاگنے سے کہیں دشمنوں کی طبیعت خراب ہو جائے۔ نثار اپنے بچھونے پر گیا اور جاتے ہی خرخر کرنے لگا نصیرہ بھی سو رہی۔ صبح سویرے حسب معمول بچے اُٹھے اور اسکول چلے گئے۔ راحت نے معمول کے موافق پڑھ لیا۔ صبح سویرے امیر بیگم نے بیٹی سے کہا لو بوا اصل خیر سے تمہارے میاں تو سدھا گئے اب تک وہ دور نکل گئے ہوں گے مجھے بھی گھر جانا ہے دیکھنا۔ ان کے پہنچنے کا تار آتے ہی مجھے خبر کر دینا۔

بیٹی۔ واہ بی اماں جان آپ بھی خوب ہیں کہ ابھی سے چلیں میرا تو

دل اوّل ہی اُچاٹ ہو رہا ہے بھلا دو چار دن تو اور ٹھہرئیے ایسی کیا بھاگڑ پڑی ہے کہ آتے دیر نہیں ہوئی اور چلیں آپ کے دم کی اللہ جانے بڑی بستی ہے۔ بیٹی کے اصرار سے امیر بیگم ٹھیر گئیں۔ ڈاکٹر صاحب کلکتے پونہچ گئے۔ تار تو اُنھوں نے پونہچتے ہی دیدیا تھا لیکن گھروالی کو خط کی تلملی لگی ہوئی تھی۔ خدا خدا کر کے پانچویں دن ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ کا خط بھی آگیا۔ تفصیلی حال معلوم ہونے سے دل ٹھکانے ہوا یہاں سے بھی فوراً جواب لکھ دیا۔ راحت نے بھی باپ کو چند سطریں اُسی میں لکھ دیں۔ غرض سلسلہ مراسلت جاری رہا۔ گھنٹوں سے دن اور دنوں سے ہفتے اور ہفتوں سے مہینے ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب کو جا کر چھ مہینے ہونے آئے۔ گو یہ مدت کچھ بڑی لمبی چوڑی نہ تھی۔ مگر وہ بیوی جو میاں سے ایک دم کو جدا نہ ہوئی ہو اب یوں بچھڑ جائے تو البتہ ایک بڑی مشکل کا سامنا تھا اور یہ دن تنہائی کے سبب سے کاٹے نہیں کٹتے تھے ؎

ایامِ مصیبت کے تو کاٹے نہیں کٹتے ؛ دن عیش کے گھڑیوں میں گزر جاتے ہیں کیسے

ایسا معلوم دیتا تھا کہ گویا ڈاکٹر صاحب کو گئے ہوئے برسوں ہو گئے مگر یہ بات کسی سے کہنے کی نہ تھی۔ نصیبہ دل ہی دل میں کُڑھتی تھی۔ میاں کے جانے کے بعد سے بہت مغموم رہتی تھی اور کچھ ایسی ناامید تھی کہ قابلِ تحریر نہیں۔ اکثر اوقات اُس کے جی دل میں یہ خیال گزرتا تھا کہ دیکھئے میں اپنی زندگی میں پھر ملتی بھی ہوں یا نہیں۔ خدا کے بھید خدا ہی

جانے - اُس کے کارخانے میں دم مارنے کی جگہ نہیں - وہ چشم زدن میں جو چاہے جو کردے -

باب (۴۵) راحت کی ماں کی اچانک موت

شبِ ہجر بے دلے را کہ اجل رسیدہ باشد
بچہ درد مردہ باشد کہ ترا ندیدہ باشد

نصیرہ بالکل تن درست تھی کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ زندگی کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور دیکھتے دیکھتے یوں کایا پلٹ ہو جائے گی - جمعہ کے روز صبح کا کھانا کھانے کے بعد تھوڑی دیر کے لیئے سو گئی - ابھی آنکھ لگے کچھ دیر بھی نہ گزری تھی کہ بلبلا کر اُٹھ بیٹھی اور لگی ہائے ہائے کرنے - راحت جو باہر چبوترے پر بیٹھی ہوئی ٹیبل کلاتھ پر ڈراتن تھریڈ بنا رہی تھی ماں کی آواز سُن کر جلدی سے فریم پھینک کمرے میں گئی تو کیا دیکھتی ہے کہ ماں دونوں ہاتھوں سے کلیجے کو تھامے ہوئے تکیئے پر اوندھی پڑی ہائے ہائے کر رہی ہیں - راحت ماں کا یہ حال دیکھ کر سٹپٹا گئی اور لگی پوچھنے اماں جان خیر تو ہے کیا ہوا ہے - آپ تو اچھی خاصی سوئی تھیں - نصیرہ کو درد کی تکلیف اس قدر تھی کہ بات کا جواب بھی دینا مشکل تھا سانس اوپر کا اوپر نیچے کا نیچے تھا - اب تو راحت پریشان ہوئی - دوڑی دوڑی بھائی کے کمرے میں گئی تو دیکھا کہ بھائی بیٹھا ہوا کچھ پڑھ رہا تھا - گھبرا کر کہا کہ جلدی آؤ اماں جان کو تو دیکھو کیا ہوا ہائے ہائے

کر رہی ہیں اور خود اُلٹے پاؤں ماں کے پاس آئی۔ ماں کو اُٹھا کر گاؤ تکیئے کے سہارے سے بٹھایا۔ دیکھا تو اتنی ہی سی دیر میں ماں کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں۔ ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا۔ ماں نے اشارے سے بیٹی سے کہا کہ کلیجے میں سخت درد ہے۔ میرے پیچھے آن بیٹھو کہ اتنے میں نثار ننگے پیروں بھاگا ہوا آیا۔ ماں کی تکلیف سے اُس کے ہوش حواس باختہ ہو گئے۔ دیکھا تو ماں کی عجیب حالت تھی۔ ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ فوراً ڈاکٹر کے پاس دوڑا ہوا گیا۔ راحت بچہ تھی ماں کا یہ حال دیکھ کر اُس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ گھبرا گھبرا کر بار بار پوچھتی تھی کہ اچھی اماں کچھ مُنہ سے تو بولو ایسی کیا تکلیف ہے۔ ماں کا دل بیٹی کی اس بے قراری اور سراسیمگی سے پھٹا جاتا تھا مگر مجبور تھی کہ اپنی جان پر بُری بن رہی تھی۔ راحت نے بے تاب ہو کر ماظہورن کو فوراً اپنی نانی امیر بیگم کے ہاں مٹیا محل بھیجا اور کہا کہ نانی اماں کو جلدی سے سوار کرا لاؤ۔ نصیرہ کی حالت دم بدم بگڑتی چلی جاتی تھی لڑکی بے چاری گھر میں بالکل تنہا تھی۔ اُس نے اکثر بڑی بوڑھیوں کو کلیجے کے درد میں سونف پودینہ کالی مرچیں نمک وغیرہ چبواتے دیکھا تھا۔ جب ماں درد سے بے قرار ہوئی تو اُس نے خدا کا نام لے کر ایک ہتھیلی بھر کر گرم پانی سے ماں کو یہ دوا کھلائی۔ نصیرہ نے بہ مشکل دو چار کالی مرچیں چبائیں۔ راحت نے گرم پانی بوتل میں بھر کر اور بوتل کو تولیئے میں لپیٹ کر کلیجے کو سینکا۔ جس سے

پانچ منٹ کے لیئے درد کم ہوا مگر پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا اور مریضہ کراہنے لگی۔ کسی کروٹ چین نہ پڑتا تھا۔ تمام پلنگ پر لوٹی لوٹی پھری مگر کیا مجال جو درد کم ہوا ہو۔ ظہورن جو اس قدر بوکھلائی ہوئی گئی تھی امیر بیگم اُسے دیکھ کر پریشان ہوگئیں اور گھبرا کر پوچھنے لگیں کہ ظہورن خیریت تو ہے؟

ظہورن۔ اجی بیگم صاحب کا جی بُرا ہے تم کو زلدی (جلدی) بلایا ہے۔
یہ سنتے ہی اُن کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی اور نہایت پریشانی کی حالت میں ڈولی میں سوار ہو گئیں۔ ماں کی مامتا بھی بُری چیز ہے۔ ہزاروں بُرے بُرے خیال بڑھی بی کے دل میں آنے لگے۔ ڈولی سے اُترتے ہی سیدھی بیٹی کے پاس گئیں۔ دیکھا تو بیٹی درد کی تکلیف سے مچھلی کی طرح تڑپ رہی ہے۔ بڑی بی کے رہے سہے ہوش حواس جاتے رہے اور لگیں پڑھ پڑھ کے دم کرنے۔ بدن کو ہاتھ لگایا تو ٹھنڈا برف۔ آنکھیں چھت کو لگ گئیں چہرے کا رنگ عین ہین جیسے دھویا کپڑا بات کی بات میں تمام خون سُنت گیا۔ ماں بیٹی کی ایسی ردی حالت دیکھ کر ڈاڑھیں مار کے رونے لگیں۔ راحت الگ ماں کے کرب سے بے قرار تھی۔ امیر بیگم کی آنکھوں میں دنیا اندھیر تھی۔ جب تک ڈاکٹر نہیں آیا بہتیری چھوٹی موٹی دوائیں کھلائیں مگر جب خدا کا حکم ہوتا ہے تب ہی دوا بھی کارگر ہوتی ہے بغیر اُس کے حکم کے پتہ نہیں ہلتا۔ جوں جوں دوا کی اسی قدر درد میں زیادتی ہوتی گئی بقول شخصے ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

صدقے سِلّے بھی اُتارے۔ بکر ابھی کیا مگر درد کیا تھا پیغامِ اجل تھا
۵ درد سب دردوں میں کامل فرد ہے ٭ اس کو جس پہلو سے الٹو درد ہے۔
امیر بیگم ہیں کہ بلبلا بلبلا کر بیٹی کو آواز پر آواز دیئے جاتی ہیں۔ بیٹی نے
آنکھ کھولی تو ماں نے بے قرار ہو کر کہا بیٹا ماں صدقے گئی کچھ مُنہ
سے تو بولو ہم سب پریشان ہیں بس نہیں چلتا کہ تمھارا درد بٹا لیں
راحت الگ بے سُدھ ہے۔ ناظرین آپ خیال کر سکتے ہیں کہ نصیرہ
کے دل پہ ماں کی شفقت بھری آواز نے کیا اثر کیا ہوگا۔ آواز
کان میں پونہچتے ہی آنکھیں کھول دیں مگر کچھ ایسی تکلیف تھی کہ مُنہ
سے بات نہ نکلی۔ ماں کو دیکھتے ہی کچھ اور خیالات دماغ میں گونجنے
لگے۔ کبھی ننھے ننھے بچّوں کا خیال آتا اور کبھی میاں کا جو کالے کوسوں
پردیس میں بیٹھے تھے۔ غرض طرح طرح کے خیالات کا ہجوم تھا۔
اُس وقت نصیرہ حرمان و یاس کی پُتلی تھی جو زندگی اور موت کے درمیان
پڑی جھول رہی تھی۔ امیر بیگم بیٹی کی یہ حالت دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں
کُڑھ رہی تھیں اور سوچ رہی تھیں کہ یا الٰہی کیا ہوگا۔ آخر ضبط نہ کر سکیں
بیٹی کی پیشانی پر پیار کیا اور رونے لگیں۔ آخر بڑی بوڑھی تھیں اور
عمرِ طبعی کو پونہچ چکی تھیں۔ جہاں دیدہ تھیں جانتی تھیں کہ اطوار
اچھے نہیں۔ آنکھوں کی رونق جاتی رہی ہے۔ خدا ہی دم بچانے والا
ہے۔ مریضہ نے ماں کا دستِ شفقت اپنے سینے پر رکھا جس کا مطلب
یہ تھا کہ درد کی تکلیف مجھے اپنا حالِ دل کہنے نہیں دیتی۔ اس میں

شک نہیں کہ نصیرہ بیگم بڑی ہمت کی آدمی تھیں۔ مگر آہ موت ایسی زبردست چیز ہی جو بڑے بڑے پہلوانوں کی چولیں ہلا دیتی ہی۔ تاہم مریضہ نے کپکپاتی ہوئی آواز سے کہا کہ "اماجان میرا آخری وقت قریب معلوم دیتا ہی۔ میری ساری طاقت سلب ہو چکی۔ ہاتھ پاؤں میں دم نہ رہا موت سرہانے کھڑی ہی صرف خدا کے حکم کی دیر ہی کہ میری مشکل آسان ہو۔ للہ آپ میرا قصور معاف فرمائیں اور وہ بخش دیں میرے جگر کے ٹکڑوں کو اپنے سایۂ عاطفت میں لیں۔ میری نشانی سمجھ کیان پر شفقت کی نظر رکھیں کہ سوائے آپ کے ان کا مجھے کوئی اور نظر نہیں آتا۔ ان کے باپ کو خدا تا قیامت سلامت رکھے مگر۔ ع

یوں تو منہ دیکھے کی ہوتی ہی محبت سب کو
جب میں جانوں کہ مرے بعد مرا دھیان رہے

اس وقت مجھے ایک یہ بھی بڑا صدمہ ہی کہ ڈاکٹر صاحب پردیس میں ہیں میں اُن سے اپنے قصور معاف نہ کرا سکی اور بچوں کے متعلق کچھ وصیت نہ کر سکی اور یہ شعر پڑھا ع

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے　　اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

یہ شعر پوری طرح زبان سے نکلا بھی نہ تھا کہ آنکھیں بند کر لیں یا خود بخود بند ہو گئیں مگر درد کا اشتداد وہی تھا بلکہ کچھ اور زیادہ۔ آہ ایسی بے قراری اور تڑپ تھی کہ خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ چہرے کا رنگ کبھی ارغوانی ہو جاتا تھا اور کبھی زعفرانی راحت نے ماں کی

پٹی نہ چھوڑی اور حسرت سے ایک ایک کا منہ تاک رہی تھی۔ نثار بہت پریشانی کی حالت میں ڈاکٹر کو لے کر آیا اس نے بیمار کو دیکھا اور یہ رائے قرار پائی کہ قولنج کا درد ہے۔ اوپر والوں کی تسلی کے لیے کچھ سٹرپٹر نسخہ لکھ اپنی فیس لے چلتا ہوا بے چارہ ڈاکٹر کیا کرسکتا تھا موت کی دارو تو لقمان کے پاس بھی نہیں۔ وہاں کام تمام ہو چکا تھا وہ کہتا بھی تو کس سے کہتا اور کیا کہتا۔ کوئی بڑا بوڑھا تھا نہیں بچوں سے کیا خاک کہے۔ غرض ڈاکٹر کے تیور دیکھ کر اوپر والوں پر مایوسی چھا گئی۔ راحت نے فوراً ایک خوراک چمچے سے ماں کے خشک حلق میں ڈالی مگر دوا اور دعا دونوں کا خاتمہ تھا۔ یہ پیٹ کا درد تھا یا موت کا پیغام۔ آج ہی صبح کا ذکر ہے کہ خاصی اچھی بھلی چنگی تھی سیاں کو خط لکھا کھانا کھایا اور سب کو کھلایا۔ کس کو خبر تھی کہ گھڑی بھر میں یہ زندہ مردہ سب سے ہو جائے گا۔ نصیرہ نے کوئی آدھ گھنٹے کے بعد پھر آنکھ کھولی بے درد درد نے کچھ مہلت دی تو سمجھے بلا ٹلی افاقہ ہے وہاں رشتۂ حیات منقطع ہو چکا تھا گنتی کے سانس کچھ باقی تھے۔ یہ افاقہ نہ تھا سنبھالا تھا۔ چراغ جب خاموش ہوتا ہے تو بھڑکتا ہے یہ زندگی کا آخری چمکارا تھا۔ بیٹی سامنے تھی اُس کی طرف دیکھا مگر وہ کیسا دیکھنا تھا جس میں ایسی حسرت اور مایوسی تھی کہ گویا کسی نے کلیجہ مسوس ڈالا۔ نصیرہ نے بیٹی کی طرف دیکھ کر کچھ ایسے سوز و گداز اور دردناک لہجے سے یہ شعر پڑھا کہ سننے والوں

کے بے اختیار آنسو ٹپک پڑے ۔ ؎

تو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانا کرلے + ہم تو کل خوابِ عدم میں شبِ ہجراں ہوں گے

اس کے بعد مریضہ نے راحت کو پیار کیا دونوں لڑکوں کو بلا کر اپنے گلے سے لگایا اور ایسی حسرت بھری نگاہ سے دیکھا کہ اوپر والوں کا کلیجہ چھد گیا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر نہایت مایوسی سے یہ دوسرا شعر پڑھا ۔ ؎

رخصت ہے باغباں کہ ذرا دیکھ لیں چمن + جاتے ہیں واں جہاں سے پھر آیا نہ جائے گا

بھلا کس کے سینے میں پتھر کا دل تھا جو ایسے موقع پر نہ روتا ۔ بچے خون کے آنسو رو رہے تھے ۔ امیر بیگم کی بُری حالت تھی ۔ جوان بیٹی کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی ۔ آخر وہ وقت آگیا کہ نصیرہ بیگم نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے اپنے گھر اور بچوں سے بچھڑ کر آنکھیں بند کر لیں اور آرام کی نیند جا سوئیں ۔ ماں نے خود لیٰس پڑھی اور بیٹی کو کلمے وغیرہ پڑھائے ۔ کیا کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ جوان بیٹی صاحبِ اولاد ماں کے سامنے دم توڑ رہی ہے اور ماں کچھ نہیں کر سکتی ۔ ایک وقت وہ تھا جو بیٹی کی اُنگلی میں پھانس چبھتی تھی تو ماں کے کلیجے پر خنجر چل جاتا تھا اور ایک وقت یہ ہے کہ سب مُنہ دیکھ رہے ہیں اور کوئی کچھ کر نہیں سکتا ۔ آہ کیسا نازک وقت ہے کہ سب دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اور وہ رخصت ہوئیں خرخرہ شروع ہو گیا شربت ڈالا نہ اُترا باچھوں سے نکل گیا ۔ ایک سُبکی کے ساتھ اپنی جانِ شیریں

اپنے خالقِ حقیقی کے سپرد کی دنیائے دنی کو چھوڑ اعلیٰ علیین کو سدھاریں ساری امیدوں کا خاتمہ کر گئیں۔ ہاتھ پاؤں سیدھے کر کپڑا ڈھک دیا اب وہاں دھرا کیا تھا۔

اس گلشنِ ہستی میں عجب دید ہے لیکن ✤ جب چشمہ کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا
ہستی سے عدم تک نفسِ چند کی ہے راہ ✤ دنیا سے گزرنا سفر ایسا ہے کہاں کا

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

صبح ہوتی ہے تو ہوتے ہیں ستارے پنہاں
لیکن اے موت مقرر ہے ترا وقت کہاں

راحت کھڑے قد سے ماں کی لاش پر گر پڑی۔ بیٹوں نے الگ روتے روتے اپنا برا حال کیا۔ آنکھوں دیکھتے دیکھتے کیا سے کیا ہو گیا۔ کس کو خبر تھی کہ دن ہی دن میں ان کی ماں کا کام تمام ہو جائے گا۔ آنے والے وقت سے ہر ایک متنفس بے خبر ہے۔ وہ گھر جو عشرت کدہ تھا دم کے دم میں ماتم کدہ بن گیا در و دیوار سے مایوسی برسنے لگی۔ ہر ایک عزیز و قریب نصیرہ کے غم میں اپنی جان کھونے لگا۔ آہ موت کی منزل کیسی خطرناک ہے۔ اس میں ایسے بڑے بڑے پیچ و خم ہیں کہ راستہ ملنا دشوار ہے۔ اس راہِ پرخطر میں اچھے اچھوں کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں۔ خدا اپنی رحمت سے ہر ایک کی اس مشکل گھاٹی کو آسان کرے آمین۔
نصیرہ بیگم کی گھبراہٹ بے وجہ نہ تھی آج اُس کا حال کھلا۔ بعض اوقات

مرنے والے کو کچھ اپنے مرنے کی خبر ہو جاتی ہی اور ہر ایک چیز سے
دل گھبرانے لگتا ہی۔ نصیرہ کو ڈاکٹر صاحب کے کلکتے جاتے وقت
جو مایوسی اور غیر معمولی پریشانی تھی اب اُس کا سبب کُھلا کہ یہ سانحہ
پیش آنے والا تھا اور وہ صرف چار چھ مہینے کی مہمان تھی۔ یہاں تو
بیوی کا یہ حال ہوا کہ آپ سے آپ دل بے چین تھا اور اس بیکسی
کی حالت میں جان دی۔ وہاں ڈاکٹر صاحب بے حد پریشان اور
خیال کرتے تھے کہ خدا معلوم دہلی میں سب لوگ کس طرح ہیں کیا
وجہ ہی کہ کئی دن سے خلاف معمول کسی کا خط بھی نہیں آیا۔ واقعی
یہ بات بالکل ٹھیک ہی کہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہی۔ یہاں چوں کہ
یہ سانحہ ہونے والا تھا اس لیئے ڈاکٹر صاحب کے دل پر اثر تھا۔
دل کی کشش مثال مقناطیس کے ہی اور اُس کی حالت تار برقی سے
کم نہیں اور یہ تو معاملہ ہی اور تھا میاں بیوی کوئی غیر نہیں۔ بیوی
میاں کی تابعدار میاں بیوی کے شکر گزار اس لیئے مقتضائے
فطرت یہی تھا کہ ڈاکٹر صاحب اگر چہ از دیدہ دور تھے مگر از دل دور
نہ تھے۔ بات کی بات میں کنبے کے تمام لوگ جمع ہو گئے اور میت
کے غسل کا سامان ہونے لگا۔ رات کو غسل دے کر میت کو گھر
میں رکھا سو چار بڑی بوڑھیاں قرآن شریف پڑھنے بیٹھ گئیں۔
رات چوں کہ زیادہ ہو گئی تھی۔ اس لیئے صبح سویرے میت کو
لے گئے اور دفن کرکرا کے کوئی گیارہ بجے واپس آ گئے۔ بچوں کا

بُرا حال تھا - دنیا میں سب چیز مل سکتی ہے مگر ماں باپ کہاں پیدا؟
اب ماں کی قدر معلوم ہو گی - جب تک ایک نعمت رہتی ہے کچھ قدر نہیں ہوتی
اور جب چھن جاتی ہے تو آنکھیں کھل جاتی ہیں - ۵
جیتے جی قدر بشر کی نہیں ہوتی لیکن + یاد آئے گی تجھے میری وفا میرے بعد

باب (۵) ڈاکٹر صاحب کی رجعتِ قہقری

زور ہی کیا تھا جفائے پاسباں دیکھا کیے
آشیاں اُجڑا کیا ہم ناتواں دیکھا کیے

ستار نے فوراً باپ کو تار دیا کہ اماں جان کی حالت بہت مخدوش ہے آپ تار کو دیکھتے ہی فوراً آئیے - مرنے کی خبر صاف صاف اس خیال سے نہ لکھی کہ پردیس میں تھے کوئی ہمدرد و غمخوار پاس نہ تھا ایسا نہ ہو کہ وہ ہاکا بیٹھ جائے اور اپنا بُرا حال کریں - ڈاکٹر صاحب بے چارے بے خبر تھے کہ تار پونہچا - تار کا نام سُنتے ہی اُن کا دل بے طرح دھڑکنے لگا - فوراً ہی کھولا اور بیوی کی بیماری کا حال پڑھ کر بہت پریشان ہوئے - جھٹ سے رخصت کے لیئے درخواست بھیجی اور دہلی کا قصد کیا - اُسی روز اتفاق سے بیوی کا آخری خط جو اُنھوں نے مرنے سے چند گھنٹے پہلے لکھا تھا ملا - ڈاکٹر صاحب نے نہایت بے تابی سے اُسے کھولا اور پڑھنا شروع کیا - اُس میں بیماری کا مطلق ذکر نہ تھا - سمجھ گئے کہ یہ بیماری سے پہلے کا ہے عمداً

میری پریشانی کی وجہ سے کچھ نہیں لکھا۔ تار نثار کا دیا ہوا ہی غلط ہو نہیں سکتا طرح طرح کے خیالات کا دل میں ہجوم تھا۔ کبھی اُس اپنی جھلک دکھاتی تھی تو کبھی ہراس ڈراتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کو گھبراہٹ تو کئی دن سے تھی ہی اس لیئے پہلی ٹرین میں سوار ہو گئے۔ بھلا دو روز کا سفر اور یہ پریشانی کسی طرح راستہ کٹتا ہی نہ تھا ایک ایک گھنٹہ ایک ایک سال کی برابر معلوم ہوتا تھا۔ رات کاٹے نہیں کٹتی تھی بلے چارے بار بار یہ شعر پڑھتے تھے۔ ؎

ہماری شامِ غم کی اے خدا ہو گی سحر کب تک
رہے سنت پذیر جلوۂ فردا نظر کب تک

اُدھر ماں کی موت سے راحت کی کل بگڑ گئی تھی۔ آہ اُس کی حالت ہم کیا لکھیں۔ جس کی ماں یوں جھٹ پٹ ہو جائے اُس کی مصیبت کا کیا پوچھنا۔ ؎ مزا آتا نہیں تھم تھم کے ہم کو رنج و راحت کا
خوشی ہو غم ہو جو کچھ ہو الٰہی ناگہاں کیوں ہو

باپ گھر پر نہ تھا جو تسلی کرتا۔ کنبے رشتے کے لوگ سمجھاتے تھے مگر یہ سوء یہ صدمہ کچھ عارضی نہ تھا جس میں لوگوں کے سمجھانے بجھانے سے سکون ہو جاتا۔ بلکہ جوں جوں لوگ سمجھاتے تھے وہ وہ یہ پھوٹ پھوٹ کر روتی تھی۔ اتنا ہم بھی کہیں گے کہ نصیرہ نے باغ لگایا اور بہار نہ دیکھی درخت بویا اور ثمر نہ کھایا۔ مرحومہ کو راحت کی شادی کی بڑی تمنا تھی۔ افسوس کہ وہ پوری نہ ہوئی اور نصیرہ اس آرزو کو اپنے سینے میں لے کر

آغوشِ لحد میں جا سوئیں ع ای بسا آرزو کہ خاک شدہ - پھولوں کے دن ڈاکٹر صاحب دلی پہونچے - ریل سے اُترتے ہی سناٹے میں آگئے - گھر پونہچنا مشکل ہوگیا - قدم ڈالتے ایک طرف تھے اور پڑتا دوسری طرف تھا - افتاں و خیزاں گھر پونہچے - دروازے میں گھستے ہی ایک کُہرام مچ گیا - دیکھا تو گھر کی رونق جا چکی تھی - مکان تھا مگر مکین نہیں گھر پڑا بھائیں بھائیں کر رہا تھا ہر ایک چیز پر غیر معمولی اُداسی برس رہی تھی - سب لوگ خاموش اور اُداس بیٹھے تھے گھر کی یہ حالت دیکھ ڈاکٹر صاحب کا دل بھی قابو میں نہ رہا - بیٹی کو دیکھا تو نیم مردہ لڑکوں کو پایا افسردہ غرض ہر شخص پژمردہ - کس کا پتھر کا کلیجہ ہوگا جو اس صدمۂ جاں کاہ کی برداشت کر سکے - اُس حرماں نصیب شوہر کا دل کیا کہتا ہوگا جو ابھی چند مہینے پہلے بیوی کو خاصہ اچھا بھلا چھوڑ کر گیا تھا یا آج اُس کی صورت بھی آنکھوں سے نہاں ہے - راحت باپ کو دیکھتے ہی بے اختیار دوڑ کر لپٹ گئی اور آنسوؤں کا ایک دریا بہانے لگی - باپ کے کلیجے پر چھریاں چلنے لگیں لڑکے الگ بلک رہے تھے - ڈاکٹر بیچارے کا کلیجہ مُنہ کو چلا آتا تھا - بچوں کو کیا خاک سمجھاتے جب خود اُن کے ہاتھ سے صبر کی باگ بے طرح چھوٹی چلی جا رہی تھی - آخر بڑا ضبط کر کے بیٹی کو کلیجے سے لگا لیا اور سمجھانے لگے - مگر اپنے دل کا اللہ ہی مالک تھا - اور اُس بے قراری کی حالت میں یہ شعر کچھ ایسے سوز و گداز سے پڑھے کہ سننے والوں کے کلیجے دہل گئے - ۷۰

ہے یقیں اس کا کہ اک دن بے گماں کچھ بھی نہیں
یہ زمیں کچھ بھی نہیں یہ آسماں کچھ بھی نہیں
کیا ہے انساں ایک مشت استخواں کچھ بھی نہیں
بلبلا پانی کا ہے عمرِ رواں کچھ بھی نہیں
سب ہیں فانی کیا زمیں کیا آسماں کچھ بھی نہیں
اک خدا کو ہے بقا دونوں جہاں کچھ بھی نہیں
زندگی تک ایک عالم جن کے تھا زیرِ نگیں
بعد مردن اُن کا اب نام و نشاں کچھ بھی نہیں
رنگ کیا فصل خزاں لائے گی رکھ اس کا خیال
پھول کی دو دن بہار ہے باغباں کچھ بھی نہیں
کیسی نادانی ہے کارِ خیر میں کرتا ہے ڈھیل
موت کے تو سامنے پیر و جواں کچھ بھی نہیں

آخر دل مضبوط کر کے اپنی مغموم خوشدامن سے بیماری اور اچانک موت کا حال دریافت کیا۔ مرحومہ کی تکلیف اور مرض کا حال سنتے جاتے تھے اور آنکھوں سے جھڑی لگی تھی۔ اُس سچی محبت کی زنجیر کی کڑی جو ابھی ٹوٹی تھی یعنی بیوی کی محبت اُن کو کشاں کشاں قبرستان لے گئی۔ جلدی چلنے کی بہتیری کوشش کرتے تھے مگر ایک ایک پاؤں سَو سَو من کا ہو رہا تھا۔ اُس شہر خموشاں میں جسے دیکھا ایسی نیند میں تھا جس کے بعد بیداری ہی

نہیں۔ ایک تازہ بنا ہوا مٹی کا ڈھیر نظر آیا جس پر کچھ کملائے ہوئے پھول پڑے تھے۔ معلوم ہوا کہ ان کی ساری آرزوؤں کا ڈھیر یہی ہے۔ آہ اس گڑھے میں منوں مٹی کے تلے وہ نازک بدن دبی پڑی ہے جو کل پھولوں کی سیج پر چین کرتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کو کیسے یقین آسکتا تھا اور کیا تسلی ہو سکتی تھی کہ نازوں کی پلی نصیرہ یوں خاک میں مل جائے گی۔ قلم میں طاقت نہیں دل میں سکت نہیں کہ اُس وقت کی حالت کا نقشہ اُتارا جا سکے خدا دشمن پر بھی یہ وقت نہ ڈالے۔ ڈاکٹر صاحب نے بہت سے مردے چیرے پھاڑے ہوں گے اور کتنے ہی مریضوں کے ہاتھ پاؤں بھی کاٹے ہوں گے اور یوں بھی عموماً ڈاکٹروں کے دل سخت ہوتے ہیں مگر دل کی لگی بُری ہوتی ہے اُس وقت اُن کی حالت ایسی تھی جیسے کوئی دیوانہ ہوتا ہے۔ سارے بدن میں لرزہ تھا اور آنکھوں سے مینہ برس رہا تھا۔

ہم رونے پہ جب آئیں تو دریا ہی بہا دیں
شبنم کی طرح سے ہمیں رونا نہیں آتا

بہ ہزار مشکل دل کو سنبھالا اور بہ ہزار دقت فاتحہ پڑھی اور پلٹے تو کیسا کہ دو قدم چلے اور پھر مڑ کر دیکھ لیا۔ خود تو گھر کو گئے اور نہ جاتے تو کیا کرتے مگر دل کو بیوی کے پہلو میں چھوڑ گئے

بلبل تو اگر نالی من یا تو ہم آوازم　　تو عشقِ گلے داری من عشقِ گل اندامے

باب (۶)۔ ڈاکٹر صاحب اُٹھا و چوتھا۔

ابتدائے عالمِ ہستی میں میں بے ہوش تھا ہوش جب آیا تو دل میں غفلتوں کا جوش تھا
پھر مصائب اور فنا کے تجربے پیہم ہوئے بعدازاں جب تک جیا مغموم تھا خاموش تھا

افسوس دم کے دم میں بنا بنایا گھر اُجڑ گیا - غرض پھولوں کے بعد عزیز و اقارب چلے گئے اور کب تک نہ جاتے اب گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا ڈاکٹر صاحب بڑے باذاق آدمی تھے - مگر اب گم سم تھے - دنیا میں خوشی ہو یا غمی کسی کو قیام نہیں - سب چند روزہ ہیں - مرنے والا مرجاتا ہے رہے اور سب اپنی اپنی جگہ خاموش ہو جاتے ہیں - دنیا کسی کے چھوڑے نہیں چھوٹتی - آج جو بات ہے کل نہیں رہتی - جوں جوں دن گذرتے جاتے ہیں غم میں بھی فطرۃً کمی آتی جاتی ہے اور دنیا کا کارخانہ اپنی اصلی رفتار سے چلنے لگتا ہے -

بیوی کا صدمہ تو شوہر کے لیئے صرف اتنی ہی وقعت رکھتا ہے جیسے کہ کُہنی کی چوٹ کہ جس وقت لگی تو دنیا آنکھوں میں اندھیر ہو گئی مگر تھوڑی دیر بعد کچھ بھی نہیں - کبھی مرنے والی کا خیال آگیا آگیا ورنہ خیر صلاح یہ تو سب جانتے اور دیکھتے چلے آتے ہیں کہ مرد شاید ہی کوئی ایسا ہو گا جو بیوی کے مرنے بعد دوسری شادی نہ کرے ہزار ہا بہانے نکال کر اپنا گھر آباد ہی کر لیتے ہیں اور اُس پر طرہ یہ کہ پھر بیوی کی محبت کا دم بھی بھرتے ہیں - بڑے چاہنے والے وہ سمجھے جاتے ہیں جو لوگوں کی شرما شرمی کچھ دنوں دو آنسو بہالیں ورنہ کفن میلا نہیں ہونے پاتا چہلم کا بھی بمشکل انتظار کیا جاتا ہے کہ ایک گئی دوسری آن دھمکی

وہی مثل ہوئی نئی آئی پرانی کو دور کرو رے اور اگر کہیں بھولے بسرے براے نام اُس مرنے والی کی یاد بھی آگئی تو اُس کے لیئے نہیں بلکہ اپنے آرام کی خاطر خیر مرے بعد دوسری کر لینا کب قابل اعتراض ہو سکتا ہے جب کہ زندگی ہی میں سوکن آکر چھاتی پر مونگ دلنے لگتی ہے پھر شکوے شکایت اور گلے اور حکایت کا کیا موقع و محل بس مُنہ نہ کھلوائیے ذرا تو اپنے گریبان میں مُنہ ڈال لیئے اور شرمائیے اب ذرا عورتوں کی تصویر دیکھیئے جن کی بے وفائیوں پر کتابیں کی کتابیں لوگوں نے لکھ ڈالی ہیں جن کو ہم عورتیں صبر و شکر سے پڑھ لیتی ہیں دم نہ مار و شکر گزار رہو۔ مرد جو کہیں بجا اور درست آمنّا و صدّقنا عورتوں میں جتنے کیڑے ڈالیں اُن کو سزاوار اور زیبا ہے ۔

ہم جو کچھ بولیں تو کہلائیں مٹری ۔ آپ چُپ ہوں تو تغافل ٹھہرے
کوئلیں کوکیں پپیہے بولیں ۔ کان کی بات مری غُل ٹھہرے
تم جسے چاہو چڑھا لو سر پر ۔ ورنہ یوں دوش پہ کاکل ٹھہرے

شوہروں کے ساتھ جو چتا پر چڑھ کر بھسم ہو جاتی ہیں یعنی ستی ہو جاتی ہیں کیا وہ عورتیں نہیں ہیں - کیا کوئی مرد بھی کسی بیوی کے لیئے ستی ہوا ہے ؟ ۔ خسروا در عشق بازی کم ز ہندو زن مباش
کاں برائے مردہ سوزد زندہ جانِ خویش را

کیا کوئی ایسی مثال مرد پیش کر سکتے ہیں جیسی عورتوں میں بکثرت موجود ہیں کہ شوہر کی صورت سے واقف نہیں اور ساری عمر اُس کے نام پر

بیٹھی رہیں جلتی رہیں سُلگتی رہیں مگر دھواں تک نہ اُٹھا- غرض یہ کہنے میں مجھے ذرا بھی تامّل نہیں کہ عورتوں میں بہ نسبت مردوں کے وفاداری کا مادّہ بہت زیادہ ہے- اور یہ دعویٰ گو ایک عورت ہی کے قلم سے نکلا ہے مگر واقعات سے انکار کون کر سکتا ہے- ایمان کی بات تو یہ ہے کہ اس صابر، متحمل اور مظلوم فرقے میں سے ہزاروں خدا کی نیک بندیاں ایسی ہیں جن کے گلے میں شادی کے چند ہی روز بعد سہاگ جا کر سوگ کا ہار پڑ جاتا ہے اور وہ اپنے خدا پر بھروسہ کر کے اپنی باقی ماندہ زندگی اس صورت میں گزار دیتی ہیں اور مرتے دم تک شوہر کے غم میں سلگتی رہتی ہیں- گو زندہ رہتی ہیں مگر مردے سے بدتر- دنیاوی تمام زینت اور آرائش کو شوہر کے ساتھ قبر میں دفن کر دیتی ہیں- وہ زندگی میں موت کا مزا چکھ لیتی ہیں- میں عورتوں کا پارٹ نہیں لیتی بلکہ سچا واقعہ لکھ رہی ہوں اور نہ میں مردوں پر ناحق کا الزام تھوپتی ہوں بلکہ قاعدے کی بات ہے کہ جیسا کوئی ہوتا ہے ویسا ہی کہا جاتا ہے- میں یہ بھی نہیں کہتی کہ سب مرد یکساں ہوتے ہیں- نہیں ہرگز نہیں- بعض بعض مرد نہایت صلح کل نیک مزاج با اخلاق اور بیوی کے ہمدرد ہوتے ہیں اور کوئی کوئی عورتیں بھی ایسی ہوتی ہیں جن سے مرد تنگ آ جاتے ہیں جیسا کہ اس شعر سے معلوم ہوتا ہے- ~

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

مگر میرا مطلب یہ ہے کہ عورتیں ایسی کم نکلیں گی۔ وہ مردوں سے ہر طرح کم زور اور اُن کی دست نگر ہیں۔ اس وجہ سے مرد کچھ تو قدرۃً اور کچھ اپنی ہٹ دھرمی سے ان پر ناواجب دباؤ ڈالنے کے عادی ہو جاتے ہیں اور بُری طرح پیسے ڈالتے ہیں۔ حق پسند مرد غالباً ان بدیہی امور سے انکار نہ کریں گے کہ بعض حُسنِ صورت پر ریجھتے ہیں تو بعض جوانی پر دیوانے ہوتے ہیں۔ جوانی کی بہار ڈھلی اور بہار الشباب رخصت ہوا کہ تو کون اور میں کون ۔ ؎

رہتی ہے کب بہارِ جوانی تمام عمر
مانندِ بوئے گُل اِدھر آئی اُدھر گئی

کیا اس محبت کو خالص اور بے ریا اور خود غرضی سے مبرا کہا جا سکتا ہے یہ محبت ایک قسم کا عارضی جوش اور اُبال ہوتا ہے جسے قیام نہیں اور جس میں خلوص اور ہمدردی کی بوباس کا نام نہیں۔ یہ محبت اصلی نہیں بلکہ ایک امرِ اضافی ہے۔ طلائے خالص نہیں ملمع کی چمک ہے جب اُسے امتحان کیا اور ذرا کسوٹی پر کسا کہ اصلی حقیقت کھل گئی ۔ ؎

کیا مرے حُسنِ دل آویز پہ تو مرتا ہے
شعلہ روئی پہ مری جان فدا کرتا ہے
یہ اگر سچ ہے تو جا مجھ سے محبت مت کر
نگہِ عشق رخِ مہرِ جہاں تاب پہ ڈال
حُسنِ بے مثل کو جس کے نہ اجل ہے نہ زوال

کم سنی پر مری مائل ہے طبیعت تیری
حُسنِ نوخیز سے وابستہ ہے الفت تیری
یہ اگر سچ ہے تو جا مجھ سے محبت مت کر
تیری الفت کے ہے قابل رخِ زیبائے بہار
جس پہ ہر سال نیا حسن نرالا ہی نکھار ۔

چاہتا ہے مجھے تو کیا مری دولت کے لیئے
دل ہے بے کل ترا میری زر و حشمت کے لیئے
یہ اگر سچ ہے تو جا مجھ سے محبت مت کیجے
چاہیئے تجھ کو کرے بحرِ گہر خیز سے پیار
جس کے ان مول جواہر کا نہیں کوئی شمار
پیار مجھ سے ہے تجھے کیا مری الفت کے لیئے
دل ہے پروانہ ترا شمعِ محبت کے لیئے
یہ اگر سچ ہے تو کر مجھ سے محبت پیارے
بہتر از ہزاراں دلِ شیدا میرا
بحر میں بھی نہیں ایسا گہرِ مہر و وفا

پس ڈاکٹر صاحب بھی اس عموم سے مستثنیٰ نہ تھے۔ تھوڑے دن تو بہت غم کیا بچوں کو دیکھ دیکھ کر ڈاڑھیں مار مار کے روتے تھے مگر آہ اُن کا غم دیرپا نہ تھا بہت جلد خوشی سے بدلنے والا تھا۔ مرحومہ کے مرتے ہی کئی گھرانے تاک لگائے بیٹھے تھے کہ ہماری لڑکی کی ڈاکٹر صاحب سے شادی ہو جائے بھرا بھرایا گھر ہے۔ لڑکی عیش کرے گی۔ رفتہ رفتہ ڈاکٹر صاحب کے کان تک بھی یہ بات پہنچی مگر چونکہ غم تازہ تھا ابھی مرحومہ کی تصویر کا ایک مٹا مٹایا مدھم سا نقش لوحِ دل پر باقی تھا کہ لوگ اُن کی دل بستگی کا سامان مہیا کرنے لگے۔ ڈاکٹر صاحب دل سے تو ضرور راضی تھے پھر بھی اُوپری دل سے مصلحتہً انکار ضرور کیا مگر چبا چبا کر۔ کچھ تو دنیا کی شرم کچھ بچوں کے خیال سے چند روز دھکڑ پکڑ میں رہے۔ راحت ماں کے صدمے سے زندہ درگور تھی۔ واقعی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب بیٹی کو بہت چاہتے تھے اور اب اور زیادہ چاہنے لگے تھے۔ اُس کا دل بہلانے کو ہر طرح

کوشش کرتے تھے اور اُس کی ہر ایک خوشی کا خیال رکھتے تھے۔
ڈاکٹر صاحب نے کلکتے والی نوکری کو تو خیر باد کہا اور پھر وہی اپنے پرانے
ڈھرے پر لگ گئے گھر کی آدھی نہ باہر کی ساری کیوں کہ لڑکی ظفر اپنے
تنہا تھی اس وجہ سے باہر جانے کا اب کیا موقع تھا آخر میں اپنے
شفاخانے کا کام پھر کھول دیا۔ ڈاکٹر صاحب کے شناسا سب ہی
تو تعزیت کو آئے اُن کے پرانے دوست وہی انجنیر جن کا ذکر اوپر
آچکا ہے ایک دن وہ بھی تشریف لائے اور دریافت کیا کہ بھائی کیا
سخت مرض کھڑا ہو گیا تھا جو اس قدر جلد جان ہی لے کر ٹلا۔ ڈاکٹر
صاحب کا دل بھر آیا اور زبان کو یارائے تقریر نہ رہا۔

ہوئی ہے خانہ ویرانی نہ پوچھو ہم نشیں کیا کیا
گیا دل ہاتھ سے داہیت میں ہم جاتے رہتے دل سے

بھائی موت کی کسی کو خبر نہیں کہ کس وقت آجائے یہ میری بد نصیبی
ہے کہ بنا بنایا گھر آناً فاناً میں برباد ہو گیا اور ایسی قابل بیوی داغ مجھے
چل بسی۔ چہ گویم از سر و سامانِ خود عمر یست چوں گل
سینہ تنگم پریشاں روزگارم خانہ بر دوشم

انجنیر۔ بھائی صبر کیجئے یہ مقام چون وچرا کا نہیں سب کو وہاں جانا ہے
صرف آگے پیچھے کا معاملہ ہے خدا آپ کو صبر دے۔ ہاں یہ تو فرمائیے
لڑکی کیسی ہے۔؟
ڈاکٹر۔ کیا عرض کروں اُس کی حالت میں بیان نہیں کر سکتا ہر وقت

دلی رجحان صاف ظاہر تھا - انجنیر صاحب نے بھی کریدنا شروع کیا
کہ آخر یہ ہیں کتنے پانی ہیں - لگے باتوں میں اُن کا عندیہ لینے -
ڈاکٹر صاحب دبی آواز سے بھائی میری یہ آرزو تو نہ تھی کہ وہ
یوں مرجائیں اور میں دوسری شادی کروں اور ابھی کر دن گزرائیں
گزرہی ہیں، دیکھا جائے گا - میرا ابھی تو خیال ہی نہیں اور آگے کی
خبر نہیں - دوست دخبر کیوں نہیں - آپ کو خبر نہ ہو مگر ہم کو خبر ہے
کوئی دن جاتے ہیں کہ یہ بیل منڈھے چڑھتی ہے - یہ طور بے طور ہیں؟
نہیں صاحب آپ بھی کیا باتیں کرتے ہیں - ارے میاں کیا دنیا
میں تمھاری ہی بیوی انوکھی مری ہے - بُرا نہ ماننا امیروں کو بیوی کا
کیا غم اور بیویوں کی کیا کمی ہا دس موجود ہیں - تم جوان آدمی ہو بھلا
کیسے ممکن ہے کہ تم یوں ہی بیٹھے رہو خدا کو دیکھا نہیں تو عقل
سے پہچانا - آج نہیں تو کل کروگے - بیج کھیت کروگے ہم تم کو
دکھادیں گے پھر یہ کیا کہ مرتے کے ساتھ مر رہے ہیں یہ کوئی بات ہے - یہ انجنیر
تھا غضب کا چلتا پرزہ خود اس کے ساڑھے تین بیویاں تھیں ایک
بیاہتا ایک نکاحتا ایک آئی لگائی اور آدھی بادہوائی - سرود بہ مستاں
یاد دہانیدن - ڈاکٹر صاحب کو اس نے ڈگمگا ضرور دیا تھا ورنہ ابھی
شاید وہ برس دو برس جھیل لے جاتے مگر انھوں نے کچھ ایسا سبز باغ
دکھلایا اور اوندھی سیدھی پٹی پڑھائی کہ ڈاکٹر صاحب کی بھی رال
ٹپکنے لگی - یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ظہورن نے آن کر کہا کہ چھوٹی بیگم

ماں کی چہیتی لگی ہے۔ میں ہر چند اُس کا دل بہلانے کی کوشش کرتا ہوں
مگر یہ درد ایسا نہیں جو علاج پذیر ہو۔ پھر مشکل یہ ہے کہ تمہارے گھر میں
کوئی اتنا بھی نہیں جو بات چیت کرے۔ لڑکی ماشاءاللہ سیانی
ہو چلی ہے گھر میں اکیلا رکھنا بھی مناسب نہیں۔ لڑکوں کا تو خیر کچھ نہیں
باہر کے پھرنے والے ٹھیرے مگر اس ننھی سی جان پر ایک تو ماں
کا صدمہ اوپر سے گھر کا بوجھ بھلا اس کے سنبھالے کہیں سنبھل سکتا ہے
رہا میں سو میں ٹھیرا کامی آدمی میرا بہت وقت تو دواخانے اور
وزٹس میں گزرتا ہے میں کب تک بیٹی کے گھٹنے سے لگا بیٹھا رہ سکتا
ہوں۔ کیا کروں عجب مشکل میں جان ہے کچھ کرتے دھرتے بن نہیں پڑتی
میری اکیلی جان ہے اور سیکڑوں فکریں۔ بھائی سچ پوچھو تو زندگی کا
لطف جاتا رہا اب تو ماماؤں پر گھر چل رہا ہے۔ سو اُن کا کیا اعتبار
زمانہ کس قدر نازک ہے ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھتا ہوں۔
بیٹی ذات کا ساتھ دوست دشمن سب ہی کے ساتھ لگے ہوئے ہیں
ناظرین آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کی اس گفتگو سے کیا تشریح
ہو رہا ہے ؎ کب فلک کو ہے سلیقہ یہ ستم گاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں
کاش وہ صاف الفاظ میں کہہ دیتے کہ میں عقدِ ثانی کا خواہش مند
ہوں۔ صرف ایک نکاح کے کرنے سے یہ تمام ناقابلِ برداشت
تکلیفیں رفع ہو جائیں گی۔ لیکن اُن کے اندازِ کلام سے اُن کا

آپ کو بلاتی ہیں۔ ڈاکٹر۔ (حامد حسین سے) اس وقت آپ مجھے معاف کریں۔ لڑکی بلا رہی ہے خدا جانے کیا کام ہے ذرا میں گھر ہو آؤں ان شاء اللہ پھر کبھی اطمینان سے اس معاملے میں بات چیت ہوگی۔ انجنیر ایک شوشہ چھوڑ چلتے ہوئے۔ مگر ڈاکٹر صاحب کو اچھا مشغلہ ہاتھ لگا۔ ع خوئے بدرا بہانہ بسیار!

باب (۷)۔ اُونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ

در چمن از کہ مراعاتِ وفاداری جستم بلبلاں مست و صبا بے خود و گل بے پروا

راحت باپ کے انتظار میں انگنائی میں کھڑی تھی۔

باپ۔ کہو بیٹا کیا کام ہے تم نے کیوں بلایا ہے میرے پاس کچھ لوگ بیٹھے تھے ورنہ میرے آنے کا وقت ہو ہی گیا تھا میں خود ہی آجاتا۔

راحت۔ ابّا جان کچھ بھی نہیں انہوں نے مجھے تیسرے پہر بلایا ہے ان کے ہاں میلاد شریف ہے آپ اجازت دیں تو میں ہو آؤں ورنہ کچھ عذر کر دوں اُن کو ماما جواب کے لیئے بیٹھی ہے۔ ڈاکٹر صاحب چوں کہ روشن خیال آدمی تھے وہ ایسی بیہودہ قید کو جس کی عموماً گھرانوں میں لڑکیوں کے لیئے اکثر پابندی ہے روا نہ رکھتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ لڑکیاں اپنی شریف اور نیک خصلت ہمجولیوں سے ضرور ملیں جلیں جس سے اخلاق کی ترقی ہو اور اُن کا تجربہ بڑھے۔ اس لیئے اُنھوں نے کہا ہاں بیٹا شوق سے جاؤ مگر سویرے سے آجانا۔ راحت نے جھٹ پٹ

کنگھی چوٹی کی اور کپڑے بدل بدلا ڈولی میں سوار ہو ظہورن کو ساتھ لے ظہر کی نماز کے بعد چلی گئی۔ میمونہ کی کئی سہیلیاں آئی تھیں مگر راحت سے بڑی دانت کاٹی روٹی تھی اور اسی کے آنے کا بڑا انتظار تھا۔ کئی دفعہ ڈیوڑھی میں بھی جا جا کر جھانک آئی ماما کو دیر لگی اس سے وہ سمجھ گئی کہ ضرور لے کر ہی آئے گی۔ میمونہ اس تصور میں تھی کہ "ڈولی اُترو الو" کی آواز پر اُس نے کان کھڑے کیئے۔ دیکھتی کیا ہے کہ بی راحت چلی آرہی ہیں۔ دوڑ کر بیچ انگنائی میں جا کر خوب جھپٹ جھپٹ کر گلے ملی اپنی صحنچی میں جہاں ان کی ہمجولیاں بیٹھی تھیں لائی اور گلے شکوے شروع ہو گئے۔ اللہ بی راحت! تم تو بڑی طوطا چشم ہو۔ شہر کے شہر میں رہو اور کبھی تمھاری شکل بھی نظر نہیں آتی۔

راحت۔ اور تم کون سا آتی ہو جو میری شکایت کرتی ہو۔ ہاں اماں کے پھولوں میں آئی تھیں وہ دن اور آج کا دن پھر اُلٹ کر خبر تک نہ لی اس مُنہ پر تم دوسروں کی شکایت کرتی ہو۔ میمونہ ابھی جواب دینے نہ پائی تھی کہ مولود شریف شروع ہو گیا۔ پورے دو گھنٹے تک محفل رہی مغرب سے ذرا پہلے ختم ہوئی، مٹھائی بٹی۔ راحت اپنا حصہ لے اپنے گھر چلی آئی اور میمونہ سے چلتے چلتے کہتی گئی کہ اچھی بہن! دیکھنا تم ضرور ضرور آنا۔ بچے سب سو سلا رہے ڈاکٹر صاحب بھی سونے کو آ گئے اور پلنگ پر لیٹے لیٹے خدا معلوم کیا کیا خیالی پلاؤ پکا رہے تھے حامد حسین نے ایسا ہاتھ تھوڑی مارا تھا کہ خالی جائے اُسی کی اُدھیڑ بُن

تھی۔ ڈاکٹر صاحب دل ہی دل میں کہہ رہے تھے کہ اگر انجنیر صاحب کے کہنے پر عمل کرتا ہوں تو یہ ضرور ہی کہ میری تکالیف میں کمی ضرور ہو جائے گی اگر خیال ہی تو صرف لڑکی کا کہ یہ ہوشیار اور سمجھ دار ہی اپنی ماں کی ہم نشین کو کن آنکھوں سے دیکھے گی اور بہت ممکن ہی کہ مبادا کوئی فتنہ و فساد گھر میں اُٹھ کھڑا ہو اور اُلٹی آنتیں گلے پڑیں کیوں کہ یہ سوتیلا رشتہ بہت بُرا ہوتا ہی گو راحت نہایت حلیم الطبع اور صلح کُل ہی۔ پھر سوچتے تھے تو کیا میں محض لڑکی کی دل شکنی کی وجہ سے تا بہ زیست لنڈورا ہی رہوں اور اپنی دل بستگی کا سامان نہ کروں، یہ تو ممکن نہیں۔ دنیا میں موت زندگی ہوتی چلی آئی ہی یہ کوئی انسان کے قابو کی بات ہی چند روز میں اس کی بھی شادی ہو جائے گی پھر بتائیے کہ کیسی کا ساتھ ہوگا۔ گھر کا دروازہ بالکل ہی بند ہو جائے گا۔ لڑکی کی شادی ہو گی وہ اپنا گھر بار سنبھالے گی یا اُس کا دولھا میری خاطر یہاں چھوڑ دے گا؟ میری مٹی تو یوں ہی خراب ہوئی۔ پھر خیال کرتے کہ خدا معلوم لڑکوں کا سلوک سوتیلی ماں سے کیسا ہو۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہتے کہ نہیں میری اولاد ایسی نالائق نہیں جو میری حکم عدولی کرے اور میری تکلیف کو گوارا کر سکے۔ غرض ڈاکٹر صاحب تمام شب اسی فکر میں غلطاں پیچاں پڑے کروٹیں بدلتے رہے۔ صدہا قسم کے خیال اُن کے اُس دل میں جو کسی وقت مرحومہ کی محبت سے لبریز تھا اُمنڈ آئے تھے۔ جن میں سب سے غالب نئی نویلی دلہن کی

آمد آمد کا خوش کن تصور تھا۔ ؎

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

ڈاکٹر صاحب نے تہیہ کر لیا کہ نیت شب حرام صبح تو ہونے دو دیکھا جائے گا۔ اجی جناب ڈاکٹر صاحب بس دیکھا دیکھا کیا جائے گا ہم نے دیکھ لیا۔ ؎

تم تو کیا ہو تمھیں کیا اہلِ نظر گنتے ہیں ٭ ہم تو اڑتی ہوئی چڑیا کے بھی پر گنتے ہیں

لڑکی بے چاری کا ناحق صبر سمیٹتے ہو ہاں بیٹوں کی کہو وہ برابر کے جوڑ ہی دار ہیں ایسا نہ ہو کہ اُٹھ کھڑے ہوں تو آپ کی بہت کرکری ہوگی۔ لیکن کرکری یا اس سے بھی زیادہ ہو آپ کریں گے ضرور ابھی تو آپ بچاؤ کی فکریں اور شرعی حیلے ڈھونڈ رہے ہیں جو محض آپ کے نفس کا مکر ہے۔ بھلا جو شخص ایسے خیالات میں مستغرق ہو اُس کو کیا خاک نیند آسکتی تھی۔ اسی اُدھیڑ بن میں جاگتے جاگتے صبح ہوگئی ؎

جس کا دل دلبر میں ہووے اُس کو کب آتی ہے نیند
کروٹیں لیتے ہی لیتے بس اُچٹ جاتی ہے نیند

ناظرین مجھے ڈاکٹر صاحب کی اس عجلت پر بے حد افسوس ہے۔ انجنیر بے چارا ایک چلتی سی بات کہہ کر چور بن گیا کر سے ڈاڑھی والا پکڑا جائے مونچھوں والا۔ نزلہ بر عضوِ ضعیف۔ گویا مادہ طیار تھا بس چھیڑنے کی دیر تھی۔ ڈاکٹر صاحب تو اُدھار کھائے بیٹھے تھے اپنی جگہ تو اُنھوں نے

سب طے کرلیا اور شیخ چلی کی طرح وہ سمجھے کہ او ہو جی دلہن گھر میں آہی گئی تھی۔ سبحان اللہ! بیوی کی کیا محبت ہے۔ ع ان تلوں میں تیل ہی نہ تھا گویا۔ بچوں کا کیا خیال ہے۔ ع بریں عقل و دانش بباید گریست ۔ ڈاکٹر صاحب نے عقدِ ثانی کی بالکل دل میں ٹھان ہی لی اب صرف کسر رہی تو یہ کہ ہو کہاں۔ ڈاکٹر صاحب آج معمول سے ذرا سویرے اُٹھے اور کیوں نہ اُٹھتے ارے بھئی دنیا میں کوئی ایک دفعہ دولھا بنتا ہے تو مارے خوشی کے پھولا نہیں سماتا اور یہ چھٹے ہی اور وہ دو۔ علی الصباح چو مردم بہ کاروبار روند ۔ بلاکشانِ محبت بہ کوئے یار روند انجینیر کل ہی تو ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے دواخانہ پونچتے ہی بیماروں کو جلدی جلدی نبٹایا پیچھے پہلے نوکر سے کڑک کر کہا "ارے میاں خدابخش ذرا جھپٹ کے جانا اور انجینیر صاحب کو بلا لانا" کام بھی بہت ضروری تھا۔

وا کر دیئے ہیں شوق نے بندِ نقابِ حسن
غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا

انجنیر صاحب کا گھر کچھ دور نہ تھا ادھر آدمی گیا اُدھر آن دھمکے مگر ڈاکٹر صاحب کو یہ وقفہ بھی گراں گزرا ۔

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک　　آتشِ شوق تیز تر گردد

حامد حسین کو دیکھ کر ڈاکٹر صاحب کھل گئے۔ حامد حسین نے آتے ہی ڈاکٹر صاحب کی نبض دیکھی اور وہی بات شروع کی جس کے لیئے یہ رات بھر تڑپتے رہے ۔ اجی جناب ڈاکٹر صاحب! ذرا ادھر بھی متوجہ

ہو گئے یا انجنیر ہی کی باتوں میں لگے رہو گے - اس ایرپھیر کی کیا ضرورت
آپ کے دردِ دل کے واسطے "عقدِ ثانی" کا نسخہ اکسیر کا حکم رکھتا ہے -
ناک کو سامنے ہاتھ لا کر پکڑ لیے یہ چکر دے لا کر پکڑنا کیا معنی ع
من خوب می شناسم پیرانِ پارسا را - ڈاکٹر صاحب اپنی دھن میں
بھلا ہماری بات کب سننے والے تھے پھر حامد حسین کا سلسلہ سخن
یوں شروع ہوا -

حامد حسین (کرسی کھسکا کر آگے بڑھ کر) کہیے مزاج شریف -

ڈاکٹر - ارے بھئی ہمارا کا ہے کا مزاج - ؎

خیالِ خواب کہاں سوزِ غم سے جلتے ہیں ٭ تمام رات پڑے کروٹیں بدلتے ہیں

حامد - ارے بھئی تم نے زبردستی کا سوگ لیا ہے - نہ مزاج میں
وہ چہل ہے نہ شگفتگی جب دیکھو محرم کی صورت بنا رکھی ہے کہیں ایسا نہ ہو
کہ تمھاری جان پہ بن جائے - کیا تم نہیں جانتے کہ جان ہے تو جہان ہے

؎ زندگی زندہ دلی کا ہے نام ٭ مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

جب دیکھو بسورتی صورت جب دیکھو مضمحل - آنے جانے والوں کا
دل بھی کیا خاک لگے - آپ تو بڑے ہنس مکھ پُر مذاق زندہ دل تھے
اگر یہی حال ہے تو قبلہ آپ کی تن درستی بس قائم رہ چکی - جان بوجھ کر
اپنی بھلی چنگی جان کو معرضِ خطر میں ڈالنا کب روا ہے -

ڈاکٹر - (ایک لمبا سانس کھینچ کر) ہاں بھئی ہاں سچ کہتے ہو -

پھر تم ہمارے دوست ہو کیا قیامت میں کام آؤگے کوئی رستہ نکالو نا۔

انجنیر۔ یہ تو آپ کے ہاتھ کی بات ہے غم کو پاس نہ پھٹکنے دیجیئے جو بات انسان کے قابو سے باہر ہے تو اُس پہ رنج فضول ہے ؎

آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دیجے　　جاتا ہو تو اُس کا غم نہ کیجے

کسی کی موت پر ایسا رنج کرنا نعوذ باللہ خدا سے بیر باندھنا ہے۔ آپ کے نزدیک مشیّتِ ایزدی کوئی چیز نہ ٹھیری۔ آپ کو صبر کرنا چاہئیے اور اپنا دل بحال رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ جب تک آپ کسی نئے مشغلے میں نہ لگیں گے ممکن نہیں کہ اس رنج کے دفعیئے کی کوئی صورت ہو اور یوں بھائی مرنا ہی ہے تو سیدھی طرح مرو نا مفت میں جان کھونا چہ معنی ؟۔

ڈاکٹر۔ (تجاہلِ عارفانہ سے) اور وہ مشغلہ کیا ہے ؟۔

انجنیر۔ مشغلہ یہ ہے کہ کہیں دوسرا انتظام کرنا چاہیئے کیا دنیا میں ایسا ہوتا نہیں۔ دوسرے سوگ تو شرعاً بھی منع ہے۔ یہ میں جانتا ہوں کہ آپ جیسے قابل شخص کو نصیحت کرنی ایسی ہے جیسے لقمان کو حکمت سکھانی تاہم میں دوستانہ طریقے سے آپ کو دوسری بیوی کرنے پر زور دیتا ہوں۔

ڈاکٹر۔ خاموش بیٹھے یہ گفتگو سن رہے تھے اور دل ہی دل میں خوش

ہو رہے تھے غرض اُنکی زبان دل کی ترجمان نہ تھی نہ دل ان کے کہنے میں تھا ما دکھاوے کو
جواب دیا تو یہ کہ بھائی میرا خیال ہرگز نہ تھا کہ پھر نکاح کروں مگر اب تمہارے کہنے
سے کچھ خیال پیدا ہو گیا اور یہ بھی کہا کہ مرحومہ کے متعلق تمہیں معلوم ہے وہ بہت لائق
اور خدمت گزار تھیں - افسوس میں نے اُس نعمتِ عظمیٰ کی جیسی کہ چاہئے
تھی قدر نہ کی - گو جب میرے ساتھ اُن کی شادی ہوئی تو وہ پڑھنا
لکھنا نہ جانتی تھیں کیوں کہ اُن کے خاندان میں لڑکیوں کا پڑھانا
ایسا ہی معیوب سمجھا جاتا تھا جیسا کہ ہندوؤں کے ہاں بدھواؤں
کی دوسری شادی مگر میں نے اُن کو پڑھنے کی ترغیب دلائی چونکہ
وہ تیز طبیعت اور ذہین تھیں چند ہی دنوں میں سب کچھ سیکھ لیا -
مجھے یہ خدشہ ہے کہ خدا معلوم اب کس خدا کی بندی سے پلہ بندھے
اور کیا افتاد پڑے - ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ یہاں سوتیلے بچوں کا
ساتھ ہے اور راحت مجھے دراصل لڑکوں سے زیادہ عزیز ہے آنے والی
کا برتاؤ اس غم زدہ لڑکی سے جس کا دل ماں کے صدمے سے چکنا چور
ہے کیسا ہو اور کیا نہ ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ مرے پر سو دُرّے کی مثل مجھ پر
صادق آ جائے - ڈاکٹر صاحب کی یہ تمام باتیں ہی باتیں تھیں وہ ایسے
نادان نہ تھے جو نکاح سے قبل ہی نکاح کی شرطیں کر رہے تھے -
کیا اُنھیں معلوم نہ تھا کہ ہزار نیک طینت عورت ہو گی مگر ضرور کسی نہ کسی
وقت وہ اپنا سوتیلا پن جتائے گی پر جتائے گی - علیٰ ہذا بچے بھی
سوتیلی ماں کے نکھوے سے کب لگیں گے - یہ باتیں محض فضول تھیں

کہ ایسا نہ ہو ویسا نہ ہو۔ اگر نکاح کرنا تھا کر کے فراغت پاتے۔ ان
چکنی چپڑی باتوں اور چک پھیریوں سے کیا فائدہ۔ سمجھنے والے
خوب سمجھتے تھے اور منہ پر نہیں تو پیٹھ پیچھے علانیہ کہتے تھے کہ یہ محض
ڈاکٹر صاحب کی بناوٹی باتیں ہیں اور نری پیش بندی تھی کہ لوگ
مجھ پر معترض نہ ہوں۔ مثل مشہور ہے مارتے کا ہاتھ پکڑ سکتے ہیں
لیکن کہتے کی زبان نہیں پکڑی جاتی۔ خدا اس دورخی چال کا منہ
کالا کرے جس کے سبب سے انسان ہمیشہ زک اٹھاتا ہے۔
حامد حسین نے ڈاکٹر صاحب کی ساری باتیں بہت غور سے سنیں اور
سمجھ گئے کہ میدان مار لیا اور یوں بولے کہ آپ خاطر جمع رکھیں
میرے ملنے والے ایک شخص جمیل الرحمٰن سوداگر ہیں۔ اُن کی
لڑکی جوان پڑھی لکھی سگھڑ ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اُن کے
ہاں ذکر کروں۔ میری رائے میں تو جگہ اچھی ہے اور جہاں تک
مجھے معلوم ہوا ہے اُن لوگوں کو جلدی بھی ہے امید ہے کہ ہفتے عشرے
ہی میں یہ نیک کام انجام پا جائے گا۔
ڈاکٹر۔ (دل میں خوش ہو کر) بھائی صاحب میں آپ کی ہمدردی
اور اس دلچسپی کا جو آپ میرے معاملے میں لے رہے ہیں بے حد
ممنونِ احسان ہوں۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں کچھ خوشی
سے تو یہ کام کر ہی نہیں رہا مجھے تو غرض صرف گھر کے آباد ہونے
سے ہے آپ جو مناسب سمجھیں کریں۔ مجھے چوں کہ آپ پر بھروسہ ہے

اس لیئے میں اس کام کو آپ کے ہی سپرد کرتا ہوں - آپ جو کچھ مناسب سمجھیں وہ کریں۔ ؎

سپردم بہ تو مایۂ خویش را　　تو دانی حساب کم و بیش را

حامد حسین - آپ مطمئن رہیں یوں تو کئی جگہیں ہیں مگر یہ بات جس کا میں نے ذکر کیا بہت عمدہ اور مناسب ہے - میں آج بلکہ ابھی سید صاحب جمیل الرحمن کے پاس جاتا ہوں دیکھوں وہ کیا کہتے ہیں - ہزار درجے تو میرے کہنے سے باہر نہ ہوں گے -

ڈاکٹر - بہت اچھا تو میں شام کو آپ کا منتظر رہوں گا دیکھو بھئی آنا ضرور تمھیں میرے سر کی قسم ایسا نہ ہو کہ بات کو مساوات میں ڈال دو -

حامد - ضرور حاضر ہوں گا میرے تلووں سے خود لگی ہوئی ہے - وقت زیادہ ہو گیا تھا اور کھانے کا وقت زیر ہو گیا تھا ڈاکٹر صاحب گھر میں آئے کھانا کچھ کھایا کچھ نہیں گویا ایک بھاگڑ تھی - محبت سے پیٹ ٹھسا ٹھس بھرا تھا کھانے کی جگہ کہاں تھی - کھانا کھایا یا نہ کھایا جانے ہماری بلا - کمرے میں لیٹ کر اخبار دیکھنے لگے - اخبار تو اُن کے ہاتھ میں ضرور تھا مگر دل کے اخبار سے فرصت کب تھی نگاہ اخبار پر اور دل کسی اور طرف - آخر اخبار دیکھتے دیکھتے آنکھ جھپک گئی - عالمِ بیداری سے عالمِ خواب میں جو غوطہ لگایا تو تلی کے خواب میں پھیپھڑے نظر آئے - دیکھتے کیا ہیں کہ نسیم تو تلی دُلہن کی

کی تصویر سامنے کھڑی ہے - قریب تھا کہ جھپٹ کر اُٹھ بیٹھیں اور لپک کر ہاتھ پکڑ لیں اور واقعی یہ خواب ہی میں اُٹھے مسہری کے ڈنڈے کی ایسی ٹکر لگی کہ حواس بجا ہو گئے سر پکڑ کر بیٹھ گئے جب سمجھے کہ او ہو عالمِ بیداری نہیں خواب ہے - دل میں بڑے شرمندہ ہوئے گھڑوں پانی پڑ گیا - اجی جناب ڈاکٹر صاحب ذرا دم تو لو ایسی کیا گھبراہٹ ہے - یہ تو پہلی ٹکر ہی جو تصور ہی سے لگی اور جب یہ بات سچ ہو جائے گی تو پھر بہت سی ٹکریں لگیں گی - سر سلامت چاہیئے ٹکروں کی کیا کمی ہے

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا ۔۔۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

آخر ڈاکٹر صاحب خوابِ غفلت سے بیدار ہوئے - اُٹھے وضو کیا نماز پڑھی خلافِ معمول بڑی دیر تک جھوم جھوم کر کچھ دعا مانگتے رہے - وہ دعا کیا تھی ڈاکٹر صاحب جانیں یا اللہ جانے مگر ان کا خشوع و خضوع تو یہی کہتا تھا کہ ہو نہ ہو اسی کی دعا تھی ورنہ یہ گڑگڑاہٹ بے وجہ نہ تھی -

محرابِ ابروؤں میں جو سجدہ کیا تو کیا ۔ جب تک کہ تازہ خونِ جگر سے وضو نہ ہو
دل کو مسل مسل کے ذرا ہاتھ سونگھیئے ۔ ممکن نہیں کہ خونِ تمنا کی بو نہ ہو

ہم بھی آمین گو یوں ہیں کہ خدا ڈاکٹر صاحب کی مراد بر لائے - بیوی ملے ضرور اور جلد ہی ملے مگر ایسی نہ ملے کہ ڈاکٹر صاحب کے لیئے داروئے تلخ ہو - غرض نماز سے نہیں دعا سے فارغ ہو کر باہر ٹہلنے گئے یہ ٹہلنا بھی خالی از علت نہ تھا گئے اُسی طرف جدھر حامد حسین کے ملنے کا احتمال تھا

ابھی شام دور تھی ان سے صبر کہاں ہو سکتا تھا۔ ؎

نہ صبر در دلِ عاشق نہ آب در غربال　　قرار در کفِ آزادگاں نگیرد مال

بارے خدا خدا کر کے راستے ہی میں حامد حسین مل گئے اُن کو گھسیٹ کر گھر پر لائے۔ بیٹھتے دیر نہ ہوئی تھی کہ پھر وہی گفتگو شروع ہوئی۔

ڈاکٹر۔ کہو بھئی کیا خبر لائے؟

حامد۔ دوست قورمے کا ہاتھ لاؤ مٹھائی کھلاؤ! جمیل الرحمن تو آپ سے خوب واقف ہیں۔ جیسا دنیا جہان کا قاعدہ ہے پہلے تو اُنھوں نے کچھ نانوں کی مگر میں نے ہر طرح سے اُن کا اطمینان کر دیا۔ قصہ مختصر خدا کا شکر ہے کہ معاملہ سب ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔ اب آپ یکے ہو جائیے تو تاریخ ٹھیر جائے۔

ڈاکٹر۔ میں طیار ہوں آپ خود ہی جو تاریخ مناسب ہو مقرر کر دیں (کیوں نہیں آپ تو اُسی دن سے طیار ہیں جب سے کہ وہ بے چاری مری ہے) آج میں لڑکی سے بھی کہہ دوں گا۔ یہ میں جانتا ہوں کہ اُسے صدمہ ہو گا اور ہونا چاہیئے مگر تابکے یہ راز چھپ تھوڑی ہی سکتا ہے ع

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا۔

حامد۔ ہاں ہاں ضرور کہہ دیجئے۔ حامد حسین تو بات پکّی کر کرا چلے گئے اور ڈاکٹر صاحب گھر میں تشریف لائے خلافِ معمول دسترخوان پر سے مُنہ جھٹال کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بھلا آج بھوک کہاں تھی نئی دلہن کے لانے سے دل سیر تھا۔ بہت خوش تھے مگر بظاہر مغموم۔ مینا نہیں کہتی

کہ اُنھوں نے بلا ضرورت دوسرا نکاح کیا ۔ضرورت تھی بھی اونہیں بھی بلکہ میرا مقصود یہ ہے کہ مرد عورت سے صرف اُس وقتِ خاص تک تعلّق رکھتے ہیں یعنی جب تک سانس ہے ۔ دم نکلا تو تو کَون اور میں کَون فوراً ہی دوسری شادی کے لیئے آمادہ ہو جاتے ہیں ۔عورتیں خدا کے فضل سے اس الزام سے بری ہیں اور اگر ایک آدھ ہے بھی تو وہ مردوں کی صحبت کا اثر ہے کیوں کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے ۔ راحت باپ کو کھانا وانا کھلا ہاتھ دُھلوا کر پان دے باہر جانا چاہتی تھی کہ باپ نے کہا بیٹیا ذرا ٹھیرنا ۔ راحت دودھ پیتی بچّہ تو نہ تھی کئی دن سے باپ کو خلاف معمول متفکر دیکھ کر حیران تھی کہ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے جو ابّا جان پریشان ہیں ۔کبھی اندر کبھی باہر خدا خیر کرے کوئی گُل کھلنے والا ہے ۔ حامد حسین کو یہ بھی جانتی تھی کہ وہ بڑا آوارہ مزاج تھا ۔ان کی ماں کی زندگی میں بھی وہ بے چاری جب سنتی تھیں کہ یہ آیا وہ جز بز ہو جاتی تھیں ۔راحت دیکھ رہی تھی کہ اس نے دہلیز کی ہٹّی لے ڈالی ہے اس کا کثرت سے آنا ضرور رنگ لائے گا ۔کہیں ایسا نہ ہو ابّا کو بھڑکا کے دوسرا نکاح کرا دے بہر حال باپ کے کہنے سے وہ رُک گئی اور باپ کے ارشاد کا بصبری سے انتظار کرنے لگی ۔ (باپ بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیر کر اور ذرا بسورتی ہوئی شکل بنا کر کچھ بھرائی ہوئی آواز میں) بیٹی راحت! اب مجھے دنیا میں تم سب سے زیادہ عزیز ہو ۔ خدا گواہ ہے کہ تمھاری والدہ کا جو صدمہ

مجھے ہی میرا ہی دل جانتا ہے ۹

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

تم ماشاراللہ سمجھ دار ہو میری بات کو غور اور ٹھنڈے دل سے سُنو جو بات میں تم سے کہنی چاہتا ہوں میری زبان یاری نہیں دیتی کہ تم سے کہوں اور کس دل سے کہوں۔ تم پر جو صدمہ پڑا ہے میں اُس کا اچھی طرح اندازہ کر سکتا ہوں۔ بعض مجبوریاں ایسی ہوتی ہیں کہ انسان اُن سے تنگ آکر بادلِ ناخواستہ اُن کے کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ آمادہ کیا معنی اُس کے کیئے بغیر گزر نہیں میں دیکھتا ہوں کہ گھر میں تم تنہا ہو اول تو تمھارا بلا کسی سرپرست عورت کے گھر میں اکیلا رہنا کچھ ٹھیک نہیں اور پھر گھر کا سارا کام دھام تمھارے تنِ ضعیف پر پڑا ہے جس کے اُٹھانے کی تم میں سکت نہیں اور میں بھی نہیں چاہتا کہ تم پر ایسا بوجھ ڈالوں جو تمھاری طاقت سے باہر ہو۔ تمھاری بیڑی ایسی میرے پاؤں میں پڑی ہے کہ میں کہیں باہر آجا نہیں سکتا گھر میں بند بیٹھا ہوں۔ میں بڑی فکر میں تھا کہ یہ مرحلہ کیوں کر طے ہو۔ حامد حسین کا نام تو تم نے سُنا ہوگا اُنھوں نے مجھ سے کہا کہ ایک غریب اور ہوشیار لڑکی ہے اُن کی صلاح ہے کہ میں اُس سے نکاح کر لوں (اور شاید آپ کی نہیں) یہ بات گو مہینوں سے چل رہی ہے مگر میرے دل نے گوارا نہیں کیا اور میں

برابر ٹالتا ہی رہا (جھوٹ) ایک طرف اُن کا اصرار دوسری طرف خانہ داری کی مشکلات کچھ جان عجب ضغطے میں ہے - مجھے اپنا تو کچھ خیال نہیں بڑا خیال تمہاری تنہائی اور تکلیف کا ہے - (راحت بے چاری نے کس دن آپ سے شکایت کی تھی اپنی ہائی اوروں پر گنوائی) جس نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا ہے اور میں نے بہ مجبوری اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا ہے میں توقع کرتا ہوں کہ تم میرے فیصلے کو ناواجب یا بے محل نہ خیال کروگی بلکہ تم خود اس کی واجبیت کو تسلیم کروگی - گو تم کو ایک حد تک اپنی ماں کے قائم مقام کے آنے سے صدمہ ہوگا مگر آگے چل کر مجھے کامل یقین ہے کہ تم میرے اس فیصلے کو نہ صرف میرے لیئے بلکہ اپنے حق میں بھی مفید پاؤگی -

ڈاکٹر صاحب دوسرے نکاح پر تلے بیٹھے ہیں اور پھر محبت کا دعویٰ بھی کرتے جاتے ہیں - ع چہ دلاورست دزدے کہ بکف چراغ دارد - یہ ان کے بیاہ کے دن تھے یا راحت کے سہرے کے پھول کھلنے کے مقتضائے محبت تو یہ تھا کہ پہلے بیٹی کے فرض سے سبکدوشی حاصل کرتے پھر بات سو بات - مگر معاملہ برعکس نکلا - بیوی کے مرتے ہی بیٹی کی محبت بھی نری دکھاوے کی رہ گئی - لاتے ہیں بیوی اپنے آرام و آسایش کے لیئے اور زبردستی کا احسان دھرتے ہیں بیٹی کے سر - مان نہ مان میں تیرا مہمان - وہ کون سی بیٹی ہوگی جو اپنی ماں کی جگہ دوسری کو دیکھے - اُس کی نظروں میں ہزار درجے وہ خالی جگہ اور

تنہائی دنیا بھر کی مصیبتیں اور تکلیفیں راحت تھیں بہ مقابلے اس ازغیبی گولے کے۔ راحت پر ماں کی موت کیا کم مصیبت تھی جو والد صاحب نے یہ شفقت آمیز سلوک کیا۔ ع سمند ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا

غم دیا رنج دیا داغ دیا زہر دیا
خوب بیمارِ محبّت کی دوا تم نے تو کی

باپ کی بیباکانہ تقریر نے راحت کے دل پر بجلی گرادی۔ وہ یہ سنتے ہی دہم ہوگئی اور لرز گئی ہائے ہائے اوسان جاتے رہے قریب تھا کہ غش آجائے۔ مُنہ سے تو کچھ بولی نہیں۔ ہونٹ مُنہ خشک ہوگئے مگر آنسوؤں کا دریا اُمنڈ آیا آنسوؤں کی لڑیاں موتیوں کی صورت اُس کے مرجھائے ہوئے رخساروں پر سے نثار ہونے لگیں۔ ڈاکٹر بھی بیٹی کے رونے سے آب دیدہ ہوئے مگر فرق اتنا تھا کہ راحت کے موتی سچّے تھے اور یہ جھوٹے اُس کے دل میں چوٹ تھی اور حضرت کے دل میں کھوٹ۔ بہ ہزار دقّت بیٹی کو سمجھا بجھا کر چُپکا کیا اور بہت کچھ تسلّی تشفّی کی۔

راحت (اپنے آپ کو سنبھال کر) ابّا جان میں آپ سے معافی چاہتی ہوں۔ امّاں کے خیال نے اس وقت میرا یہ حال کیا جو ایک فطرتی بات ہے۔ آخر خون کا جوش بھی کچھ چیز ہے یا نہیں؟ امّاں جان (خدا اُن کو کروٹ کروٹ جنّت نصیب کرے) اُن کی تصویر میری نظروں میں پھر گئی۔ میرا دل میرے قابو سے باہر ہوگیا ورنہ میں کیا

اور میری رائے کیا مقدم آپ کا قولِ فیصل ہے۔ ؎

کس باغ میں آسیبِ خزاں آ نہیں جاتا
گُل کون سا کھلتا ہے جو مُرجھا نہیں جاتا

ابا جان جو آپ مناسب سمجھیں وہ کریں۔ میری ماں تو مر گئیں جن کی جگہ ہمیشہ ہمیشہ میرے دل میں خالی رہے گی۔ باقی رہی میں ہر طرح آپ کی تابع دار اور فرماں بردار ہوں۔ میری طرف سے آپ اطمینان رکھیں کیا مجال جو حرفِ شکایت زبان پر لاؤں ڈاکٹر صاحب بیٹی کی گفتگو سُن کر چُپ سادھ گئے۔ راحت کے دل میں خود بخود سوئیاں سی چُبھ رہی تھیں آنکھوں سے موسلادھار بارش ہو رہی تھی مگر واہ رے ضبط اور ہمّت کہ باپ کی مرضی کے خلاف زبان تک نہ ہلائی۔ یہ مانا کہ راحت کی نارضامندی سے کچھ ہو نہیں سکتا تھا لیکن اگر خدانخواستہ وہ اڑجاتی تو ڈاکٹر صاحب کو بھی بڑی مشکل کا سامنا ضرور ہوتا کہ دنیا میں تین ہٹیں مشہور ہیں راج ہٹ۔ بالک ہٹ۔ تریا ہٹ۔ درحقیقت راحت نہایت نیک اور فرشتہ خصلت لڑکی تھی وہ اسی لیئے پیدا ہوئی تھی کہ دنیا کے تمام مصائب اور آلام برداشت کرے اور اُف نہ کرے۔ وقت کا تو یہ حال ہے کہ اُس کی رفتار ریل سے بھی زیادہ تیز ہے ادھر دن ہوا اُدھر رات معلوم بھی نہیں ہوتا کہ صبح کب ہوئی اور شام کب اور دن کدھر گیا۔ ایک ہفتہ کون سی بڑی بات تھی آنکھ بند کرنے میں

ختم ہوگیا اور ہمارے ڈاکٹر صاحب کا نکاح امۃ الرحیم سے بندھ گیا بلکہ جکڑ گیا۔ ہیں تو نکاح میں تھی نہیں ہاں کان، البتہ گنہگار ہیں، سُنا کہ کُل ہزار روپیئے مہر بندھا اور وہ بھی معجّل نہیں مؤجل۔ غنیمت ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے دنیا کی شرما شرمی سمجھو یا بیٹی کا ڈر کہ کوئی ریت رسم نہیں کی اور نہ شادی کی طرح شادی رچائی ہاں گھر آباد ہونا تھا سو بیچ کھیت ہوگیا۔ ڈاکٹر صاحب کو اپنا دل بہلانا تھا سو بہل گیا۔ دو چار بھلے مانسوں کو ساتھ لے عصر مغرب کے درمیان نکاح کر کرا دلہن کو گھر میں بطور ناخواندہ مہمان کے لا اُتارا۔

باب (۸)۔ ڈاکٹر صاحب کا دوسرا نکاح

غنچے نے تاجِ گُل سے کیا پیرہن درست
شادی بہار کی ہے ہوائے چمن درست
گُل جلوہ گر ہیں آمدِ فصلِ بہار ہے
کر باغبان نشیب و فراز چمن درست

راحت کے لیئے آج کی صبح صبحِ قیامت سے کم نہ تھی۔ گھر میں اور تھا کون لے دے کے یہی ایک لڑکی۔ کلیجے پر پتھر کی سِل رکھ کر اسی نے سوتیلی ماں کو اُتروایا اور پیش دالان میں صدر مقام پر گاؤ تکیئے سے لگا کر بٹھایا۔ اللہ رے ضبط کہ تیوری پر بل تک نہ آیا۔ ناظرین! یہ وہ جگہ تھی جہاں راحت کی چاہنے والی ماں بیٹھا کرتی تھی۔ راحت کی نظروں میں وہ نقشہ پھر گیا اور آنکھوں تلے اندھیرا سا

آگیا قریب تھا کہ چیخ مار کر گر پڑے مگر ہمّت کڑی کر کے دل کو سنبھالا اور یہ کہہ کر دم بخود ہو گئی۔ ع جو کچھ خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا۔ آفتاب اپنے معمول پر غروب ہوتا تھا مگر آج آفتاب کا غروب ہونا نہ تھا بلکہ دُلہن نے اپنا آنچل آفتاب کے چہرے پر ڈال دیا۔ آفتاب کا غروب بختِ طالع کا طلوع تھا۔ باواجان آج معمول سے ذرا پہلے بیت الراحت میں داخل ہوئے۔ باپ کا مُنہ کیا تھا جو بیٹی سے چار آنکھیں کرتا۔ دیکھا کہ لڑکی کام کاج میں لگی ہے۔ آپ نظر بچا دبے پاؤں جھٹ حجلۂ عروسی میں داخل ہو گئے۔

قرصِ خورشید در سیاہی شد یونُس اندر دہانِ ماہی شد

بن داموں کی لونڈی، راحت نے پر تکلّف کھانا امّاں باوا انہیں دولھا دلہن کے لیئے طیّار کر بلا عذر بہ خندہ پیشانی سامنے لا رکھا مگر دل پر کیا گزر رہی تھی اس کی خبر تو خدا ہی کو تھی دسترخوان بچھا کھانا قرینے سے چُن۔ آفتابہ۔ سیلابچی۔ صراحی۔ گلاس رکھ آپ ٹل گئی۔ باوا سے اتنا نہ ہوا کہ جھوٹے مُنہ بیٹی کی بھی صلاح کرتے مگر جرأت نہ ہوئی یا یہ کہ دل نہ چاہا۔ اب تو یہ لڑکی دو میں تیسرا آنکھوں میں ٹھیکرا تھی۔

ہوئی شب تو مہ نے اٹھائی نقاب گیا سجدۂ شکر میں آفتاب
خوشی میں گئی جلد جو شب گزر ہوئی سامنے سے نمایاں سحر
گیا مژدۂ صبح لے ماہتاب اٹھا سورج آنکھوں کو ملتا شتاب

راحت نے آج صبح سے نہیں نہیں کل سے دانہ نہ چکھا تھا۔ ایک کھیل بھی اُڑ کر اُس کے مُنہ میں نہیں گئی تھی اور پوچھنے والا ہی کون تھا۔ سب کاموں سے فراغت پاکر اپنی سہ دری میں مُنہ پیٹ جا پڑی ایک تو رنج اوپر سے فاقے پر فاقہ کیا خاک نیند آتی شبِ غم بُری بلا ہے۔ تفکّرات کے دل بادل چھا گئے اور دل سے باتیں کرنے لگی کہ دیکھئے کس مزاج کی ہیں۔ میرے ساتھ کیسا برتاؤ کرتی ہیں۔ اس قسم کے خیالات کرتے کرتے بڑی رات گئے آنکھ لگ گئی اور اَلنَّوْمُ اُخْتُ الْمَوْت (نیند موت کی بہن ہے) نے راحت کو خوابِ راحت میں عارضی طور پر تھپک تھپک کر سُلا دیا کیوں کہ نیند تو سولی پر بھی آجاتی ہے۔ صبح ہوتے ہی دنیا کا کارخانہ اپنے معمول پر چلنے لگا۔ خالہ جان (کیوں کہ اب یہی کہنا ٹھیک ہے) کو ناشتہ واشتہ کرانے کے لیئے بھجوایا۔ راحت کے دونوں بھائی بہت مغموم تھے مگر راحت سے کم کیوں کہ عورت کا شیشۂ دل بہت نازک ہوتا ہے ذرا سی ٹھیس میں چکنا چور ہوجاتا ہے۔

گر صد ہزار لعل و گہر می دہی چہ سود ۔۔۔ دل را شکستہ نہ کہ گوہر شکستہ

لیکن مرد مرد ہی ہیں۔ کیوں ناظرین! راحت کا صدمہ کیا کچھ بے جا تھا؟۔ نہیں ہر گز نہیں۔ وہ جتنا کُڑھتی واجبی اور بجا تھا۔ جس کو اس میں کلام ہو وہ اپنی چھاتی پر ہاتھ دھر کے دیکھے۔ جس پر پڑتی ہے وہی جانتا ہے دوسرا اس درد دُکھ کو کب پہچانتا ہے

جس پہ گزری ہو یہ وہی جانے ۔۔۔ جو کہ بے درد ہو وہ کیا جانے۔

ڈاکٹر صاحب ایک نئے مشغلے میں لگ گئے اُن کے پاس رنج وغم پھٹکا نہ کھاتا تھا کیوں کہ اُن کے دل کا بہلاوا آ گیا ذرا اُبھرا جو رنج تھا وہ کافور ہو گیا۔ مگر بچوں کا غم تازہ اور رنج میں اضافہ ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب کو سسرال کے آنے جانے اور نئی دُلہن کی خاطر تواضع سے ایک لمحے کی فرصت نہ ملتی تھی۔ دواخانے کی طرف بھی جیسی چاہیئے توجہ نہ تھی اور خاصے خوش خوش تھے۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ انسان کا دل تو ایک ہی ہوتا ہے اب اُس پر بی امۃ الرحیم کی محبت نے قبضہ کر لیا تھا شاید مرحومہ کے بچّوں کے لیئے کسی کونے کُھدرے میں کوئی جگہ رہ گئی ہو تو کہا نہیں جاتا۔ ؏

ہم معتقدِ دعویِ باطل نہیں ہوتے
سینے میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے

لڑکے دونوں اپنی اپنی پڑھائی میں گتھے رہتے دل گھبراتا باہر چلے جاتے دل بہل جاتا تھا۔ لیکن راحت کی کہو اُس پر کیا گزرتی تھی وہ بے چاری آفت کی ماری ہر وقت گھر میں رہتی تھی اسے ہر طرح کی کوفت تھی۔ دوسرے لڑکی کی ذات کسی سے اپنا درد دکھ کہہ سُن کر دل کی بھڑاس بھی نہ نکال سکتی تھی۔ آگ سُلگ رہی تھی مگر دھواں تک نہیں۔ اُٹھتے بیٹھتے ہر وقت ماں کا دھیان تھا۔ ؏

کسی کے خوف سے دل کھول رویا نہیں جاتا
چھپا لیتی ہوں دامن میں جو دو آنسو نکلتے ہیں

عورتوں میں فطرتہً ضبط، تحمل اور برداشت کا مادہ زیادہ ہوتا ہے اور اس میں عورتیں مردوں پر ایک گونہ تفوق رکھتی ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنی جان پر کڑی سی کڑی مصیبت جھیل لیتی ہیں اور اُف نہیں کرتیں۔ مردوں سے یہ کبھی ممکن نہیں وہ ذرا سی تکلیف کو طشت از بام کر دیتے ہیں۔

باب (۹) - سوتیا ڈاہ

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں رسوا
تم قتل بھی کرتے ہو تو چرچا نہیں ہوتا

امۃ الرحیم چند روز تو سوتیلے بچوں سے اچھی طرح رہیں بلکہ ضرورت سے زیادہ لگو پتو کی۔ اس ظاہر داری سے ڈاکٹر صاحب تو ڈاکٹر صاحب اوپر والے بھی خوش تھے۔ مگر دلوں کا حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے اس چار دن کی چاندنی کا کیا بھروسہ تھا پالکی سے اُترتے ہی کون لڑا کرتا ہے ہاں جب ساتھ رہیں اور رہیں لیس تو جانیں۔ کی آمدی و کی پیر رشدی۔ گو ماں کی سی خالص محبت تو ممکن ہی نہ تھی۔ تاہم وہ کچھ تو دنیا کی شرم ولحاظ سے اور کچھ ڈاکٹر صاحب کے دل میں جگہ کرنے کے لیئے اوپری دل سے ضرورت سے زیادہ صدقے واری جاتی تھیں مگر ہاتھی کے دانت کھانے کے اور اور دکھانے کے اور۔ اور چاہیئے تھا کہ کچھ دنوں تو اس ظاہر داری کو نباہتیں مگر اُنھوں نے گھونگٹ کے ساتھ ہی ساتھ

اس دھوکے کی ٹٹی کو بھی سرکا دیا۔ اب کھلے خزانے مخالفت کرنے لگیں
جسے "جلنا" یا "سوتیا ڈاہ" کہتے ہیں۔ اصل اصل ہی ہے اور نقل۔ خلوص
کی بات ہی کچھ اور ہے۔ لڑکوں سے تو زیادہ واسطہ نہ تھا اور اُن کو
ایک کہتیں تو دس سنتیں بھی مگر مدِ مقابل تو برابر کی بیٹی تھی وہی
مورچے پر دھر لی گئی۔ اُس کی چھاتی پر مونگ دلنے میں کوئی کسر
نہ چھوڑی۔ ؎ سخت جاں ہوں مری گردن پہ چھری پھیر اکر

تیز کرنے کے لیئے خوب ہے یہ سِل قاتل

راحت اپنی طرف سے بہت کوشش کرتی تھی کہ کوئی بات ایسی نہ ہو کہ
ابا کے کانوں تک پہونچے ورنہ میری جان اور غضب میں آجائے گی
چلے گی انہیں کی میں تو سر کا اترا بال ہوں ۔ جو چاہے مجھے دبا لے
مگر محض راحت کے کیئے تو یہ آشتی ممکن نہ تھی جب تک کہ اُدھر سے بھی
کچھ مادرانہ شفقت کا اظہار نہ ہو۔ راحت آخر بیٹی تھی لونڈی باندی
نہ تھی۔ امۃ الرحیم بالطبع غصیلی جھلّی۔ کینہ ور اور بڑی فسادن تھی
شادی کے وقت معلوم ہوا تھا کہ ان کے باپ سوداگر ہیں مگر جب
سابقہ پڑا تو اُن کا کچا چٹھا کھلا کہ بے چارے تھوڑا سا بساط خانے
کا سامان خرید کر ایک دُکان پر بیٹھ گئے تھے۔ مثلاً چاقو۔ قینچیاں۔
سہروتے۔ سوئیاں۔ دھاگے کے بنڈل۔ دیا سلائی کے بکس۔ صابن
وغیرہ وغیرہ جس کی کُل کائنات سَو سوا سَو کے اندر تھی۔ اس سرمائے
پر تاجر بن گئے۔ اُسی طرح جیسے کہ چوہا ہلدی کی ایک گرہ پاکر پنساری

بن بیٹھا تھا - امتہ الرحیم ایک غریب گھرانے کی لڑکی تھی باپ کثیر الاولاد بھی تھے لڑکیوں کی لار تھی - ہاں بس روٹی دال پیٹ میں پڑ جاتی تھی اب جو ڈاکٹرنی بنیں تو چودہ طبق کھل گئے - کندلے کی بالیاں جا کر سونے کی - لدھیانے کی گبروں کی عوض مشروع چھینٹ لٹھہ جا کر لاہور کے جوڑیے اور بنارس کی کمخواب خدا کی شان نظر آتی تھی! اب وہ زمین پر قدم نہ دھرتی تھیں - لکھنا تو کیا قلم پکڑنا بھی نہ جانتی تھیں رہا پڑھنا تو کچھ یوں ہی سا برائے نام آتا تھا - البتہ سینا پرونا خاصہ جانتی تھیں - ڈاکٹر صاحب اسی پر لٹو تھے - ایک ایک ادا پر فریفتہ تھے - قدم قدم پر نگاہ تھی کیوں نہ ہو کہ ایک بیوی مر چکی تھیں دھکا لگ چکا تھا دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا ہے - اس واسطے بڑی اللہ آمین تھی - جس کے سامنے دیکھو تعریف کے پل باندھ دیتے تھے - جس سے اس کے نخرے اور بھی بگڑ گئے تھے - راحت اپنی دائی نسبت میں ماں کا بہت ادب لحاظ کرتی تھی اور اس کی ہر ایک بات کو پی جاتی تھی - ابھی کر دن کر رات تھوڑے دن بھی نہ گزرنے پائے کہ اس نے بچوں کی طرف سے کان بھرنے شروع کر دیئے مگر ڈاکٹر صاحب چونکہ راحت کی عادت سے واقف تھے انھوں نے دل پر نہیں لیا اور ٹال دیا شربت کے سے گھونٹ پی کر چپ سادھ گئے اگر گربہ کشتن روزِ اول ڈانٹ دیتے تو پھر وہ زبان نہ ہلا سکتی بلکہ جب شکایت سنتے مذاق میں اڑا دیتے راحت کو بھی پل پل کی خبر تھی وہ ان ریشہ دوانیوں سے بہت خائف تھی

مگر اس کے بس کی کیا بات تھی ۔ سوتیلی ماؤں یا سوتیلے بچوں سے حقیقی ماں باپ یا حقیقی اولاد کی سی امید رکھنی فضول ہے اور جو ایسی امید رکھتے ہیں وہ سراسر غلطی پر ہیں ۔ امۃ الرحیم نے تمام گھر پر تو قبضہ کر ہی لیا تھا مگر سب سے زبردست وہ جابرانہ قبضہ تھا جو ڈاکٹر صاحب نے دل پر تھا ۔ کپڑا لتا اور گھر کا کل سامان سب پر اُس نے قفل جڑ دیئے سارا کاروبار اپنے دستِ قدرت میں لے لوا راحت کو وجودِ معطل بنا دیا آب آمد و تیمم برخاست ۔ امۃ الرحیم صرف نام کی رحیم تھی مگر بڑی گھنی مسمسی میٹھی چھری تھی زبان کی میٹھی دل کی کھوٹی ؎

سنگیں دل است ہر کہ بظاہر ملائم است

پنہاں درونِ پنبہ ببیں پنبہ دانہ را

اُس کو چاہیئے تھا کہ بیٹی کا ہاتھ بٹاتی مدد کرتی نہ یہ کہ اختیار مختار خود لے لیا لڑکی بے چاری کو ٹکڑوں ٹوں بٹھا دیا وہی مثل ہوئی اُٹھاؤ بی بی رکھنا (مقنع) گھر سنبھالوا پنا ۔ راحت حسبِ معمول مسز صاحبہ سے پڑھا کرتی تھی ۔ باپ ہمیشہ بیٹی کی لیاقت سلیقے اور سگھڑاپے کی تعریف اپنی لاڈو سے کیا کرتے تھے ۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ قدر کرے گی اور خوش ہو گی لیکن اُس کا اثر اُلٹا ہوتا تھا گویا جلتے لوسے پر چھینٹے دیئے ۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ راحت دنیا میں کام کی لڑکی بنے بلکہ اُس کا بس چلتا تو اُسے آگے وسے کے خوب بگاڑتی مگر ڈاکٹر صاحب کی سمجھ اوندھ گئی تھی خُتِکَ الشَّئی یُعْمِی

وَيُصِمُّ (کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے) -
امۃ الرحیم اسی فکر میں تھی کہ کسی طرح کوئی بہانہ نکال کر اس کا پڑھنا لکھنا بند کرنا چاہیئے کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسلی - میاں سے وقتاً فوقتاً خیر خواہی جتا کر کہا تو اُنھوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ تم اس معاملے میں دخل نہ دو میں خود ہی جب مناسب سمجھوں گا اس کی تعلیم بند کر دوں گا وہ بیٹی کی ہر ایک بات پر نام دھرتی تھی - لباس ایسا پہنتی ہے میم بنی پھرتی ہے سارے دن کتاب ہے اور وہ - گھر کا سارا کام دھام مجھ پر ڈال کر الگ ہو گئی کیا مجال کہ ہل کر پانی تو پی لے - مجھ سے اپنے ہی تن بدن کی سنبھال نہیں ہو سکتی میں تین تین لوٹھوں کو کیسے سنبھالوں مردوں کے کان ہوتے ہیں آنکھیں نہیں ہوتیں ایک دن سُنا دو دن سُنا مگر کب تک بیوی کی بات کاٹتے رہتے آخر ان کے دل میں بھی سما گئی کہ ہاں بہت پڑھ چکی اب اس مہنگے سمے میں مفت کا دس روپے مہینے کا خرچ بڑھانا کیا فائدہ بات تو وہ بھی کہہ رہی ہیں - لاؤ یہ روز کا جھگڑا مٹا ہی دوں - بے چاری راحت کو خبر بھی نہ تھی اور وہ بیٹھی ہوئی کوئی کتاب دیکھ رہی تھی کہ باپ باہر سے آئے اور بیٹی کے کمرے میں گئے - راحت باپ کو آتے دیکھ کر کھڑی ہو گئی سلام کیا -

باپ - کیا پڑھ رہی ہو ؟

بیٹی - ابا جان میں اپنا سبق یاد کر رہی ہوں -

باپ - بیٹا تم اب اپنا پڑھنا لکھنا بس کرو بہت کچھ پڑھ چکیں لوگ اعتراض کرتے ہیں - میں جب دیکھتا ہوں تمہیں کتاب پر جھکا ہوا یہ بھی کوئی بات ہی کہ آدمی پڑھنے کے پیچھے دنیا کے سارے کام چھوڑ دے میں ایسے پڑھوانے سے باز آیا - مجھے بھی اب میم کا آنا ناگوار ہوتا ہی - تم نے پڑھنے لکھنے کے پیچھے گھر کا کام کاج بالکل ہی چھوڑ دیا جو عورتوں کا سب سے پہلا فرض ہی - آخر تم پہلے اسی گھر کا سارا کام کرتی تھیں یا نہیں یا اب ایسی آرام طلبی کہ سارا کام اُس بے چاری پر ڈال دیا وہ کام کرتے کرتے مری جاتی ہیں دیکھو تو کیا حال ہو گیا ہی - اول تو وہ بیمار اور کم زور غذا اُن کی کچھ رہی نہیں - میں حیران ہوں کہ وہ جیتی کیسے ہیں (آپ حیران نہ ہوں اُن کی بیماری ڈاکٹر کے باوا کے قابو کی بھی نہیں - ساری قرابادین اُلٹ ڈالیئے سوتیا ڈاہ کا علاج کہیں نہ ملے گا) بس تو بیٹا میں مس صاحبہ کو آج ہی سے الفقط کردوں گا - تم کو ایسا ہی شوق ہی تو تم گھر میں خود کتابیں پڑھ سکتی ہو - اول تو تمھیں اب ضرورت نہیں اور اگر کچھ ضرورت ہو گی تو مجھ سے پوچھ سکتی ہو -

راحت - باپ کی اس گفتگو کو سُن کر نقش بر دیوار ہو گئی - اور بڑے دردناک لہجے سے بولی ابّا جان آپ کو اختیار ہی اور اسکے سوائے بول بھی کیا سکتی تھی - مگر اس کے دل پر اس قدر صدمہ تھا کہ بیان نہیں ہو سکتا - بھلا اُس کی کیا مجال تھی جو باپ کے خلاف ایک لفظ بھی مُنہ سے نکال سکتی کیوں کہ باپ کے تیور بدلے ہوئے تھے اور وہ

سکھائے پڑھائے بھرے بھرائے آئے تھے - اس کو اپنی تعلیم کے بند ہونے کا صدمہ ماں کے صدمے کے برابر نہیں تو کم بھی نہ تھا وہ تعلیم کی بڑی شائق تھی - ماں کے بعد بہت سا وقت اُس کا اس میں صرف ہوتا تھا اور یہی اُس کی دل بستگی کا مشغلہ تھا جس سے اس کا خیال بٹا رہتا تھا لیکن اب تو تمام دن بیکار بیٹھے رہنا تھا بے شغلی سے اور بھی ماں کی یاد تازہ ہو گئی تھی اُس پر سوتیلی ماں کے اُٹھتے بیٹھتے کے کچوکے خدا کی پناہ - غرض مس صاحبہ بے چاری کا آنا جانا بند ہوا - اُن کو بھی ایک لائق شاگرد کی تعلیم کے یکایک بند ہو جانے اور اپنی محنت کے رائگاں جانے کا بڑا افسوس ہوا راحت اپنی اُستانی سے مل کر بہت روئی اور مس صاحبہ سے بھی ضبط نہ ہو سکا اُن کے بھی آنسو بے اختیار بہنے لگے - ؎

اس احوال پر حیف کھانے لگے ۔ سرشکِ محبت بہانے لگے
یہ روئیں کہ لگ گئیں ہچکیاں ۔ پڑیں غم کی باتیں جو آ درمیاں

ناظرین! کیا اس کی ماں ہوتی تو یوں اس کی تعلیم کی چلتی گاڑی میں روڑا اٹکا دیتی دیکھیے سوتیا ڈاہ کا یہ پہلا وار تھا کیسا تاک کر نشانہ مارا کہ خاتمہ ہی کر دیا ؎

قسمت تو دیکھیے کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند ۔ دو چار ہاتھ جبکہ لبِ بام رہ گیا

امۃ الرحیم نے گھی کے چراغ جلائے کہ مُنہ مانگی مراد ملی - راحت سمجھ گئی تھی کہ یہ تمام کارستانی انہیں حضرت کی ہے ورنہ ابا جان سے تو امید نہیں تھی کہ وہ تعلیم کے خلاف ہوں - ڈاکٹر صاحب راحت کو

آزردہ دیکھ دیکھ کر اپنے دل میں کُڑھتے تو ضرور تھے مگر بیوی کے ڈر کے مارے کچھ بول سکتے نہ تھے۔ فسادی ہمیشہ اسی فکر میں رہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح لڑائی جھگڑا ہو۔ ایک روز ڈاکٹر صاحب بازار سے سیدھے گھر آئے تو بیوی کو کاغذ میں لپٹی ہوئی کچھ چیزیں دیں اور خود کپڑے اُتارنے لگے بیوی نے کاغذ کھولا تو دو دوپٹے کریب کے نہایت خوب صورت تھے دیکھ کے بولیں یہ دوپٹے کس کے ہیں؟

ڈاکٹر۔ تمہارے لیئے لایا ہوں۔ خیر یہ سُن کر اطمینان ہوا۔ دوسرا کاغذ کھولا اُس میں نہایت نفیس کام کی بنی ہوئی ساڑھی ہلکے کاسنی رنگ کی تھی جس پر قدرۃً مایوسی اور بیکسی برس رہی تھی۔ قبل اس کے کہ ڈاکٹر صاحب کہتے کہ یہ راحت بدنصیب کی ہے خود ہی چیں بہ جبیں ہو کر بولیں اور یہ ساڑھی کس کی ہے؟ صاحبزادی کی ہوگی۔

ڈاکٹر۔ ہاں یہ لڑکی کی ہے اُسے ساڑھی کا بڑا شوق ہے۔

بیوی۔ یہ سن کر جل بھن گئیں اور تنک کر بولیں کہ تمہارے گھر والے کا جو دستور دیکھو نرالا ہے۔ ہم نے تو دنیا جہان میں کہیں بھی نہیں دیکھا کہ کنواری لڑکیاں ساڑھی پھڑکاتی پھریں۔ یہاں کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ خیر میں کون مجھے کوئی کیا سمجھتا ہے تمہیں اختیار ہے جو چاہے پہناؤ اُڑھاؤ ہماری بلا سے ناک کٹے گی تو تمہاری۔ تمہاری اولاد ہے اگر میری اولاد ہوتی تو میں دیکھتی کہ وہ کیسے ساڑھی پہنتی ساڑھی کو تو چولہے میں جھونک دیتی اور پہننے والی کی ٹانگیں

جُھلس دیتی۔ خدا کی قسم انھیں باتوں سے تو میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔ میکے ہیں تو یہ چونچلے بگھار لیں سُسرال میں اللہ نے بھی چاہا تو تکلے کے سے بل نکلیں گے۔ اب تو میری بات زہر لگتی ہے کہ سوتیلی ماں کا نام ہے لاکھ جتن کروں پھر بھی ناحق کا ٹوکرا سر پہ ہے۔ لیکن آگے چل کر قدر کُھلے گی اور یاد کریں گی کہ ہاں کوئی کہتی تھی۔ مجھے تو ایسا سمجھ لیا ہے کہ گویا کوئی ہے ہی نہیں۔ نہ مجھ سے صلاح نہ مشورہ پھر میری بلا دخل دے میری جوتی کو کیا غرض جوان بچوں کے معاملے میں بول کر ناحق بُری بنوں ایسا ہی انھوں نے مجھے سرفراز کر دیا ہے نا۔ اتنا کیا تو کیا انعام ملا جو اب ملے گا۔ مگر ہاں جب کوئی نام دھرتا ہے تو خواہ مخواہ بولنا ہی پڑتا ہے اور اپنا دل جلتا ہے۔

ڈاکٹر۔ نہیں تمھارا خیال غلط ہے۔ لڑکی نے مجھ سے کوئی فرمایش نہیں کی اور کرتی بھی تو میں باپ تھا وہ بیٹی کچھ بے جا نہ تھا تم تو خواہ مخواہ بگڑتی ہو۔

بیوی۔ لو صاحب حق بات کہو تو بگڑنا ہوا میری تو سیدھی بات بھی اُلٹی ہے۔ اور نام دھرنے کی جو کہو تو سارے شہر میں ڈنکا پٹ رہا ہے مگر کسی کو خیال بھی ہو کان پر جوں بھی چلے۔ ہم نے تو ایسی بد لحاظ اور دیدہ ہوائی لڑکیاں کہیں دیکھیں کیا سُنی بھی نہیں اور پڑھواؤ پڑھوانے کا نتیجہ یہی ہے جب ہی تو اگلے زمانے کے لوگ بہو بیٹیوں کو نہیں پڑھواتے تھے۔ تمھیں نے تو شہ دے دے کر پیٹ بھر کے ان کا

ستیاناس کیا اور کھوج کھویا ہو - ناؤ کس نے ڈبوئی خواجہ خضر نے
اور جب ہی تو تمھاری اولاد تجھے جوتی کی برابر سمجھتی ہو اور کیوں نہ سمجھیں
وہ تو باوا کا رُخ دیکھتے ہیں - غرض وہ آئیں تو جائیں کہاں اُن کو
تو ایک زٹ لگ گئی - باپ نے بیٹی کو بُلا کر اُس کی ساڑھی اُس کے
حوالے کی - اُنھوں نے جل کر دوپٹوں کی پوٹلی کو بھی ایک ٹھوکر رسید
کی - منشا اُن کا یہ تھا کہ ساڑھی بھی مجھے ملے بس ساری جلن اسی
کی تھی یہ ہو فرق سگی اور سوتیلی ماں میں - سگی ماں ہوتی تو اتنی ہی
خوشی ہوتی جتنی کہ یہ کلونتی جلیں - کوئی پانچ چھ دن کے بعد جب کہ
ڈاکٹر صاحب باہر تھے امۃ الرحیم نے راحت سے پوچھا کہ تمھارے
باوا جو ساڑھی لائے تھے وہ کہاں ہو -

راحت - صندوق میں رکھی ہو -

امۃ الرحیم - یہ تو میں جانتی ہوں کہ صندوق میں ہوگی باہر تھوڑی
پڑی ہوگی - اے لڑکی ہوش میں آ بات کرتی ہو یا پتھر مارتی ہو - رسان
سے بات کرنی آتی ہی نہیں اس قدر بگڑ کر کیوں جواب دیتی ہو -
کیا بات پوچھنا بھی گناہ ہو - میں نے اس میں کیا پس گھول دیا -
اللہ رے لڑکی تیرا دماغ اگر ایسی تنک مزاجی کروگی تو بس سسرال
میں تو نباہ ہوچکا - دوسرے ہی دن ڈولی واپس آجائے گی -
میں نے تو صرف اس خیال سے پوچھا تھا کہ میں بھی ویسی ہی منگواؤں گی
میں تمھاری ساڑھی کوئی کھا تھوڑی ہی لیتی -

راحت - خالہ جان میں نے تو آپ کو نہ بگڑ کر جواب دیا نہ کوئی بات کہی اور یوں آپ کا دل خفا ہونے کو چاہتا ہے تو خیر ہو لیجیئے - امۃ الرحیم - بس بس یہ جواب نہیں ہے تو کیا ہے - کیا تو مجھے جوتیاں مارے گی تیری زبان کی جوتیاں کیا کم ہیں - بٹو یہ لاڈ اپنے باوا سے کرنا میں اُن کی آدھی بات نہیں سُنتی تو تو ہے کس کھیت کی مولی - اری تو اپنے آگے کسی کو سمجھتی کیا ہے جو ہر وقت چڑھ چڑھ کے چھاتی پر سوار ہو جاتی ہے اری تو تو میری سوکن ہے یا تو ہی اس گھر میں رہے گی یا میں ہی - خدا تجھے غارت کرے - الٰہی بندی جیسا تو نے مجھے جلایا ہے ایسی ہی لہلہاتی تو دنیا سے ناشاد نامراد جائے - اچھا تیرے باوا کو تو آنے دے دیکھ تو کیسا مزہ چکھاتی ہوں کہ تو بھی یاد کرے - تو ہے کس کے بھرّاٹے پر تُو بھی جو اس بات کا فیصلہ نہ کروالوں - اے لو خدا کی شان موری کی اینٹ چوبارے چڑھی تو اپنی سیا پر لاڈ کرتی ہوگی جا اُس کا گڑا ہوا مردہ قبرستان سے اُکھاڑ لا - جھلسا لگاؤں تیرے اور اُس کے مُنہ کو اور جب تک تجھے جوتیاں نہ پٹوالوں گی میرے کلیجے میں ٹھنڈک نہ پڑے گی - اے بی امۃ الرحیم تم کو خدا کا واسطہ - ؎

لگے مُنہ بھی چڑھانے دیتے دیتے گالیاں صاحب
زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا

کیوں بن ماں کی بچی پر حق ناحق ظلم توڑ رہی ہو - ڈرو خدا سے

جس کی لاٹھی میں آواز نہیں - راحت بے چاری کا لہو خشک ہو گیا اُف نہ کی - آنکھوں پر بس چلتا تھا جھڑی لگ گئی اور ڈر رہی تھی کہ خدا خیر کرے معلوم نہیں ابا سے کیا کیا لگاتی ہے - ایک ایک کی دس دس کہہ کر بھی بس نہ کرے گی اور وہ مجھ پر قیامت توڑ ماریں گے الٰہی کیسی جان غضب میں آگئی - اماں مر ہی گئیں ناشاد نامراد نہ مرتی اس کی جوتیاں کھانی میری تقدیر میں لکھی تھیں - خیر خدا دیکھتا ہے - وہ دانائے حال ہے جیسا یہ ظلم توڑ رہی ہے - میرے اللہ تو ہی بے کسوں کا والی اور مظلوموں کی داد کو پہنچنے والا اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرنے والا ہے -

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن
اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

امۃ الرحیم غصّے میں بھری بیٹھی تھی بس نہ چلا کہ راحت کا منہ نوچ لے اور ایک دو ہتڑ ایسا کس کر لگائے کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آجائے اتنا کچھ زہر اُگلا مگر جی ٹھنڈا نہ ہوا اور پھر تن کر آن پلیں - ارے او چڑیل بڑبڑا کیا رہی ہے کیا تیری کچھ شامت آئی ہے - جوتی خور ہی لاتوں کا بھوت باتوں سے کب مانتا ہے - میں تجھ سے یہ پوچھتی ہوں کہ تو نے مجھے سمجھا کیا ہے - میں کیا تیری لونڈی یا باندی ہوں جو تو ایسا غراتی ہے - لو اور سنو - لوگو میں نے اسے کیا کہا جواب ٹسوے بہانے بیٹھی ہے - اری نامراد پیاروں پیٹی یہ پاکھنڈ باوا کے سامنے مچائیو - بس چپ خبردار جو آواز نکالی ہو گی ورنہ مجھ سے

برا کوئی نہیں ارے تو جتنی اوپر ہے اُتنی ہی نیچے ہے ایسا ہی تیرا راج پاٹ میں نے چھین لیا ہے اور تیرے باوا نے مجھے چار چاند لگا دیئے تھا میں تیری دبیل ہو کر ہرگز رہنے والی نہیں ۔ تو نے باوا کو سنگ کیوں نہ کر دیا میں کچھ خود نمنوڑی آگئی ۔ تیرے باوا نے سو خوشامدیں کیں چار پنچ سر پر ہاتھ دھر کر لائے جب میں آئی مجھے کیا خبر تھی کہ تو اس گھر کی مالک بن بیٹھی ہے ۔ بیٹیاں دنیا جہان کی دیکھی ہیں مگر تجھ جیسی شورہ پشت اور گلے دراز کے آگے میں بھی کان پکڑتی ہوں اتنے میں نثار باہر سے آیا اُس نے جو سنا کہ آج جرمن وار کا پہلا وار تھا وہ کان دبا کر اُلٹے پاؤں چلا گیا ورنہ اُس کی بھی خوب گت بنتی ۔ امۃ الرحیم نے مارے غصے کے کھانا بھی نہیں کھایا ۔ تمام دن سوجی پھولی رہی ۔ ڈاکٹر صاحب جوں ہی گھر میں گھسے تو انھوں نے دیکھا کہ بیوی الگ کونے میں منہ دیئے پھولی بیٹھی ہیں راحت کا پتہ نہیں ۔ بیوی کے پاس گئے اور پوچھا کہ اس وقت تم اندر کیوں بیٹھی ہو ؟ ۔ بیوی نے کچھ جواب نہیں دیا ۔ انھوں نے پاس جا کر پھر پوچھا تب کہیں بگڑ کر بولیں ۔ کیا کروں بیٹھوں نہیں تو جب میرا گھر ہی نہیں اور مجھے کسی بات میں دخل ہی نہیں تو میرا اس گھر میں کیا کام مجھے میرے میکے پہنچوا دو ۔ صرف تمھارا انتظار تھا کہ تم آجاؤ تو تمھارا گھر تمھیں سونپ دوں اور چلی جاؤں ۔ خدا کی قسم مجھ سے یہ بے عزتی نہیں سہی جاتی ۔

ڈاکٹر۔ آخر تم کچھ کہو تو کہ ہوا کیا؟
بیوی۔ اے ہوتا کیا جو میری تقدیر کا لکھا تھا وہ پورا ہوا۔ مجھ سے کیا پوچھتے ہو وہ کلونتی صاحبزادی تمھاری لاڈو بیٹی ہیں اُن سے پوچھو نا میں کچھ کہوں تو لوگ یہی کہیں گے کہ سوتیلے بچوں کی شکایت کرتی ہے مگر میرا خدا جانتا ہے کہ جیسا میں ان بچوں کو سمجھتی ہوں۔ مگر یہ بچے ہیں کہ کسی طرح سامان ہی میں نہیں آتے۔ کچھ بات ہو تو کہوں۔ دیکھتی کیا ہوں کہ وہ ساڑی جو تم لائے تھے اتنی تو قیمتی پڑی رل رہی ہے۔ صاحبزادی اُسے باندھنے لگیں۔ میں نے کہا بیٹی یہ چیز گھر میں پہننے کی نہیں ہے۔ ہاں کہیں بیاہ برات میں جاؤ تو شوق سے پہننا آنکھوں سُکھ کلیجے ٹھنڈک۔ لو بتلاؤ میں نے کیا بُری بات کہی تھی۔ بس اتنا کہنا میرا ظلم ہو گیا کہ لڑکی آئے تو جائے کہاں۔ بگڑ کر جواب دیا کہ ہماری چیز ہے ہمارا جب جی چاہے گا پہنیں گے تم پوچھنے والی کون؟
ڈاکٹر۔ ہاں اُس نے اگر ایسا کیا تو بے جا کیا میں اُسے جتلا دوں گا۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ جو تم رو رہی ہو۔ چلو جانے دو غصے کو تھوک ڈالو کھانا کھاؤ۔
بیوی۔ اگر مگر تو میں جانتی نہیں کیا میں جھوٹ بولتی ہوں یا اُس پر طوفان لیتی ہوں تو خدا مجھے غارت کرے۔ خدا کی قسم تم ہی انصاف سے کہو کہ مجھ اُجڑی نے کیا بُرائی کی تھی۔ میں نے یہ سوچا تھا کہ

شادی بیاہ خدا رکھے ہوگا جہیز کے وقت ایک چیز رکھی ہوئی مفت نکل آئے گی یا ہیں اپنے لیئے مانگ رہی تھی ۔ تو صاحب کر تو خدا کے غضب سے ڈرا ورنہ کر تو خدا کے غضب سے ڈر ۔ یہ بھی میری تقدیر کرتے جاؤ بھلائی اور ہو برائی ۔ مگر تمھاری بے جا حمایت نے ان بچوں کا ستیاناس کیا ہے کہ دید نہ شنید جب ہی تو یہ ایسے منہ پھٹ اور گستاخ ہو گئے ہیں کہ چھوٹا دیکھیں نہ بڑا کسی کو خاطر تلے لاتے ہی نہیں ۔ رہی میں ۔ تو میں کس شمار قطار میں اور ان کی نگاہ میں میری وقعت ہی کیا ہے ایک ماما کی برابر بھی نہیں سمجھتے ۔ نا صاحب میری گزران بچوں کے ساتھ اس گھر میں نہ ہو گی ۔ آج تو یہ بات ہے کل کو خدا جانے کیا طوفان جوڑ لیں تو بس میری تو مٹی ہی خراب ہو جائے گی ۔ اللہ بری گھڑی نہ لائے اور خدا بچائے ان کی چال بازیوں سے خدا جانے کس قماش کے بچے ہیں اور تمھارے نزدیک ان کی بات پتھر کی لکیر ہے مجھے اندیشہ ہے کہ تمھارے دل میں چغلیاں کھا کھا کر کچھ الٹی سیدھی نہ جمادیں تو میں کدھر کی رہوں گی ۔ میرے اوپر وہی کہاوت سچ ہو گی کہ دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا اس سے بہتر یہی ہے کہ میں اپنا منہ کالا کروں کہ تمھارے بچوں کے کلیجے پر کسی طرح ٹھنڈک تو پڑے ۔ راحت پاکھے سے لگی سب باتیں سن رہی تھی ۔ وہ کچھ کن سوئیوں کی غرض سے نہیں کھڑی تھی بلکہ اتفاقیہ اُدھر جا نکلی تھی جو یہ باتیں سن کر دل ہی دل میں کھول رہی تھی

اللہ رے تیرے　　　بات کو کیا پلٹا ہے کہ ان ہوئے کو بھی یقین آجائے
ڈاکٹر صاحب کے نزدیک بیوی کا کہنا وحیِ آسمانی تھا۔ بیوی کی ہاں
میں ہاں ملائے بغیر گزیر نہ تھا۔ بولے تو یہ کہ ہاں ان کی ماں کے
لاڈ نے بچوں کا ستیاناس کر دیا ہے۔ میں ضرور راحت کی خبر لوں گا۔
گو اس وقت انھوں نے بیٹی سے کچھ نہ کہا مگر دل میں بل ضرور پڑ گیا۔
پھر بیٹی کو کچھ ڈانٹ ڈپٹ کی ہو تو ہمیں خبر نہیں۔ بہر حال بیوی نے جب
ڈاکٹر صاحب سے وعدہ لے لیا اور ہاتھ جڑوا لیئے تب کہیں جا کر ان کا
غصہ دھیما پڑا اور انھوں نے بہ ہزار دشواری ٹکڑا توڑا۔ ع
نازِ براں کن کہ خریدار تست۔ غرض یہ کہ امتہ الرحیم روز ہرہ نئے نئے
شگوفے کھلاتی رہتی تھی اور راحت بدنصیب کی دشمن ہو گئی تھی۔
راحت کی نانی خالہ کبھی کبھی اس کو بلا لیا کرتی تھیں مگر اس سے کیا
ہو سکتا تھا۔ ہر وقت کا سابقہ تو اس دشمنِ جانی سے تھا۔ امتہ الرحیم
کی شادی کو برس بھی نہیں گزرنے پایا کہ ایک لڑکا بھی ہو گیا۔ گو ڈاکٹر
صاحب کے پہلے بھی دو لڑکے تھے۔ مگر وہ اترا شتحنہ مرد کی نام تھے اور
یہ کچھ اور ہی چیز تھا۔ ڈاکٹر صاحب بیوی کی خاطر سے ضرورت سے زیادہ
اس بچے کو چاہتے تھے کہ بیوی پیاری تو سالیاں اور کان پیارے
ہو رلیاں۔ راحت بھی ننھے بھائی کو بہت چاہتی تھی۔ کیوں کہ گھر میں
چھوٹا بچہ بس یہی تھا۔ اس کو اس سے محبت ہو گئی تھی۔ ہر وقت اس کی
خدمت میں لگی رہتی تھی۔ ہاتھ منہ دھلانا طرح طرح کے فراک سی کر پہنانا

یہ سب راحت کے ذمّے تھا۔ بچّے کا قاعدہ ہی کہ جو اُس سے محبت کرتا ہی اور آرام پوہنچاتا ہی اُس سے لگ جاتا ہی اور اُسی کا دم بھرتا ہی۔ یہ بچہ بھی (ظہیر احمد) راحت کو ایک دم نہیں چھوڑتا تھا۔ پہلے تو اقبال رحیم نے کچھ پروانہ کی اور غنیمت سمجھا کہ بچّے کی مفت خدمت ہو رہی ہی مگر پھر بہ تدریج اُس نے بچّے کو تڑانا شروع کر دیا۔ راحت ماں کی اس روک ٹوک سے سمجھ گئی کہ یہ زیادہ ننھے کو میرے پاس رکھنا نہیں چاہتیں وہ بھی چپ سادھ گئی۔ بچہ ابھی دس مہینے کا تھا۔ امۃ الرحیم کا ستارہ خوب چمک رہا تھا۔ گھر میں اُنھیں کا دَور دورہ تھا۔ خوب مگن تھیں دن عید رات شب برات تھی۔ مگر ہر وقت بچّوں کی جڑ کاٹنے کی نئی نئی شطرنج کی سی چالیں سوچا کرتی تھی۔ آئے دن ٹھوکے دیتی رہتی تھی کوئی بات بڑھی ہوئی ڈاکٹر صاحب کے کانوں تک سمک عرچ لگا کر پوہنچا دی ورنہ بہن دل مسل کر رکھ دیا۔ پہلا وار تو آپ سُن چکیں چلتے چلاتے ایک کارٹ کا ہاتھ اور ملاحظہ ہو۔ ڈاکٹر صاحب کا چہیتا صاحبزادہ تھلیاں رکھ رہا تھا۔ مسوڑے پھول رہے تھے دست آ رہے تھے۔ باوا ڈاکٹر تھے دست آنے کا سبب خوب جانتے تھے مگر کرتے کیا بیوی کے دامِ فریب میں بُری طرح پھنسے ہوئے تھے۔ وہ جو کہہ دیں باور، تو لے پاؤڈر تیم کیوں کہ راوی معتبر ہی کہ شک آورد بود کافر۔ بیوی موقع کی تاک میں تھی۔ موقع دیکھ کر یوں جال پھیلایا بیوی۔ دیکھنا جی ننھے کو آج آٹھ دس دن سے فسوت پاتی جیسے

دست آرہے ہیں وہ ادھیا گیا ہے مگر تم اُس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھولے سے بھی نہیں دیکھتے اور بچے کا یہ حال کہ جہاں تمھاری آواز سُنی ابا ابا کر کے گود سے نکلا پڑتا ہے تم کیسے ڈاکٹر ہو۔ تمھیں بچے کی دوا دارو کی ذرا بھی فکر نہیں اور میرا یہ حال ہے کہ ذرا اُس کے دشمنوں کی طبیعت ایسی ویسی ہوئی کہ میں دیوانی ہو جاتی ہوں۔

ڈاکٹر۔ مجھے کیا خبر تم کہو تو معلوم ہو یا یوں ہی معلوم ہو جائے۔ آخر دست کیوں آرہے ہیں غالباً دانت نکلتے ہوں گے۔

بیوی۔ دانت وانت کچھ بھی نہیں۔ صاحبزادی نے بچے کو نچا مارا ہے جاڑے کے دن اور یہ کڑاکے کی سردی صبح سویرے لے کر نکل کھڑی ہوتی ہیں۔ منع کرو تو مانتیں نہیں۔ ہوا لگ گئی سردی سے دست آرہے ہیں یہ تو اُس کی حالت دیکھتی کیا ہوں کہ صبح سویرے اُس کا مُنہ ٹھنڈے پانی سے دُھلا رہی ہیں کچھ کہہ نہیں سکتی اور تم الٰہا اللہ نہیں کہتے۔ دونوں وقت ملتے جب دیکھو بچے کو لے کھڑی ہوتی ہیں نظر گزر کا کچھ خیال نہیں۔ پڑھنے کا یہی تو نتیجہ ہے۔ اخوندجی سے جھڑوایا تھا وہ کہتے تھے کہ چھپیکا ہو گیا اور ہتیلیوں میں سے بساندھ بھی آرہی ہے ہیں تو یہ سمجھتی ہوں کہ ضرور کچھ اوپری خلل ہو گیا۔

ڈاکٹر۔ تم عورتوں کے یہی ڈھکوسلے اور توہمات ہیں۔

بیوی۔ چہ خوش تمھارے نزدیک یہ ڈھکوسلا اور وہم ہے۔ بچے کے دشمنوں کی تو دُور پار یہ حالت ہو گئی کہ ذرا سا مُنہ نکل آیا گردن ڈال دی

بالکل نڈھال ہوگیا اور تم اب بھی وہم ہی سمجھتے ہو - کیا تم کو یاد نہیں کہ چلّے کے اندر ہی اب سے دُور نیچے کو زردی ہوگئی تھی پھر جھاڑنے سے گئی یا نہیں اور کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ زردی انمت تیل کے کٹورے میں آگئی تھی - پھر ایک دفعہ اس غضب کا بخار آیا سب ہی تو دوائیں کرلیں مگر بخار نے جنبش تک نہ کھائی آخر میں نے انھیں اخوندجی کا تعویذ پلایا پلیتے (فتیلے) کی دھونی دی بچے نے آنکھیں کھول دیں جب سے اُن کا گنڈا پڑا ہے اللہ کا فضل ہے - اللہ کے کلام میں بڑا اثر ہے - تم نئی روشنی والوں کا تو ایمان ڈانواڈول ہے - دیکھتے جاتے ہیں اور قائل نہیں ہوتے - لڑکے کے باپ خود ڈاکٹر تھے اُن کو چاہیئے تھا کہ تشخیصِ مرض کرتے کچھ دوا دیتے مگر ڈر گئے اور بیوی کی ہاں میں ہاں ملانے لگے درحقیقت بچے کے دانت دستوں ہی کے سہارے نکل رہے تھے مگر اُنھوں نے حق ناحق بیٹی کو ٹین کر رکھ دیا اڑے ڈرے قاضی کے سر پڑے - غرض اسی طرح بیٹی لبے چارہی پر دوسہرا وار کیا اور یہ دوسہرا وار کیا ایسے ایسے وار خدا جانے کتنے ہوگئے ہم کہاں تک لکھ کر ناظرین کی سمع خراشی کریں - امۃ الرحیم رات دن میاں کے کان کھائے جاتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح تم راحت کی شادی کر دو - اب ڈاکٹر صاحب کو بھی کچھ خیال پیدا ہوگیا تھا - مگر کوئی ڈھنگ کی بات نہ آتی تھی - امۃ الرحیم چند روز کے لیئے اپنے بھائی کی شادی میں

میکے گئیں۔ راحت بھی کھڑے کھڑے گئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے بیوی کو بُلا بھیجا کہ اُن کو جا کر ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ (اوہو ایک ہفتہ یعنی سات دن اَللہُ اَکبر!) مگر بیوی نے کہلا بھیجا کہ ابھی چالے بھی نہیں ہوئے ہیں ان سے فراغت پا لوں تو آؤں گی کیوں کہ پھر گھڑی گھڑی آنا جانا چھوٹے بچے کے ساتھ دشوار معلوم دیتا ہے ڈاکٹر صاحب بیوی کے آگے کیا دم مار سکتے تھے چُپ ہو گئے۔

باب (۱۰) - ڈاکٹر صاحب چل بسے

یہ ہیں سامان سارے ہیچ بر حق ہے مگر مرنا ٭ تجھے جنگل میں رہنا ہے تجھے گھر بار کیا کرنا

پیر پیر آٹھ پیر پندرہ منگل سولھاں بُدھ سترہ دن ہونے آئے کہ بی امۃ الرحیم نے گھر کا رخ نہ کیا۔ بھائی کی شادی کسی طرح ختم نہ ہوئی۔ کچھ لڑائی جھگڑا نہ تھا جو ناراض ہو کر جا بیٹھی ہوں۔ مگر ویسے ہی بے پروائی تھی۔ بیچ میں دو مرتبہ ڈاکٹر صاحب نے بلا بھیجا تو اُنھوں نے وہی چالوں کا عذر کر کے جان چھڑائی۔ جاڑے کا موسم تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے صبح غسل کیا کھانا کھایا تمام دن گھر میں رہے کیوں کہ کچھ طبیعت کسل مند تھی۔ رات کو کھانا بھی نہیں کھایا بات گئی گزری ہوئی۔ رات کو ڈاکٹر صاحب رفع حاجت کو اُٹھے جوں ہی صحن میں پہنچے فوراً فالج کا اثر ہو گیا اور بے چارے کھڑے قد سے وہیں گر پڑے۔ راحت کی آنکھ باپ کے اُٹھنے سے

کھل گئی تھی وہ یہ دھماکا سن گھبرا کر اٹھی صحن میں جا کر دیکھا تو باپ بے خبر زمین پر پڑے ہیں۔ فوراً لالٹین لے کر دوڑی باپ کو دیکھا اور بہتیرا پکارا مگر جواب ندارد وہ سمجھی کہ شاید چکر آ گیا اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جلدی سے دونوں بھائیوں اور ماما کو جگایا۔ غرض سب نے مل کر ڈنڈا ڈولی کر کے اُن کو بہ ہزار دقت کمرے میں لا کر لٹایا۔ لحاف اڑھایا انگیٹھیاں دہکائیں تب کہیں جا کر ڈاکٹر صاحب کے اوسان آئے۔ مگر بولا نہیں جاتا تھا۔ راحت گھبرا گھبرا کر جھنجوڑتی تھی کہ ابا جان بولیئے وہ بہتیری کوشش کرتے مگر زبان یاری نہ دیتی تھی۔ بڑی مشکل سے ایک لفظ "فالج" کا اُن کے مُنہ سے نکلا۔ زبان موٹی پڑ گئی تھی۔ بائیں طرف کا ہاتھ اور ٹانگ دونوں رہ گئے تھے۔ باپ کی یہ حالت دیکھ کر بچے بے چارے گھبرا گئے۔ آدھی رات کا وقت اُس وقت ڈاکٹر کہاں۔ تینوں بہن بھائی تمام رات باپ کی پٹی کے پاس بیٹھے رہے۔ رات بڑی مصیبت سے کٹی۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی نثار صبح سویرے ہی ڈاکٹر کو بلا لایا اور سوتیلی ماں کو کہلا بھیجا کہ جلد آؤ ابا جان پر فالج گرا ہے۔ ڈاکٹر نے مریض کو دیکھا اور نسخہ لکھ دیا ہوا سے بچانے اور گرم رکھنے کی تاکید کر کے چلتا ہوا۔ جمیل الرحمن بھی داماد کی عیادت کو ڈاکٹر کے سامنے ہی آ گئے تھے۔ اُنھوں نے ڈاکٹر کو الگ لے جا کر پوچھا کہ کیسی حالت ہے کچھ خطرناک تو نہیں ہے؟

ڈاکٹر۔ بائیں طرف کا فالج ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے ہم کچھ کہہ نہیں سکتے۔

جمیل الرحمن۔ بچے نہ تھے فالج کے کئی مریض دیکھ چکے تھے وہ سمجھ گئے جو

سمجھنا چاہیئے تھا۔ امتہ الرحیم بھی اپنی ماں بہن کے ساتھ دوڑی آئیں۔ میاں کو جاکر دیکھا تو بے ہوش بہت جھنجوڑا تو آنکھیں کھول دیں۔ مگر زبان بند کچھ اشارے سے کہا لیکن سمجھ میں نہ آیا۔ ڈاکٹر جو کچھ دوائیں اور ترکیبیں بتا گیا تھا سب ہی کچھ کیا۔ مگر موت کا علاج ناممکن ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی اتنی ہی عمر تھی بے چارے بستر مرگ پر بے سُدھ پڑے تھے ایک لفظ زبان سے نہ اُٹھا جاتا تھا۔ افسوس اب یہ گھر بالکل بے چراغ ہوا جاتا ہے۔ رات کے گیارہ بجے ڈاکٹر صاحب نے اس دنیائے ناپائدار کو خیرباد کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آہ راحت!۔ تیری بے قراری کیوں کر لکھی جائے۔ ماں کا غم ابھی تازہ تھا کہ باپ بھی سدھارے تجھ بدنصیب کو کس پر چھوڑ گئے۔ قلم کا جگر شق ہوا جاتا ہے۔ باپ کے صدمے نے اسے بالکل ہی بلکھو دیا۔ باپ کے پلنگ کے سرہانے تمام شب بیٹھی قرآن شریف پڑھتی رہی۔ روتے روتے آنکھیں اُلٹ گئیں مگر رونا نہ تھمتا تھا۔ نثار اور مشتاق اپنی جان کھوئے دیتے تھے۔ امتہ الرحیم بھی اپنی جوانی اور رنڈاپے کو رو رہی تھیں۔ وہ چوڑیاں جو ابھی بھائی کی شادی میں پہنی تھیں میلی بھی نہ ہوئی تھیں اور بھرے بھرے ہاتھ، توڑی گئیں۔ صبح ہوتے ہی تمام عزیز و اقارب جمع ہوئے۔ راحت کی نانی خالہ بھی آئیں میت کو طیار کر کرا آخری دیدار کے لیے سب کو بلایا۔ راحت باپ کی میت سے چمٹ گئی اور کسی طرح الگ نہ ہوتی تھی۔ اُس کا زخمی دل بھٹا جاتا تھا۔ آہ باپ کا صدمہ کیسا

صدمہ تھا خدا دشمن کو بھی نہ دکھلائے۔ اب دنیا میں راحت کا کوئی رفیق نہ رہا۔ سب مطلب کے ساتھی تھے۔ وہ اپنے دونوں رفیقوں کو جنگل بیابان میں سُلا چکی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے انتقال کا افسوس سب کو تھا۔ آدمی ملنسار اور خلیق اور شہر کے سربرآوردہ ڈاکٹروں میں تھے وہ اپنی ذات سے بہت شریف اور نیک نہاد شخص اور سب کے ہمدرد تھے ؏ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔ مگر آہ موت کسی کو چھوڑنے والی نہیں اس کے آگے ہمدرد اور بے درد سب یکساں ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو اُس قبرستان میں جس میں اُن کی پہلی بیوی مدفون تھیں بیوی کے پہلو میں قدم شریف میں دفن کیا گیا کیونکہ ان لوگوں کی ہڑواڑ یہیں تھی۔ پھول فاتحہ تک تو لوگ رنج وغم میں مبتلا رہے مگر بعد میں پھر سب کو اپنے اپنے حقوں بخروں کی پڑی۔ وہ سب لوگ کون تھے یہی بس کی گانٹھ سرمایہ شر وفساد بی امۃ الرحیم بیگم اُس نے چُرا چھپا کر بھی جس قدر ممکن ہو سکا سامان تیر کیا اور سارا گھر خالی کر دیا۔ یہ بیوی نہ تھی گھر کو گھونس لگی تھی اور پھر طرفہ یہ کہ حق دار کی حق دار بنی رہی بد نصیب راحت نے دل میں ٹھان لیا تھا کہ تقسیم ترکہ پر میں ہرگز جھگڑا نہ کروں گی کیونکہ جب میرے وارث ہی اُٹھ گئے تو سب بے کار ہے۔ اب تو جس طرح مجھ کو رکھا جائے گا رہوں گی ہو رہا تھ اُٹھائی روٹی ٹکڑا جو میری تقدیر کا ہے کھاؤں گی۔ راحت کے دل پر ایسا صدمہ تھا کہ کسی سے بولتی چالتی بھی نہ تھی۔ بس گم سُم اور دہم تھی ہر وقت غم کی پُتلی

بنی بیٹھی رہتی تھی۔ امۃ الرحیم نے دنیا کی شرما شرمی عدّت کی مدّت مشکل سے کاٹی۔ عدّت کا ختم ہونا تھا کہ گویا قید سے رہائی پائی اُسی دن اپنے میکے چلی گئیں۔

باب (۱۱)۔ سوتیلی ماں کا ترکۂ شوہری پر جھگڑا

اتنی بھی بد دماغی ہر لحظہ حضرتِ من　　پرخاش ہر زمیں سے جھگڑا ہے آسماں سے

امۃ الرحیم نے میکے جاتے ہی اپنے باپ کو راحت کے ماموں کے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ میرا آٹھواں حصّہ اور بچے کا حصّہ سب کا فیصلہ کر دو۔ راحت نے چلتے وقت سوتیلی ماں کی بہت منت کی کہ خالہ جان آپ نہ جائیں۔ اور اگر جاتی ہیں تو جلدی آجائیں آخر مجھ کو کس پر چھوڑ کر جاتی ہیں مگر اُس سنگ دل کا دل نہ پسیجا وہ بھلا کب ٹکنے والی تھی۔ وہ تو اپنا اور بچے کا حصّہ لینے پر تلی بیٹھی تھی۔ جہیز تو کیا خاک لائی تھیں اور جو کچھ تھا وہ لے لوا ہی چکی تھیں۔ راحت کے پاس نانی اور خالہ ہی تھیں قصّہ مختصر کل جائداد اور سامان کے پانچ حصّے کیے گئے۔ دُہرا تینوں بیٹوں کا اکہرا راحت کا اور آٹھواں بیوی کا۔ مہر کا یہ فیصلہ ہوا کہ زیور جو ڈاکٹر صاحب نے اپنی زندگی میں بنوا کر دیا تھا وہ ایک ہزار سے زیادہ کا تھا اور خدا بخشے وہ مر گئے ہمیں بھی مرنا ہے اُنھوں نے بیوی کے مہر ہی میں بنوا دیا تھا مگر خدا بے ایمانی کا مُنہ کالا کرے امۃ الرحیم اس سے بالکل نالوٹ ہو گئی اور کہا کہ وہ تو اُنھوں نے یوں ہی بنوا دیا تھا

اگر مہر ہیں دیتے تو ضرور تھا کہ نکاح کا کاغذ پھاڑ دیا جاتا لو دیکھو یہ کاغذ موجود ہے ۔ بے چارے ڈاکٹر صاحب بھولے بھالے آدمی تھے وہ ان کے چھل بٹوں سے کب واقف تھے وہ کیا جانتے تھے کہ میں یوں مر جاؤں گا اور بیوی ایمان نگل جائے گی دنوں تک آپس میں جھگڑا چلتا رہا اور امتہ الرحیم اس درجے بپھری کہ معاذ اللہ اُس نے صاف کہہ دیا کہ مجھ دکھیا بیوہ کا حق مارنا چاہتے ہو تو سہی جو عدالت سے نہ لیا ہو میں تو اینٹ سے اینٹ بجادوں گی وہ ہیں کس گھمنڈ میں اگر تم لوگ سیدھی طرح نہیں دیتے تو عدالت سے تو بیچ کھیت دھر لوں گی ۔ ذرا کان کھول رکھیں یہ انگریزی راج ہے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگا ۔ خدا بخشے میرے والد صوبہ دار صاحب مرحوم کو ڈاکٹر صاحب کے بچوں سے بہت ہمدردی تھی کیوں کہ ڈاکٹر صاحب سے گہرا دوستانہ تھا جب اُنھوں نے یہ سُنا کہ بیوی عدالت کچہری پر تُلی ہوئی ہیں تو ابا جان مرحوم نے مولوی ابراہیم صاحب کو جو اُن کے دوست اور پیر بھائی تھے بلایا اور ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ کا تمام قصہ سُنایا اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ یہ معاملہ دو چار آدمیوں ہی میں فیصل ہو جائے کیوں کہ اگر عدالت کچہری ہوئی تو یہ سب جائداد برباد ہو جائے گی اور بدنامی الگ ہوگی پیچھے دانے دانے کو محتاج ہو جائیں گے ۔ ڈاکٹر صاحب کا لڑکا مختار روزانہ میرے پاس آتا ہے اور بے حد پریشان ہے آخر بچہ ہی ہے ۔ مولوی ابراہیم صاحب سے بھی ڈاکٹر صاحب کا دوستانہ تھا اُنھوں نے نہایت ہمدردی سے ابا جان کی رائے سے اتفاق کیا اور کہا کہ ہاں میں بھی یہی چاہتا ہوں

بہت بہتر ہے کہ یہ معاملہ آپس میں طے ہو جائے - چنانچہ نثار کے ماموں کو بھی بلا کر سمجھایا بجھایا اُن کے مزاج میں کچھ شر و فساد تو تھا ہی نہیں وہ بیچارے کہنے لگے کہ جو چار آدمی کہہ دیں خواہ اُس میں ہمارا نقصان ہی ہو ہمیں منظور - غرض ایک دن مقرر کر کے جمیل الرحمن کو بلا بھیجا وہ بھی دو چار آدمی اپنے ساتھ لے آئے - ادھر ابا جان مع مولوی صاحب اور دو چار محلے والوں کے ڈاکٹر صاحب کے مکان پر گئے - مولوی صاحب نے پہلے تمام جائداد اور نقد روپیہ کا شرعی حصہ کیا اور پھر گھر کے سامان میں سے سب کو دیا یہاں تک کہ بیچارے ڈاکٹر صاحب کے دواخانے کی شیشیاں بھی حصوں میں تقسیم کی گئیں اور مہر کا فیصلہ یوں کیا کہ آدھا روپیہ تم کو نقد اب دیا جاتا ہے اور آدھا زیور سے وضع کر لو - بڑی مشکل سے وہ راضی ہوئیں تب خدا خدا کر کے ان سب کے حصے بخرے ہوئے - امۃ الرحیم اپنا اور اپنے بچے کا حصہ لے لوا چلتی بنی اتفاق سے تھوڑے روز بعد وہ بچہ بھی گود خالی کر گیا اور اماں جان اُس کے حصے کی بھی مالک بن بیٹھیں - راحت سے ایک دن بھائیوں نے برسبیل تذکرہ کہا کہ بھائی کے حصے میں ہمارا بھی تو حق ہے میں نے مولوی صاحب سے دریافت کیا تھا - راحت نے جواب دیا کہ میں جانتی ہوں کہ شرعاً اور قانوناً بھائی کے حصے میں ہمارا حصہ ہے مگر وہ ایسی عورت نہیں کہ ٹھنڈے پیٹوں ہمیں پکڑا دے گی وہ تلے کی زمین اوپر کر دے گی اگر عدالت کچہری کی تو پھر وہی مشکل ہے جو پہلے تھی مجھے منظور نہیں جو کچھ

تم کو ملا ہے اسی پر قناعت کرو اور خدا پر بھروسہ رکھو جب اماں باوا ہی نہ رہے تو دولت تو چلتی پھرتی چھاؤں ہے یہ کس کے پاس ٹکی ہے جو ہمارے پاس رہے گی۔ لعنت کرو۔ گوشتِ خر دندانِ سگ۔ ہمیں اُن لوگوں کا مشکور ہونا چاہیئے جنھوں نے عدالت میں یہ معاملہ نہ جانے دیا اور گھر پر ہی توڑ جوڑ کر دیا۔ اب میں تم سے یہ منت کہتی ہوں کہ اس جھگڑے کو پھر نہ نکالو اور اگر تم کو دولت کی ایسی ہی طمع ہے تو میں خوشی سے اپنا حصہ تمھیں دیتی ہوں۔ نثار بہن کی یہ گفتگو سُن کر خاموش ہو گیا اور تھوڑی دیر بعد بولا کہ آپا تم اماں کی جگہ ہو جو تمھاری مرضی سو ہماری جیسا تم کہو ہمیں منظور۔ واقعی تمھارا کہنا درست ہے کہ جب ابا جان اور اماں جان ہی نہ رہے تو پھر اس دولت کو لے کر کیا ہم چاٹیں گے۔ راحت کا دل بھر آیا اور وہ اپنے رفیقوں کو یاد کر کے دیر تک زار زار روتی رہی۔ امۃ الرحیم سے ملنا جلنا ختم ہو چکا تھا کیوں کہ اب واسطہ ہی کیا رہا تھا اُنھوں نے برس کے اندر ہی اندر اپنا نکاح بھی کر لیا اور اب ہمیں خبر نہیں کہ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں نہ ہمیں ضرورت کہ اُن کی پرچول کریں۔ ڈاکٹر صاحب کے انتقال کو ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ راحت بدنصیب کی شادی کی تجویزیں ہونے لگیں۔ نانی خالہ ماموں سب اسی فکر میں تھے۔ ایک روز جمعے کے دن راحت کے ماموں نمازِ جمعہ پڑھ کر آئے اور اپنی ماں سے کہا کہ اماں جان مجھے راحت کی شادی

کے متعلق آپ سے گفتگو کرنی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے ایک دوست نے آج جامع مسجد میں مجھ سے ذکر کیا تھا۔ امیر بیگم نے کہا کہ اچھا میں عصر کی نماز پڑھ لوں تو سنتی ہوں۔

باب (۱۲)۔ راحت کی شادی

بس ہجوم ناامیدی خاک میں مل جائے گی ٭ یہ جو اک لذت ہماری سعیٔ لاحاصل میں ہے

عصر کی نماز پڑھ کر امیر بیگم بیٹے کے پاس آکر بیٹھیں اور نسبت ناتے کے بارے میں پوچھنے لگیں۔ بیٹے نے کہا آج نماز جمعہ کے بعد مجھ سے **محمد اسمٰعیل** صاحب نے راحت کے لیئے ایک ذکر کیا۔ خدا بخشے وہ ہمارے بہنوئی سے بھی خوب واقف ہیں۔ کوئی شخص **منور علی** سررشتہ دار **سیتارام** کے بازار کے رہنے والے ہیں اُن کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ لڑکیاں دونوں بیاہی ہوئی ہیں مگر لڑکے تینوں کنوارے ہیں۔ بڑا لڑکا **کبیر علی** اسکول میں ماسٹر ہے اور پچاس روپیئے ماہوار تنخواہ پاتا ہے۔ چال چلن سب لوگ اچھا بتاتے ہیں ذات کے سید ہیں بہ ظاہر لڑکا اچھا ہے اور اُن لوگوں کی زیادہ خواہش بھی ہے۔

امیر بیگم۔ اور وہ دونوں بھائی کیا کرتے ہیں؟

بیٹا۔ وہ دونوں کچھ ایسے ہی ہیں۔ باپ نے بہتیرا لکھایا پڑھایا مگر نہ پڑھنا تھا نہ پڑھے اب شاید کچھ کام وغیرہ کرتے ہیں۔ بیٹے کا نام سن کر بڑی بی نے کان کھڑے کیئے۔

بڑی بی۔ تم بیٹیہ دونوں میں لڑکی دے دوگے بابا۔

لڑکا - اول تو پیشہ کوئی عیب نہیں اور رسم و رواج کے لحاظ سے عیب سمجھو تو کوئی ایسا ذلیل پیشہ نہیں - ایک کسی بساطی کی دُکان پر بیٹھتا ہے دوسرا زردوز ہے اور جس سے ہمارا معاملہ پڑنے والا ہے وہ تو بے داغ ہے - ہمیں سارے کُنبے سے کیا مطلب -

ماں - بیٹا کہیں یہ حضرت بھی کچھ رنگ نہ لائیں - یہ مانا کہ اس وقت برسرِ روزگار ہیں مگر جب دو بھائی ایسے نکل گئے تو کیا عجب ہے کہ یہ بھی ان ہی جیسے ہو جائیں تو بڑی مشکل کا سامنا ہوگا -

بیٹا - اے اماں جان آپ بھی خوب باتیں کرتی ہیں وہ خدا کے فضل سے پڑھا لکھا نوکر ہے بھائیوں کی صورت سے بیزار پھر کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ خود اُن کے سے رنگ ڈھنگ اختیار کرے - میری رائے میں بات اچھی ہے اب ہمیں ہرگز دیر نہ کرنی چاہیئے دوست دشمن کا ساتھ ہے سوتیلی ماں اب بھی اپنی بُرائی سے باز نہیں آتیں خدشہ ہے کہ کہیں بھانجی نہ مار دیں -

ماں - اچھا تو اُن کے ہاں سے باقاعدہ رقعہ تو آئے تو پھر تم لڑکے کو دیکھ لو اور جو کچھ کہنا سننا ہے کہہ سُن لینا - میں عورت ذات گھر کے اندر بیٹھی بیٹھی کیا کر سکتی ہوں دیکھنا دکھانا تمھارا ہے اور اگر چھاتی ٹھکے تو بسم اللہ کرو - مجھے بھی جلدی ہے کہ کسی طرح اس لڑکی کے فرض سے فراغت ہو جاؤں - بڑی بی یہ کہہ کر آنکھوں میں آنسو بھر لائیں بیٹی کی یاد نے پریشان کر دیا اور یہ کہہ کر اُٹھ کھڑی ہوئیں

کہا کہ مجھے بھی تو سناؤ کیا لکھا ہے بیٹے نے رقعہ پڑھ دیا اُس
میں باپ دادا کا نام ذات لڑکے کی عمر ملازمت تنخواہ وغیرہ لکھی تھی
کہ اتنے میں خالہ آئیں اُنھوں نے بھی سُنا دو چار روز میں پوچھ گچھ
کر کے اطمینان کر لیا غرض سب کی صلاح سے بات پکی ہو گئی۔ ماں
باپ کی سی لگی والا دنیا کے پردے پر کوئی نہیں ہوتا یہاں سر سے
یہ معاملہ ہی نہ تھا۔ نانی ماموں گو عزیز تھے مگر پھر وہی بات ماں باپ
کی سی چاہت کہاں۔ مختصر یہ کہ بات ٹھیر ٹھیرا گئی اور ایک مہینے بعد
وداع کی تاریخ قرار پا گئی۔ راحت کی ماں کے وقت کا سامان اتنا
تھا کہ دو بیٹیوں کے جہیز کو کافی ہوتا مگر جب سے بی امۃ الرحیم کا قدم
آیا گھر صاف ہوتا گیا اور خیر و برکت اُڑ گئی۔ امیر بیگم نے راحت کے
جہیز کے لیئے کچھ سامان کرنا چاہا روپیہ جو کچھ نقد حصوں میں آیا تھا اُس
میں سے ایک سال میں آدھے سے زیادہ کھانے پینے میں خرچ
ہو گیا تھا۔ راحت کے حصے کا باقی روپیہ جہیز میں صرف ہونے لگا۔
وہ ایسا تھا ہی کتنا جو سب سامان کے لیئے کافی ہوتا گہنا پاتا جو کچھ بھی
تھا وہ بے جوڑ غرض عجب مشکل میں جان تھی۔ راحت بڑی سمجھ دار
تھی وہ چاہتی تھی جو کچھ بھی ہو اسی زیور اور نقد روپیہ میں لگ لپٹ کر
کر کرا دیں ایسا نہ ہو کہ قرض وام کی نوبت آئے اور یہ ڈھنڈا لا بھی نیک
لگ جائے۔ ایسی مارے باندھے کی شادی کی راحت کو کیا خوشی ہو سکتی
تھی ہاں فرض ادا ہوتا تھا اچھی طرح ہو یا بُری طرح ہو رہا تھا۔

کہ خدا اس یتیم بچی کا وارث ہے۔ ہفتے کے دن راحت کے ماموں (عبدالرشید) محمد اسمٰعیل کے پاس گئے اور کہا کہ آپ اُن کی نام نویسی کا رقعہ بھجوا دیں تو ہم پوچھ گچھ لیں اگر نصیب میں ہے تو پھر کیا مضائقہ ہے۔ محمد اسمٰعیل نے منور علی سررشتہ دار سے کہا وہ تو ان کی جان کھا ہی رہے تھے موقع کو غنیمت جانا اور پیر کے روز اپنے گھر کی ماما کے ہاتھ رقعہ بھیج دیا۔ ماما کریمن اجنبی مکان اور اوپری لوگوں کے سبب سے مکان میں تو نہیں گھسی بلکہ گلی میں کھڑی پوچھ رہی تھی کہ بھائی دیکھنا ڈاکٹر صاحب کا مکان یوہی ہے نا؟ - ایک راہ رو "ہاں بڑی بی یہی ہے"۔ عبدالرشید جو اندر کے دالان میں بیٹھے ہوئے اسی معاملے کا ذکر اپنی ماں سے کر رہے تھے کُنڈی کھٹکھٹانے کی آواز سے چونک کر بولے کون ہے؟ آ گے آؤ۔ کریمن اندر آئی اور سامنے آن کر آداب کیا اپنا پتہ بتایا۔ عبدالرشید نے رقعہ لے لیا اور کریمن کو بیٹھنے کو کہا۔ امیر بیگم دوڑی ہوئی نواسی کے کمرے میں گئیں اور راحت سے کہا کہ بیٹا باہر مت آنا جب تک میں آواز نہ دوں۔ راحت دو چار روز سے یہ بھنبھنی سُن رہی تھی بے چاری چپکی کمرے میں بیٹھی رہی۔ امیر بیگم نے کریمن کو پان دیا اور اِدھر اُدھر کی دو چار باتیں بھی کیں۔ عبدالرشید نے رقعہ دیکھ لیا اور کہا کہ اچھا بی تم جاؤ ہمارا سلام کہہ دینا رقعہ کا جواب بعد میں بھیج دیں گے۔ کریمن کے چلے جانے کے بعد ماں نے بیٹے سے

لیکن کھانے چاٹنے والے بہت بُرے ہوتے ہیں وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یتیم کا مال کھانا سخت گناہ ہے۔ ایک دُکان کے جس میں تینوں بہن بھائی حصّے دار تھے کوڑے کر ڈالے۔ نانی نے راحت سے کہا کہ روپیہ نہیں ہے اس لیئے ایک دُکان بیچ ڈالنی چاہیئے کیوں کہ آخر بیاہ کے لیئے خرچ کہاں سے آئے گا؟۔ راحت نے نانی کی بات سُن کر شرم سے گردن جھکالی اور دل ہی دل میں غور کرنے لگی کہ کیا کروں گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔ اگر کچھ کہتی سُنتی اور اُونچ نیچ سمجھاتی ہوں تو نانی کہیں گی کہ لڑکی کیسی بے شرم ہے وہ پہلے ہی لکھنے پڑھنے کو نام دھرتی ہیں اور پڑھی لکھی لڑکیوں کو نظرِ حقارت سے دیکھتی ہیں پھر تو اُن کا یہ خیال اور بھی سچ ہو جائے گا۔ پھر سوچنے لگی اگر خاموش رہتی ہوں تو دُکان بے فائدہ نکل جائے گی۔ ہمارے ہاں کی رسمیں عجیب ہیں کہ جائداد غارت کی جائے مگر بیٹے بیٹی کا بیاہ دھوم سے ہو۔ میں اس کے سخت خلاف ہوں اُس نے دل پکا کر کے کہا کہ دُکان کے بیچنے سے کچھ فائدہ نہیں وہ ابا جان کی نشانی ہے دوسرے اُس سے ہم لوگوں کو آیندہ فائدہ پونہچے گا۔ اُس کے کرائے سے بھائیوں کی تعلیم میں مدد ملے گی۔ نانی بیٹا یہ تمھارا کہنا سچ ہے مگر مجبوری کو کیا کیا جائے پیسے کا کام تو پیسے ہی سے نکلتا ہے۔ ماموں نے الگ اُودھم مچائی کہ بی ہم سے بن روپئے پیسے کے بیاہ نہیں ہو سکتا ہماری ناک کٹ جائے گی۔ مال جائداد آخر اسی واسطے

ہوتا ہے کہ اڑے وقت میں کام آئے یہ بھی کوئی بات ہے کہ لڑکی کو ننگی بُچی دھکیل دیا جائے لوگوں کو کہنے کا موقع ملے کہ بن ماں باپ کی بچی کو نانی ماموں نے دھکا دے دیا۔ غرض راحت لاکھ بہ جد ہوئی کہ خدا کے لیئے پُرانی رسموں کی پابندی نہ کرو اور پُرانی لکیر کے فقیر مت بنو مگر اُس بے چاری کی کسی نے نہ سُنی نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سُنتا ہے دُکان بکنی تھی سو بک بکا ٹھکانے لگ گئی دُکان کی قیمت میں سے دونوں بھائیوں کا روپیہ تو جمع کرا دیا رہا راحت کا وہ اُٹھنا شروع ہوا۔ شادی کیا تھی ماتم تھا۔ راحت کی آنکھ کا آنسو نہ تھمتا تھا ہر وقت اسے اپنے والدین کی اُلجھن تھی بیچاری ہمیشہ کُنبے رشتے ملنے جُلنے والیوں کے بیاہ برات کے اکثر کپڑے سی دیا کرتی تھی مگر افسوس کہ اس کے وقت پر کسی نے آکر تا بھی نہ کی کوئی کُنبے والا کسی وجہ سے ناراض ہے کوئی کسی وجہ سے غرض کُنبے کا کُنبہ فرنٹ ہو گیا ؎

ہر دم آزردگیِ غیر سبب را چہ علاج
ما ز لطفِ تو گزشتیم غضب را چہ علاج

کوئی پوچھے ارے خود غرضوں اس میں راحت غریب کا کیا قصور؟ وہ بے زبان ایک قیدی ہے دوسروں کے ہاتھ میں گرفتار رفتارِ زمانہ کی پابند ہے نہ خود مختار۔ اگر تم لوگوں کو کوئی شکایت اور رنج ہے تو اُس کے بزرگوں سے نہ اُس غریب سے اُس کی کُنجی دوسروں کے ہاتھ میں ہے جیسا کھیل چاہتے ہیں اُٹھاتے بٹھاتے ہیں۔ مگر یہ کون سوچتا تھا۔ دن

رہ گئے تھوڑے اُس پر راحت اکیلی کوئی دوسرا مددگار نہیں بے چاری
تمام دن بیٹی پر روتی اور اپنی بدنصیبی بیکسی پر زار زار روتی تھی۔ خیر گھر
کا کام جو اُس غریب کے کرنے کا تھا وہ جوں توں کر کے کر ہی لیا کرتی تھی
مگر باہر کا جو کام تھا اُس کا خدا ہی حافظ تھا۔ بھائی چھوٹے چھوٹے
دوسرے طالب علم وقت کم ملتا تھا لے دے کے ایک ماموں کا دم
تھا سو وہ بھی بُوڑھے رہیں نانی اول تو عورت ذات اور پھر ستری بہتری
یہ بے چاری مُنہ سے تو کچھ نہ کہتی تھیں مگر دل ہی دل میں کُھلی جاتی تھیں
یہ چاہتی تھیں کہ ہر ایک چیز حساب سے آئے اور جو کام ہو سلیقے اور
کفایت سے ہو لیکن یہاں وہ بات کہاں مالِ مفت دلِ بے رحم۔
راحت کے مُنہ پر مہرِ خاموشی لگی ہوئی تھی مگر دل میں ایسی اُلجھن تھی
کہ کچھ کہا نہیں جاتا۔ جو کسی نے خدا واسطے کر کرا دیا اُسی کو غنیمت
جانا۔ ماں کے بعد راحت کو جو صدمہ ہوا تھا وہ باپ نے آدھا بٹا رکھا
تھا۔ اب باپ کے انتقال سے راحت بالکل مردہ ہو گئی مُٹر مُٹر ایک ایک
کا مُنہ تکتی تھی اور رہ جاتی تھی

۵

دل آشفتگاں خالِ کنجِ دہن کے　　سویدا میں سیرِ عدم دیکھتے ہیں
تماشہ گر اے محوِ آئینہ داری　　تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں

ایک روز راحت کی سہیلی میمونہ آنکلی اور راحت کو نہایت متفکر دیکھ کر
کہا کہ بہن کیا بات ہے جو تم ایسی چُپ چُپ ہو۔ میں دیکھتی ہوں تو وہ
اگلی سی بات ہی نہیں خدارا کچھ مُنہ سے بولو کہ تمہارے دل کا حال
معلوم ہو یوں گھٹنے سے کیا فائدہ آدمی کچھ کہے سُنے تو اُس کے دل کی

بھر اس نکلے یہ ہر وقت کی اُداسی کیا معنی ہے؟ دنیا میں سدا کسی کے ماں باپ نہ جیئے ہیں نہ جیئیں گے۔ مرنا برحق ہے۔ آخر کوئی اللہ میاں سے لڑائی ہے۔ اب تو تمھاری شادی ہو رہی ہے تمھیں تو خوش ہونا چاہیئے۔ میں نے اللہ کی قسم جب سے سُنا ہے کئی دفعہ ارادہ کیا کہ آن کر مبارک باد دوں اور مٹھائی کھاؤں مگر فرصت ہی نہیں ہوئی لو چلو ہنسو بولو اور مجھے بتاؤ کہاں ٹھیری کب تک ہے؟ ہم تو خوشی کے مارے یہاں تک آ گئے اور تم نے مُنہ سی لیا۔ راحت ایک بُت تھی جس میں حس و حرکت تک نہ تھی۔

میمونہ ۔ اے بہن! خدا کے لیئے مُنہ سے بولو ہاں تم ہمیں کیوں بتانے لگیں ہم تو دشمن ہیں تب ہی تو چھپاتی ہو اور اگر شرم کی کہو تو بہن شرم کی بھی ایک حد ہے ہمجولیوں سے کیا شرم میں تو تمھاری سہیلی بھی بڑی گہری سہیلی ہوں۔ پڑھی لکھی سمجھدار لڑکیوں کو اتنی شرم۔ توبہ۔

راحت ۔ پیاری میمونہ تم میری سہیلی ہو اور مجھ سے ہمیشہ سے سگی بہنوں کی سی محبت کرتی ہو۔ کیا تمھیں مناسب ہے کہ میرے زخمی دل میں نشتر چبھوؤ۔ نہیں۔ بلکہ تمھیں چاہیئے کہ تم میری ہمدردی اور دلجوئی کرو۔ وہ باتیں جو تم مجھ سے ابھی کر چکی ہو اور تمھارے خیال میں وہ خوش کُن اور پژمردہ دل کی کلی کی کھلانے والی ہیں۔ میں تم سے سچ کہتی ہوں کہ میرے لیئے بہت زیادہ رنج دہ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مجھے تمھاری ایسی باتوں پر تعجب ہوتا ہے۔ کیوں کہ جب دل رنجیدہ ہے تو خوشی کیسی؟ وہ بات ہی کون سی ہے جو میں تم سے چھپاؤں جو کچھ تقدیر

کا لکھا ہے تم دیکھ لینا ہفتے عشرے میں ہو جائے گا۔ ۹

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اب رہا تمھارا یہ اعتراض کہ تعلیم یافتہ لڑکیوں کو اتنی شرم نہیں چاہیئے سو اول تو میں تعلیم یافتہ نہیں جو تمھارے خیال کے موافق شرم نہ کروں اور تعلیم یافتہ لڑکیوں پر جو تمھارا اعتراض ہے وہ بھی ٹھیک نہیں کیا تعلیم نے اُن کو بے حیائی کا جامہ پہنا دیا ہے۔ نہیں کبھی نہیں۔ بلکہ تعلیم یافتہ لڑکیاں وہ شرم کرتی ہیں جو کہ دراصل شرم کی بات ہے نہ کہ جاہل لڑکیوں کی طرح۔ میں نے اپنے ننھیال میں اکثر شادی بیاہ کے موقع پر جب کہ اماں جان حیات تھیں ایسی لڑکیوں کو دیکھا ہے جو شادی بیاہ کے معاملے میں بے ضرورت دخل در معقولات دیتی اور پٹر پٹر بولی جاتی ہیں اور پھر شرم قائم اور جس بات میں شرم نہ کرنی چاہیئے اُس میں گہری شرم مثلاً کسی بڑی بوڑھی نے کسی لڑکی سے اُس کا نام پوچھا اُس نے تین چار مسکوڑے لے کر کسی برابر والی عورت کی بغل میں مُنہ چھپا لیا اور جواب ندارد۔ ان پڑھ جاہل دیکھنے والیوں نے اس کا نام شرم رکھ دیا ہے مگر میرے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی بدتمیزی ہی نہیں۔ برعکس اس کے ایک تعلیم یافتہ لڑکی سے اگر کوئی بات پوچھی جائے وہ فوراً اُس کا معقول جواب دے گی اور ادب لحاظ سے بات کرے گی پڑھی لکھی لڑکیوں کی بد شرمی جو کہو وہ بس یہی ہے۔ تم ہی انصاف سے

کہو کہ کون غلطی پر ہے - ایسی بیہودہ شرم جس کے جاہل لوگ پیرو ہیں خدا اُنھیں کو مبارک کرے یہاں کوئی اس کا خواہاں نہیں - میرے نزدیک وہ شرم نہیں ہے بلکہ بیہودگی اور بد تہذیبی ہے - پھر تمھارا یہ سوال کہ شادی سے لڑکیوں کو خوش ہونا چاہیئے اس لیئے میں بھی خوشی کا اظہار کر دوں معاف کرنا اور بُرا نہ ماننا یہ بھی ایک بے تکی سی بات ہے - شادی بیاہ کچھ بچّوں کا کھیل نہیں - سمجھ داروں کے لیئے ایک بڑا کٹھن مرحلہ ہے - ایک اجنبی سے سابقہ پڑنے والا ہے - اندھیری کوٹھڑی کا معاملہ ہے خدا جانے کیا افتاد پڑے کیا نہ پڑے یہ بڑی ذمّے داری کا کام ہے - شاید لڑکیاں شادی سے یوں زیادہ خوش ہوتی ہوں گی کہ گہنا پاتا خوب ملے گا جھم جھم کے کپڑے پہنیں گے دُلہن بنیں گے مہندی لگے گی ہاتھ شیرمال کے ٹکرے بنیں گے - عطر پھُلیل سرمہ مِسّی کاجل کی بہار اسی چند روزہ لیل و نہار اور عارضی آؤ بھگت پر ریجھ گئی ہیں تو تُف ہے اُن کی اس سمجھ پر - بس یہ تصوّر اُن کو خوش کیئے رہتا ہے - میرے خیال سے یہ ساری ناسمجھی اور بیوقوفی کے لچھن ہیں - وہ لڑکیاں جو دل میں یہ خیال کر کے شادی کے لیئے خوش ہوتی ہیں کاش آنے والے وقت کے متعلق چند باتیں سوچیں تو خوشی تو درکنار بحرِ تفکر میں غرق ہو جائیں اور سر نہ اُٹھائیں اپنے عزیز و اقارب کا یک لخت چھوٹنا نئے گھر میں جانا جہاں کے لوگوں سے بالکل ناواقفیت - خانہ داری کا بوجھ سنبھالنا ساس نندوں کی طعن و تشنیع

رہا نہیں اور وہ تھا ہی کون سا بڑا کام قریب قریب سب تیار ہی۔ ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اتنے میں راحت کی نانی آئیں۔ میمونہ اپنی جگہ سے ذرا پرے ہٹ کر بیٹھ گئی۔ امیر بیگم نے راحت کی شادی کی تاریخ سنائی اور یہ کہا کہ اتوار کو ضرور آجانا۔ بیٹا شادی کیا ہی یہ تو ایک خدا کا فرض ادا کرنا ہی یہ کہہ کر بڑی بی کا دل بھر آیا۔ راحت میں بھلا اتنا ضبط کہاں تھا کہ کسی کو روتا دیکھ کر یہ نہ روئے غرض نانی نواسیاں خوب روئیں۔ امیر بیگم باہر چلی آئیں۔ پھر تھوڑی دیر تک دونوں سہیلوں میں ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ شام کو میمونہ کھانا وانا کھا کر اپنے گھر چلی گئی اور راحت مُنہ لپیٹ پڑ رہی۔ دو دن بات کی بات میں ہوا ہو گئے ؎

صبح ہوتی ہی شام ہوتی ہی
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہی

یہ شادی کچھ شادی کی طرح نہیں ہو رہی تھی جو دنوں پہلے سے ڈومنیاں سُہاگ گھوڑیاں گاتیں لڑکی کو مائیوں بٹھاتے یہاں تو سانچق بھی اُڑا دی۔ اتوار کے دن عصر مغرب کے درمیان دس بیس سمد صنیں آئیں اور کوئی اسی قدر مرد غرض نکاح ہوگیا میمونہ آج صبح کی آئی ہوئی تھی راحت کی اور دو چار رشتے ناتے والیاں بھی موجود تھیں سب نے رل ملا کر دلہن بنایا راحت کے دل پر اس وقت بے حد صدمہ تھا کبھی ماں کی تصویر سامنے آن کر کھڑی ہوتی تھی اور کبھی باپ کی۔ امیر بیگم نے نواسی کے سر پر ہاتھ رکھا اور پیار کیا بہت کچھ تسلی تشفی کرتی رہیں اور کہا کہ "بیٹا اطاعت میں کسر او رخدمت میں کمی نہ ہو بڈھی نانی کی درخواست خالی نہ جائے اس

شوہر کی اطاعت و خدمت گزاری اور مزاج دانی - بچوں کی پرورش ہزارہا قسم کے جھنجھٹ انسان کی جان کو لگے ہوئے ہیں جن سے کسی وقت فراغ حاصل نہ ہوگا -

زندگی ہے یا کہ اک طوفان ہے　　ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

اب تم ہی بتاؤ کہ یہ خوش ہونے اور بغلیں بجانے کا موقعہ ہے یا اُس اہم ذمہ داری کے تصور سے جو سر پڑنے والی ہے خداوندِ عالم سے نہایت عاجزی سے دعا کرنے کا۔ نیّا موری منجھدھار کرو بیڑا تمھیں پار

میمونہ - پیاری راحت تم تو بڑی سمجھ دار ہو۔ بہن واقعی جو کچھ باتیں تم نے کہیں سب ہی دل کو لگتی ہیں - مگر کیا کریں کہ زمانے کا دستور اور رواج اسی طرح چلا آتا ہے -

راحت - بہن آج میں تمھاری باتوں میں ایسی لگی نانی اماں سوزنیاں دے گئی تھیں کہ مشین میں بخیہ کر دو وہ بھی بھول گئی -

میمونہ - بہن جو کچھ سینے پرونے کو ہو مجھے دے دو آخر تم اکیلی کہاں تک کرو گی - ہاں یہ سچ ہے کہ تمھارے مطلب کا نہیں سلنے کا نہ تم جیسا مجھے آتا ہے -

راحت - نہیں یہ بات نہیں میں کس سے کہتی کہ میمونہ کو کچھ بھیج دو سوائے نانی اماں کے کوئی بات کرنے والا نہیں اور اُن سے میں کہہ نہ سکتی تھی - تمھاری بڑی مہربانی ہے مجھ کو تم سے یہی توقع ہے اب تو کچھ

سفید جوڑے کی شرم اب تمھارے ہاتھ ہے۔ ظلم پر ظلم ہو ستم پر ستم ٹوٹیں مگر زبان سے شکایت اور لب سے اُف نہ نکلے تمھاری پالکی آگئی بسم اللہ کرو لو سوار ہو خدا تمھارا حافظ و نگہبان ہے"۔ نانی یہ نصیحت کر رہی تھیں اور راحت کی ہچکی بندھی ہوئی تھی۔ آخر اُسی حالت میں روتی دھوتی کو دولھا نے اُٹھا پالکی میں بٹھا دیا۔ میکا ہمیشہ ہمیشہ کو چھوٹا نئی دنیا میں چلیں۔ یہ وقت بھی کیسا نازک ہوتا ہے کہ غیروں کے کلیجے پھٹنے لگتے ہیں۔ شادیاں سب کی ہوتی آئی ہیں اور ہوتی رہیں گی مگر راحت کی شادی عجب شادی تھی۔ جس کو دیکھو رنجیدہ و مغموم۔ کیوں کہ لڑکی کی نہ ماں تھی نہ باپ دونوں اس کی شادی کا ارمان قبر میں لے گئے اس لیئے شادی میں کچھ چہل پہل نہ تھی۔ بلا کسی قسم کی ریت رسم کے لڑکی کو رخصت کرنا تھا کر دیا۔ شکر ہے کہ خدا ہی نے اس فرض سے سبک دوش کیا۔ اللہ وہاں اچھی گزارے اور خدا کرے کہ دونوں میں سازگاری ہو۔

آج منور علی صاحب سر رشتہ دار کے ہاں مہمان ٹھسا ٹھس بھرے ہوئے ہیں گھر میں اندر باہر تل دھرنے کی جگہ نہیں۔ دُلہن کی رونمائی ہو رہی ہے سب لوگ دُلہن کے دیکھنے کو لوٹے پڑتے ہیں۔ پہلے خسر صاحب نے بہو کا مُنہ دیکھا اور پچاس روپیئے رونمائی کے دے کر چلے گئے بہو کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد سب نے یکے بعد دیگرے دُلہن کو دیکھا اور حسبِ حیثیت دُلہن کو قریبی رشتہ داروں نے کوئی رقم چڑھائی کسی نے روپیئے دیئے۔ ابھی تھوڑا ہی دن چڑھا تھا کہ راحت کی

دو چار بہنیں لینے کو آ گئیں۔ چوں کہ اُس روز ولیمہ تھا اس لیئے دیر سے دُلہن میکے گئی۔

باب (۱۳) میاں بیوی کا حُسنِ سلوک

ہم بھی رکھتے ہیں وہ دل مول نہیں ہے جس کا
پھر خریدار کی دیکھیں تو نظر کتنی ہے

سب لوگ ہنسی خوشی رہنے لگے راحت کے رنج میں اب کسی قدر کمی ہوئی۔ کیوں کہ اب اُس کو اور ہی قسم کا فکر ہو گیا۔ ساس بہو کو بہت چاہتی تھیں۔ راحت کا سلیقہ کچھ چھپا ہوا نہ تھا اُس نے اُس گھر کو جو کوڑے کرکٹ کا گودام تھا صاف کر کرا چندن کر دیا۔ راحت کا شوہر (کبیر علی) بیوی سے بہت خوش تھا اور کیوں نہ خوش ہو جب ایسی بیوی ملے جو صورت اور سیرت دونوں میں لاجواب ہو۔ اُس نے کوٹھے پر ایک کمرہ اپنی نشست کے لیئے تیار کر رکھا تھا اب اُسی میں راحت بھی رہنے لگی۔ راحت نے اپنے سلیقے سے اُس مختصر سے کمرے کو خوب سجا لیا تھا۔ ایک کمرے کو تین حصّوں میں تقسیم کیا بیچ میں دو پردے چھلّوں کے لگا رکھے تھے ایک طرف پلنگ تھا بیچ والے حصّے میں اُٹھنا بیٹھنا آخری کونے میں کچھ مختصر سا ضروری سامان تھا اور اُسی میں کھانا بھی کھاتے تھے۔ تمام کمرہ قطعات اور طرح طرح کی چیزوں سے سجا ہوا تھا۔ یہ بڑی سلیقے مند لڑکی تھی کچھ نہ کچھ بناتی سنوارتی ہی رہتی تھی۔ پھولوں کے گملے بھی کمرے کے باہر لگا رکھے تھے غرض وہ کمرہ کبیر علی کے وقت میں تھا ضرور

مگر پہلے میاں کا سلیقہ تھا اور اب بیوی کا جس میں آسمان زمین کا فرق تھا۔ کبیر علی کوارپتے میں تو زیادہ باہر ہی کی بیٹھک میں بیٹھتے تھے۔ اور اب بیش تر اسی کمرے میں رہنے لگے اور کیوں نہ رہتے جب کہ گھر میں آتے ہی بیوی کے سلیقے اور اُس کی بے ریا محبت کو دیکھ کر ساری کوفت رفع اور دل باغ باغ ہو جاتا تھا۔ راحت تو واقعی سامانِ راحت ہی نکلی۔ بیوی ہو تو ایسی کہ چار دن میں میاں کو لٹو کر لیا اور واقعی بات بھی یہ تھی کہ وہ ہر وقت اسی کوشش میں لگی رہتی تھی کہ جس طرح بھی بن پڑے ان کو مجھ سے آرام پہنچے کوئی بات بھول کر بھی شوہر کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ اُن کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے اور جس بیوی کا ایسا خیال ہو پھر اُس کا شوہر کیوں نہ نہال ہو۔ نتیجہ اس کا یہ تھا کہ میاں بھی بیوی پہ سو جان سے فدا اور قربان تھا۔ غرض دونوں ایک دوسرے پر شمع اور پروانہ تھے۔ اور درحقیقت شادی ہی بھی اسی کا نام ورنہ وہ کیا شادی ہوئی کہ میاں حیران بیوی پریشان۔ کبیر علی بھی بہت نیک مزاج شخص تھا وہ بیوی کا دل ہاتھ میں لیئے رہتا تھا اور بیوی اُس سے زیادہ سمجھ دار تھی کہ میاں کے اشاروں پر چلتی تھی۔ بہو نے ساس کے دل میں اپنی فرماں برداری اور اطاعت شعاری سے وہ جگہ پیدا کی تھی کہ بڑی بی کو بڑا سہارا ہو گیا وہ بھی بوجہ سن و سال گھر کے جھمیلوں سے اُکتا گئی تھیں سارا گھر بار بہو کے سپرد کر آپ خدا کے رستے لگ گئیں۔ یوں تو جس دن سے راحت کا گھونگٹ اُٹھا اُس نے گھر کے کام کاج میں

ہاتھ بٹانا شروع کر دیا اور اب تو راحت کو خانہ داری کا تمام بوجھ سنبھالنا
پڑا اُس نے اپنے شوہر کی اس تھوڑی سی تنخواہ میں وہ سلیقہ کیا جو دیکھنے والوں
کے لیئے ایک نہایت عمدہ نمونہ تھا۔ راحت شوہر کے ایک ایک پیسے کی قدر
ایک ایک اشرفی کی برابر کرتی تھی۔ وہ خدا نہ کرے کچھ بھو کے گھر کی نہ تھی
اُس کا باپ خود ذی مقدرت تھا اور جائیداد بھی تھی مگر وہ باپ کا پیسہ تھا
اور یہ میاں کا۔ وہ فضول خرچ یا زبان کی چٹوری نہ تھی جس میں پیسہ
صرف ہوتا بلکہ جہاں تک ممکن ہوتا تھا گھر کے خرچ میں سے کتر بیونت
کر کے ہمیشہ کچھ نہ کچھ جمع کرتی تھی اور اُس سے گھر کی دوسری چیزیں خریدتی
تھی۔ بھلا پچاس روپیئے میں اس مہنگے سمے میں کیا ہوتا ہی مگر واہ رے
سلیقہ ہم نے ہمیشہ اُسے اِسی میں نہال نہال دیکھا۔ جب دیکھو میاں
کا خیال اور اُس کی رضا جوئی اور خوشنودی اس کی زندگی کا مقصد تھا
کبیر علی پہلے تو بڑا اخراج اور جھلا تھا مگر بیوی نے کچھ ایسا نرم کر دیا تھا کہ
لوگ اس کا یا پلٹ سے سخت متحیر تھے۔ اُس نے بیوی کی ہر ایک بات پر غور
کیا تو اُس میں اُس ہی کا فائدہ نکلا چنانچہ کان باندھا غلام بن گیا اور
جو بیوی کہتی وہی کرتا۔ باہر کا پھرنا" یار دوستوں کی ناکارہ صحبت میں اُٹھنا
بیٹھنا" ناچ رنگ تماشے سیر سپاٹا سب یک قلم چھوڑ دیا آپ بھلے اپنا
گھر بھلا۔ کوئی کام بغیر بیوی کی صلاح کے نہ کرتا تھا۔ راحت کے دل میں
شادی سے قبل جو خیالات تھے وہ اب بالکل جاتے رہے۔ کیوں کہ
اُس کا پالا ایک ایسے شخص سے پڑا تھا جو ہمہ وقت اُس کو خوش رکھنے کی

کوشش کرتا تھا۔ واقعی اگر شادی کے بعد زن وشو میں اتفاق اور محبت نہیں تو زندگی تلخ ہے اور وہ شادی شادی نہیں بلکہ خانہ بربادی ہے۔ ہم نے نہیں سُنا کہ راحت نے اپنے مَیکے یا ملنے جُلنے والیوں میں اپنے شوہر کی کبھی شکایت کی ہو کیوں کہ اُسے کوئی شکایت کا موقع ہی نہ تھا۔ راحت کی ہمجولیاں اس کو خوش وخرم دیکھ کر تعجب کرتی تھیں اس وجہ سے کہ وہ سب کی سب اپنے شوہروں کی بدسلوکی کی شاکی تھیں اب یہ خدا جانے کہ قصور کس کا تھا اور برسرِ خطا کون اور جب راحت اپنے شوہر کی تعریف کرتی تھی تو سب سہیلیاں ایک زبان ہو کر کہتی تھیں کہ بہن تمہاری قسمت اچھی تھی جو ایسے فرشتہ خصلت شخص سے پلّا بندھا ورنہ مرد تو بہت کر کے بڑے کٹر ہوتے ہیں ہم میں سے کوئی بھی خوش نہیں۔ ہر ایک کو سیکڑوں قسم کی تکلیفیں اور شکایتیں ہیں کوئی میاں کی بدمزاجی سے تنگ تھی تو کسی کو ساس نندوں نے ناک چنے چبوا دیئے تھے۔ کسی کا میاں آوارہ تھا۔ بیوی کی طرف بھول کر بھی رُخ نہ کرتا تھا کسی نے میکے میں بٹھا دیا تھا اُلٹ کر خبر نہ لیتا تھا کہ جیتی ہے یا مرگئی کسی نے سوکن لا بٹھائی تھی۔ کوئی نکھٹو تھا تو کسی نے بیوی کا تار تار بیچ کھایا تھا۔ غرض جس کو دیکھو داغی اور شاکی ایک بھی ایسی نہ نکلی جو نکھ سے سُکھ ہو۔

راحت۔ ہاں میں جانتی ہوں کہ مردوں کے مظالم واقعی بہت بڑھ گئے ہیں۔ اور وہ عورتوں کو محکوم بنا کر رکھنا اپنا باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ ایک تم کیا سیکڑوں ہماری بے زبان بہنیں ان کے دستِ ظلم سے پامال

اور اُن کی زندگی وبال ہو مگر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہو کہ اللہ نے اس بندی کو ان تکلیفوں سے بچایا۔ غرض یہ کہ راحت کا گھر جنت کا نمونہ تھا۔ لڑائی جھگڑا فساد و عناد گلہ شکوہ اُن کی چار دیواری سے کوسوں دور تھا۔ کبھی کسی کو ایک دوسرے سے شکایت نہ ہوئی۔ ہمیشہ ایک دوسرے کے سچے ہمدرد اور خیر خواہ رہے۔ جو ان کا ظاہر تھا وہی ان کا باطن۔ یہی وجہ تھی کہ راحت کا دل ہل گیا تھا۔ یہ چاہت کی بھوکی تھی خدا نے اسے چاہنے والا شوہر دیا اور اگر خدانخواستہ میاں بھی کوئی جلانے والا ملتا تو یہ دکھیا توبن موت مرجاتی۔ شک نہیں کہ اس خوش گوار زندگی کا دار و مدار شوہر کی جبلّی نیک طینتی تھی مگر ان صفات میں ترقی دینا اور ان کو مستقل بنانا یہ کام راحت ہی کا تھا۔ سمجھ دار عورتیں بگڑے ہوئے شوہروں کو شیشے میں اُتار لیتی ہیں نا سمجھ بھلے چنگے مرد کو ضد دلا کر بنا بنایا کام بگاڑ دیتی ہیں۔

باب (۱۴)۔ راحت کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اور مر گیا

جب کوئی دنیا میں آیا ہنس کے بولی اُس سے موت
اور لو وہ چار دن کے مہماں پیدا ہوئے

راحت کی ساس (شہزادہ بیگم) کو پوتے کا بڑا ارمان تھا۔ چوں کہ راحت کی شادی کو تیسرا برس لگ گیا تھا اس لیئے بڑی بی کو سخت تلملی تھی۔ کہیں بہو کے تعویذ گنڈے باندھتی تھیں منّت مرادوں کا کچھ

ٹھکانا ہی نہ تھا۔ غرض باؤلی ہوتی ہے جس نے جو بتایا کیا سارے جہان
کی خاک چھان ماری تلے کی زمیں اوپر کر دی آئے دن کچھ نہ کچھ ٹونے
ٹوٹکے چلے ہی جاتے تھے۔ راحت گو ان فضول باتوں کی معتقد نہ تھی
مگر ساس کے لحاظ سے کچھ کہہ بھی نہ سکتی تھی۔ خدا خدا کر کے ساس کی
مراد بر آئی یعنی راحت کے ہاں کچھ امید ہوئی ساس خوشی کے مارے
پھولی نہ سماتی تھیں۔ راحت چوں کہ اوپر کے مکان میں رہتی تھی اس
لیئے ساس نے کہا کہ ہر وقت کوٹھے کا اُترنا چڑھنا اچھا نہیں تم نیچے
سامنے والے دالان میں آجاؤ۔ پہلے تو راحت نے یہ کہہ کر ساس کو
ٹال دیا کہ ابھی کیا جلدی ہے آجاؤں گی مگر ساس کے زیادہ اصرار سے
اُس نے بھی مناسب سمجھا کہ نیچے اُتر آؤں چنانچہ ایک روز اُس نے
میاں سے کہا کہ "اماں جان مجھ سے نیچے دالان میں رہنے کو کہتی ہیں
مجھے آپ کا زیادہ خیال ہے کیوں کہ نیچے بال بچے تمام دن گھر میں اودھم
مچاتے رہتے ہیں آپ کو تکلیف ہوگی آپ زیادہ وقت اسی کمرے میں
گذاریں تو اچھا ہو تھوڑی دیر کے لیئے نیچے بھی آگئے"۔

میاں۔ اچھا جو تم مناسب سمجھو کرو بے شک بچوں کے غل سے میرا
جی گھبراتا ہے۔ غرض راحت نے اپنا اُٹھنا بیٹھنا زیادہ تر نیچے کر رکھا تھا
ساس کو پل پل کی خوشی لگی ہوئی تھی خدا خدا کر کے ساتھ خیر کے نوماسے
کی رسم ادا کی گئی پنجیری بنی گود بھری گئی۔ راحت کے میکے میں سوائے
نانی خالہ کے کون تھا وہی آگئیں اور جو کچھ نوماسے کا سامان میکے سے

آتا ہو امیر بیگم اپنے ساتھ لائیں ۔ راحت پاؤں بھیر نے میکے گئی اور وہاں جاکر چھٹی کا مختصر سامان خود کیا ۔ راحت کا بھائی نثار انٹرنس پاس کرکے کمیٹی میں پینتالیس روپیے کا نوکر ہوگیا تھا اُس نے بہن کی چھٹی کے لیئے جس جس چیز کی ضرورت تھی پوری کردی ۔ راحت چند روز رہ کر سسرال آگئی ۔ کوئی ایک ہفتہ نہ گزرا تھا کہ ایک دن تیسرے پہر سے کچھ علامات شروع ہوئیں ۔ ساس تاڑ گئیں اور فوراً راحت کی نانی خالہ کو بلوایا ۔ بہو کے کمرے میں اُس کا چھپر کھٹ بچھاکر تمام ضروری سامان درست کردیا ۔ امیر بیگم مع اپنی چھوٹی بیٹی وزیر بیگم کے آن موجود ہوئیں ۔ اب دائیوں کا جھگڑا مچا کہ زچہ خانہ ہندوستانی طریقے سے ہو یا انگریزی ۔ عورتوں میں ایک کھلبلی مچی ہوئی تھی اور راحت کی جان پر بنی ہوئی تھی مگر ساس کی سمجھ میں کوئی دائی نہیں آئی ۔ کبیر علی کی رائے تھی کہ لیڈی ڈاکٹر آنی چاہیئے یا کم سے کم کوئی نرس مگر ماں ہیں کہ اپنے سامنے کسی کی چلنے نہیں دیتیں ۔ آخر جب بڑی دیر ہوگئی اور کوئی رائے قرار نہ پائی تو راحت کی خالہ نے جل کر کہا کہ "بی سمدھن ! بچی ہلکان ہوئی جاتی ہے اور آپ لوگوں کی بحث ختم نہیں ہوتی میں اپنی دائی کو بلواتی ہوں ، وہ نہایت تجربہ کار ہے اور راحت خود اُسی کے ہاتھ کی ہے ہمارے تمام خاندان میں وہی آتی ہے۔"

ساس ۔ اے وہ کون سی دائی ہے نام تو لو ؟ ۔

وزیر بیگم ۔ پتلی والی حفیظن اعظم خاں کی حویلی میں رہتی ہے میں ابھی ماما ظہور ان کو بھیج کر بلوائے لیتی ہوں یہ کام پہلے کے ہوتے ہیں وقت کے وقت ہم نے ایسی اودھم کہیں نہیں سنی ۔ وزیر بیگم نے

ظہورن کو فوراً حفیظن کے پاس بھیجا وہ دم کے دم میں آگئی۔ تھی تو
وہ دائی مگر بڑے ٹھسّے کی تھی اور تھی بھی بہت ہوشیار غرض جوں توں
کر کے سر مغرب بچہ ہوا تب کہیں اوسان آئے۔ کبیر علی دروازے سے
لگے کھڑے تھے کہ بچّے کے "ہواں ہواں" رونے کی آواز آئی ابھی یہ
معلوم نہیں ہوا کہ لڑکا پیدا ہوا یا لڑکی سب دائی سے پوچھ رہے تھے
ارے بی کہو تو کیا ہوا ہے؟

دائی۔ اے بی ہوا کیا وہی لڑکی۔ دائیوں کا قاعدہ ہے کہ قدر بڑھانے
کو پہلے وہ لڑکے کو بھی لڑکی ہی کہہ دیتی ہیں پھر ذرا انتظار کرا کے لڑکے
کا مژدہ سناتی ہیں تو اس میں اور ہی کچھ بات ہوتی ہے یہ ترکیب اس واسطے
نکالی ہے کہ خوشی اور زیادہ ہو۔ راحت کی ساس نے کہا کہ بی حفیظن سچ
کہو کیا ہوا ہے؟

حفیظن۔ بیگم صاحب خدا رکھے پوتا! لائیے سونے کے کڑے پہنائیے
شہزادہ پوتے کا نام سن کر اُچھل پڑیں اور لگیں اوپر کی سٹر پٹر کرنے
لڑکے کے باوا کو لوگ مبارک باد دینے دوڑے اُن کی بھی باچھیں کھل
گئیں۔ ہاں کیوں نہ کھلیں کہ اولاد ہوتی ہی ایسی نعمت ہے اور پھر بیٹا تو
گھر کا چراغ کہلاتا ہے۔ اب تک کسی نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا اب
لوگوں کی جان میں جان آئی اور اوسان بجا ہوئے۔ شہزادہ بیگم نے
سب کو کھانا کھلوایا کبیر علی بھی گھر سے باہر نکلے رستے میں جو ملتا ہے
لڑکا ہوا لاؤ یار مٹھائی کھلواؤ۔ بھلا ایسی خبر کہیں چھپتی ہے ہونٹوں نکلی

کوٹھوں چڑھی ۔ لڑکے کو نہلا دھلا دادی کی گود میں دیا ۔ مبارک
سلامت ہونے لگی دادا خوش خوش لمبے لمبے ڈگ مارتے آئے
بچے کے کان میں اذان دی ۔ راحت کا دانہ پانی بند تھا ۔ ہندوستانی
علاج میں زچہ کو دو روز تک کچھ کھانے کو نہیں دیتے جس سے وہ
بے چاری اور بھی زیادہ کمزور ہو جاتی ہے ۔ ڈاکٹری علاج میں یہ بات
نہیں وہ فوراً دودھ وغیرہ پلا دیتے ہیں ۔ صبح کو پان بتاشے بٹنے لگے
مہترانی رات ہی ہیجڑے بھانڈوں کو کہہ آئی تھی پھر کیا تھا صبح سویرے
سے ٹولیوں کی ٹولیاں آنی شروع ہو گئیں ۔ دوسرے دن زچہ کو
بھی اچھوانی ملی اور چھٹی کی طیاریاں ہونے لگیں ۔ ساتویں دن چھٹی
نہلائی گئی ۔ گودبیٹ کو جمع کر لیا خاصی چھوٹی سی شادی رچ گئی ۔ عقیقے
کے دن بچے کا نام دادا نے **ظہیر علی** رکھا ۔ بچہ ماشاء اللہ چشم بد دور
خاصہ پیارا پیارا تھا ۔ راحت کی حالت اب خوشی اور غمی کی ملی جلی تھی
ماں باپ کی یاد آتی تھی تو کلیجہ پھٹا جاتا تھا جب بچے کی مٹکنا سی موہنی
صورت دیکھتی تھی تو بے اختیار پیار آتا اور چہرے پر بشاشت دوڑ جاتی
تھی ۔ راحت کی نانی سوا مہینے تک راحت کے پاس رہیں اور بڑا چلّا
نہلا کر اپنے ساتھ لے گئیں ۔ راحت نانی کے ہاں ایک ہفتہ رہ کر سسرال
چلی آئی ۔ بچے کی صحت ایسی اچھی تھی کہ دو مہینے کا بچہ چار مہینے کا معلوم
دیتا تھا ۔ راحت بچے کو دیکھ دیکھ کر باغ باغ ہوتی تھی ۔ کبیر علی بھی بچے
کا عاشق تھا ۔ ننھا ظہیر دس مہینے کا تھا کئی دن سے قبض تھا گھٹی ولی

دی دلائی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا بخار بھی ہوگیا بچے نے دودھ نہ دبایا اور بے سُدھ پڑ گیا راحت گود میں لیے سخت پریشان بیٹھی تھی کہ یا الٰہی کیا کروں کیا نہ کروں مجھے تو ننھے بچوں کا علاج ولاج کچھ آتا نہیں - آخر اُس کی ایک چیخ نکل گئی ساس فوراً دوڑی ہوئی آئیں کہ خیر خیر کیا ہوا - پوتے کو دیکھا اُنھوں نے فوراً اُس کے گلے کا کرتہ اُتار کر جلا دیا اور راحت سے کہا کہ اسے مغلی گُھٹ کہتے ہیں یہ بچوں کو اکثر ہو جاتا ہی کچھ گھبرانے کی بات نہیں اور جھٹ سے ایک رضائی میں بچے کو دبکا دیا - راحت کا رنگ فق ہوا جاتا تھا ماںمتا لوٹی لوٹی پھر رہی تھی - ساس نے بہو کو بہت سمجھایا کہ گھبراؤ نہیں اللہ فضل کرے گا - راحت نے یہ بیماری اس سے پہلے کبھی دیکھی نہ تھی - کبیر علی باہر سے آئے بیوی کو پریشان دیکھ کر پوچھا کیوں خیر تو ہی بچہ کیسا ہی کچھ بخار ہلکا ہوا ؟

راحت - کوئی بھی نہیں - اچھی دیکھنا خدا کے واسطے کسی ڈاکٹر کو بلواؤ میرا کلیجہ بیٹھا جاتا ہی - ای میرے اللہ تیرے صدقے جاؤں میرے ننھے کو تو تن درست کر دے - کبیر علی نے آگے بڑھ کر دیکھا بچہ بخار میں لوتھ پڑا تھا بار بار تشنج کا دورہ اُٹھ رہا تھا - آنکھیں دھنس گئی تھیں - سانس بھی بہت بڑھ گیا تھا پسلیاں پھڑک رہی تھیں - کبیر علی ویسے ہی اُلٹے پاؤں پھرے اور فوراً برسے ڈاکٹر کو بُلا لائے - اُس نے آلہ لگا کر دیکھا ننھی سی جان کو (۱۰۴) درجے کا بخار اور شُش بھی ماؤف - ڈاکٹر دیکھ کر کچھ چپکا سا ہو گیا - دواخانے سے جا کر اُس نے کچھ عرق اور ٹڑیاں پلانے کی اور مالش کے لیئے تیل بھیج دیا - دوا ڈاکٹر کی ہدایت کے موافق

پلادی اور تیل مل سینک کر رُوئی باندھ دیا۔ ساری رات گھر میں پلکوں میں کٹی۔ بچے کا سانس گھڑی بہ گھڑی بگڑتا ہی گیا۔ گلے میں گنڈا اور تختی ڈالی فلیتے کی دھونی دی خرگوش کا خون بھی پلایا۔ جو جس نے بتایا سب ہی کچھ کیا۔ دوا اور دعا دونوں موت کے سامنے بے اثر تھیں۔ بچے نے صبح نہ پکڑی اور ماں ہی کی گود میں دم دے دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ساس نے بہو کی گود سے بچے کو لے کر پلنگ پر لٹایا۔ راحت بالکل پتھر ہو گئی اُف تک نہ کی مگر دل کا اللہ ہی مالک تھا اور کلیجہ کوئی مسوسے ڈالتا تھا۔ ؎

مصیبت حد سے جب گزری تو ظاہر ہو نہیں سکتی
بہت غم میں بہت کم آنکھ سے آنسو نکلتے ہیں

ماہتا کی ماری گھڑی گھڑی اپنے لال کو کھول کھول کر دیکھتی تھی اور ڈھک دیتی تھی۔ دل میں ایک تیر چبھتا تھا جو کلیجے کے پار ہو جاتا تھا ایک آہ نکلتی تھی جس سے کلیجہ دہل جاتا تھا۔ امیر بیگم نے سنا کلیجہ پکڑ کر وہیں کی وہیں بیٹھ گئیں۔ ہیں؟ یہ کیا ہوا بیماری تک کی خبر نہیں کہ پلا پلایا بچہ یوں چٹ پٹ ہو گیا۔ دیکھیئے بچی بے چاری کا کیا حال ہوتا ہے۔ کبیر علی آخر باپ تھا تڑپ گیا مگر موت کے آگے کسی کی کچھ نہ چلی اس ننھی ہنّی سی جان کو نانی کی پائنتی سپردِ خاک کیا اور یوں اس چاند سی صورت کو جو گو دیوں میں ٹھمکتا کلکاریاں مارتا ہنستا اور اپنی خوش فعلیوں سے دوسروں کو ہنساتا تھا آج وہ کیڑے مکوڑوں کی خورش ہے۔ وہ ننھی سی جان

وہ خدا کی امانت جو ماں کے کلیجے سے چمٹا رہتا تھا آج جنگل میں تن تنہا پڑا ہے - اللہ اللہ کیا دنیا ہے اور کیا غفلت کا پردہ میاں نے بیوی کو ہر طرح سمجھایا تسلی تشفی دی اور کئی مسئلے چھوٹے بچوں کی موت کے متعلق سنائے کہ چھوٹے بچے ماں باپ کو بخشواتے ہیں مگر راحت کا دل پہلے ہی زخمی تھا۔ بچے کے صدمے سے رہا سہا اور بھی بجھ گیا - ؂

نالہ جاتا تھا پرے جو رخ کے میرا ور آب ؛ لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

باب (۱۵) - کبیر علی اور آگرے کی ملازمت

جاتے جاتے دیکھنا کچھ کم نہ تھی ایذا ہمیں
اور جاتے وقت رو کر تم نے تڑپایا ہمیں

بچے کے انتقال کے بعد راحت اپنی نانی کے ساتھ چلی گئی - کبیر علی بھی رات کو وہیں رہتے تھے جب قریب ایک مہینے کے گزر گیا تو راحت کی ساس نے بہو کو کہلا بھیجا کہ بیٹا اب تم آجاؤ یہاں میں بھی اکیلی ہوں دوسرے اب تم کو گئے ہوئے بھی بہت دن ہو گئے - راحت ساس کے بلانے سے چلی آئی اور کیوں کر نہ آتی کہ گھر وہی تھا - کچھ لڑ جھگڑ کر تو گئی نہ تھی جو حیل حجت کرتی - میکے میں وہ صرف دل بہلانے کی غرض سے گئی تھی سو یہ صدمہ ایسا نہ تھا کہ کسی جگہ دل بہل سکے یہ وہ داغ تھا کہ کسی کے مٹائے مٹ نہ سکتا تھا ؂

ہر دم زمانہ داغِ دگر گونہ می دہد　　یک داغ نیک ناشدہ داغِ دگر بہ

ایک دن کا ذکر ہے کہ راحت کی دونوں نندیں بھی مَیکے آئی ہوتی تھیں۔ نند بھاوجیں بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھیں کبیر علی باہر سے آئے۔ راحت میاں کو دیکھ کر کمرے میں چلی گئی۔ میاں کے کپڑے ویڑے اُتروائے اور کھانا لاکر سامنے رکھا۔ میاں بیوی دونوں ساتھ کھا رہے تھے اور یہ باتیں ہو رہی تھیں۔

میاں - اجی یہاں کی پچاس روپئے کی نوکری سے تو میرا جی بیزار ہے۔ خیر جب تک میں چھڑے چھانٹ تھا تنگی ترشی سے گزر ہو جاتی تھی اور اب ایک تو مہنگا سما دوسرے تمہارا ساتھ، پاؤں ڈھکتا ہوں تو سر کھل جاتا ہے اور سر ڈھکتا ہوں تو پاؤں کھل جاتے ہیں گرانی کا وہ حال کہ روپیہ کچھ مال نہ رہا جو چیز پہلے چار آنے کی ملتی تھی اب ایک روپیئے میں بھی بمشکل ملتی ہے۔ لاکھ تنگی ترشی اور کتر بیونت کرو مگر اس تنخواہ میں تو گزر ہو نہیں سکتا اب ایک موقع نکلا ہے آگرے میں ایک سکنڈ ماسٹر کی ضرورت ہے تنخواہ بھی بالفعل پچھتر یعنی یہاں سے پچیس زیادہ ہے جو پانچ روپئے سالانہ سے بڑھ کر سو تک پہونچے گی۔ کہو تمہاری کیا صلاح ہے۔

بیوی - لو میری کیا صلاح۔ ایسی باتوں کی اونچ نیچ تو مرد ہی خوب جانتے ہیں۔

میاں - خیر مردوں کی تو چھوڑو تم بھی ماشاء اللہ نشیب و فراز خوب جانتی ہو۔

بیوی - (سوچ کر) سر دست پچیس کا اضافہ تو البتہ ایک ایسی چیز ہے

جس کے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا مگر گھر کی آدھی اور باہر کی ساری بھی تو برابر ہے۔

میاں - اور آگرہ کون سا کالے کوسوں دور ہے چند گھنٹوں کا رستہ ہے چاہیں تو ہر اتوار کے اتوار آسکتے ہیں۔

بیوی - ہاں یہ سچ ہے مگر جب نظر کے سامنے نہ رہے تو ہمارے حساب آگرہ بھی کالے کوسوں ہی ہے۔

میاں - ہاں یہ ٹھیک ہے۔ مجھے بھی اگر بیس ویش ہے تو اسی کا ہے کہ تم سے اس وقت جدائی تو ہو جائے گی اور تمھاری جدائی خواہ وہ ایک ہی دن کی کیوں نہ ہو مجھے گوارا نہیں۔ لیکن ایسے موقعے بار بار ہاتھ نہیں آتے نوکری آج کل عنقا ہے۔

بیوی - تمھاری ترقی سے تو بخدا دل بہت خوش ہوا مگر صرف اس خیال سے کہ آپ کہیں اور میں کہیں روح قالب میں گھبرانے لگی۔ شاید اس مفارقت کو آپ برداشت کر سکتے ہوں مگر صاحب اگر سچ پوچھیں تو مجھ غم زدہ کا دل اس قابل نہیں۔ نوکری کے لیئے میں ہرگز نہیں روکتی آپ جائیے اور ضرور جائیے مگر کیا اچھا ہو کہ مجھے بھی ساتھ رکھیں میں بغیر آپ کے ایک دن بھی نہیں رہ سکتی اور یہ کچھ مشکل نہیں آپ شوق سے جائیے۔ وہاں جا کر کوئی مکان ڈھونڈ کر مجھے بھی بلا لینا۔

میاں - یہ تم نے کیوں کر سمجھ لیا کہ میں بغیر تمھارے رہ سکتا ہوں

یقین جاننا کہ تم نے میری محبت کا اندازہ کرنے میں غلطی کی ہے۔ تم خود ہی سوچو کہ جب تم میرے بغیر تنہا نہیں رہ سکتیں تو پھر میں تمھاری جدائی کیوں کر گوارہ کر سکتا ہوں۔ آج کئی روز سے میں اس ملازمت کے راز کو اپنے سینے میں چھپائے ہوئے تھا۔ محض اس غرض سے کہ شاید تم پسند نہ کرو مگر آج ہیڈ ماسٹر کے اصرار سے تم سے کہنا پڑا۔ خیر اب تم فکر مت کرو اگر تمھاری مرضی نہیں ہے تو جانے دو۔

بیوی۔ نہیں ہرگز نہیں۔ آپ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں آئی اوائی روزی کو ٹھکرانا داخلِ ناشکری ہے۔ مردوں کا کام باہر رہنے کا ہے ضرور نہیں کہ وہ بیویوں کے گھٹنے سے گھٹنا جوڑ کر بیٹھے رہیں اور گھر گھسنے کہلائیں۔ اگر آپ جائیں گے تو کوئی انوکھی بات نہیں اور نہ میں اُن عورتوں میں سے ہوں جو مردوں کے پیچھے ہر وقت دُم چھلے کی طرح لگی رہتی ہیں۔ صرف اس خیال سے میں آپ کے ساتھ جانا چاہتی تھی کہ اول تو آپ کو کھانے پینے کی پردیس میں تکلیف ہوگی دوسرے میرا صدمہ تازہ ہے۔ آپ سے میری بڑی دل بستگی ہے اگر آپ بھی چلے گئے تو میرا دم اُلٹ جائے گا۔ لیکن اب میں خوشی سے کہتی ہوں کہ آپ ضرور جائیں۔ جب وہاں مکان مل جائے گا میں بھی آجاؤں گی۔

میاں۔ میرا دل بھی باہر جانے سے دُھکڑ پکڑ کرتا ہے بس جانے ہی دو پھر کبھی دیکھا جائے گا اسی تھوڑی سی آمدنی میں تنگی ترشی سے گزارا کرو

بیوی - جو اصل بات تھی وہ میں نے کہہ دی - آپ کی جدائی کی تکلیف تو مجھے ضرور ہوگی مگر انسان پر جو پڑتی ہے چار و ناچار جھیل ہی لیتا ہے - وہ کیسی بیویاں ہوں گی جن کے میاں برسوں پردیس میں رہتے ہیں، رہی ہماری جدائی وہ تو عارضی ہے خدا نے چاہا تو بات کرتے یہ دن گزر جائیں گے پھر تو اصل خیر سے میں آپ کے پاس پہونچ ہی جاؤں گی میری پختہ رائے ہے کہ آپ بسم اللہ کریں اور خیر سے سدھاریں - اس موقع کو غنیمت جانیئے - یہ آپ نے ٹھیک کہا کہ تھوڑے پر قناعت کریں اور خدا کی دی ہوئی تھوڑی چیز کو بھی نعمتِ عظمیٰ سمجھیں مگر جب غیب سے کوئی بہبودی کا سامان پیدا ہو جائے تو اُس پر ناک بھوں چڑھانا گویا خدا کی ناشکری کرنا ہے - خدا نے اپنی قدرت سے یہ معقول ملازمت بھیجی ہے پھر کیا مناسب ہے کہ ہم اس کو خوشی سے منظور نہ کریں -

میاں - خیر اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو میں بھی خوش ہوں - اچھا تو میں اپنے دوست کو آگرے سے لکھ کر مکان کے واسطے ابھی کیوں نہ پوچھ لوں، اگر مکان کا کوئی بندوبست ہو جائے تو پھر تم میرے ساتھ ہی چلی چلو -

بیوی - ہاں اس سے بہتر کیا بات ہو سکتی ہے - اندھا کیا چاہے دو آنکھیں، مناسب ہے کہ آپ پہلے دریافت کر لیں اگر ایسا ممکن ہوا تو زیادہ اچھا ہوگا ورنہ پھر دیکھا جائے گا -

میاں - تو اماں جان سے بھی ذکر کر دینا چاہیئے -

بہو بی - ضرور - بلکہ پہلے اُنھیں کی رائے لینی تھی کہ وہ بڑی بوڑھی ہیں - اتنے میں شہزادہ بیگم خود ہی بہو کے کمرے میں آئیں اور کہا کہ بیٹا تم نے کل میرا انگشتانہ لیا تھا اگر ضرورت نہ ہو تو دے دو -

راحت - جی ہاں، اماں جان آپ کا انگشتانہ مشین کے خانے میں رکھا ہے ابھی دیئے دیتی ہوں مجھے یاد نہیں رہا - یہ کہہ کر راحت نے انگشتانہ نکال ساس کو دے دیا -

بیٹا - اماں جان ذرا بیٹھیئے آپ تو چلی جاتی ہیں میری ایک بات سنتی جائیے -

ماں - خیر صلاّ (خیر صلاح) لو میں بیٹھ گئی کہو کیا کہنا ہے - کچھ خوشی کی خبر سنانا -

بیٹا - ہاں ضرور - آپ کی دعا چاہیئے - یہ کہہ کر کبیر علی نے اپنی نوکری کا تمام ماجرا ماں کے سامنے دُہرایا - پہلے تو شہزادہ بیگم نے بیٹے کے پردیس جانے پر کچھ مُنہ بنایا اور کہنے لگیں کہ نہیں بیٹا میں ہرگز باہر جانے کی صلاح نہ دوں گی میں نے اپنے بچوں کو کبھی آنکھ سے اوجھل نہیں کیا تو اب کس طرح بھیج دوں - تم تو روز ایسے نئے نئے شگوفے کھلاتے رہتے ہو اس میں میری خوشی نہیں پھر آگے تمھاری مرضی -

راحت - ساس کا جواب سُن کر چُپ رہ گئی اور دل ہی دل میں کہنے لگی کہ انھوں نے تو بیٹے کی ہمت اور پست کر دی وہ پہلے ہی سے اُدھ کچرے تھے اب دیکھیئے کیا ہوتا ہے - اگر میں کچھ کہتی ہوں تو خدا جانے اماں جان کیا

خیال کریں۔ غرض راحت نے بڑا دل کڑا کر کے ڈرتے ڈرتے کہا کہ اماں جان آپ کا فرمانا درست ہے کہ پردیس کے لیئے طبیعت نہیں ٹھکتی مگر آگرہ تو کچھ ایسا دور نہیں جس کے لیئے ہمیں اس قدر فکر کرنا مناسب ہے۔ یہ اپنے اپنے ملک کی رسم ہے میموں کو دیکھیئے کہ وہ اپنے ننھے ننھے بچوں کو کم عمری میں محض تعلیم کی غرض سے خود ہندوستان میں رہ کر اتنی دور سمندر پار ولایت بھیج دیتی ہیں یہ صرف اس لیئے کہ اُن کی تعلیم اچھی ہو اور اُن کی آیندہ کی زندگی کارآمد ہو۔ کیا وہ مائیں نہیں۔ کیا اُن کو مامتا نہیں۔ سب کچھ ہے مگر اُن میں مآل اندیشی ہے اور ہم میں نہیں، بس فرق صرف اسی بات کا ہے۔ ہماری عورتوں کو دیکھیئے کہ وہ دو قدم پر بھی اپنی اولاد کو بھیجنا پسند نہیں کرتیں اور یہ کبھی آنکھ پر میل بھی نہیں لاتیں۔

ساس۔ بیٹا یہ تو اپنا اپنا دل ہے نگوڑی میموں کے دل سخت ہوتے ہیں سنا ہے کہ اُن کے ملک میں برف زیادہ پڑتی ہے اور چاروں طرف پہاڑ ہی پہاڑ ہیں۔ راحت یہ سُن کر خوب ہنسی اور بولی کہ اماجان تو کیا اس سے آپ کا یہ خیال ہے کہ برف کے پڑنے اور پہاڑوں کے ہونے سے دل سرد اور کلیجہ پتھر کا ہو جاتا ہے۔

ساس (ہنس کر) اور نہیں تو کیا۔ غضب خدا چھوٹے چھوٹے بچوں کو وہ کیوں اس کر کالے کوسوں بھیج دیتی ہیں اور ذرا دل نہیں کُڑھتا پھر ان کی سنگدلی میں شک کیا ہے۔ میر اکبیر خدا رکھے جوان ہے لیکن جب

باہر سے دیر میں آتا ہے تو میرا دل دُھکڑ پکڑ کرنے لگتا ہے اور سیکڑوں قسم کے بُرے خیالات آنے لگتے ہیں۔

راحت - گستاخی معاف، انگریز عورتوں کے دل سخت نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنی اولاد کو قابل بنانے کی غرض سے اپنی چھاتی پر پتھر کی بھاری سِل رکھ کر اُن کی مفارقت گوارا کرتی ہیں اور اُن کی آیندہ زندگی کو خوش گوار بنانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتیں۔ تعلیم کو وہ بہت بڑا فرض سمجھتی ہیں۔ جس طرح ہمارے ہاں کی عورتیں اپنے بچوں کے شادی بیاہ کو خدا کا فرض سمجھتی ہیں جو حقیقت میں والدین پر فرض نہیں ہے اور تعلیم کی پروا نہیں کرتیں۔ اسی طرح انگریز عورتیں تعلیم کو شادی سے زیادہ ضروری سمجھتی ہیں۔ اور دراصل ہے بھی یہی بات اُن کے بچے بہت کم اُن کے پاس رہتے ہیں۔

ساس - خیر بیٹی کچھ بھی کہو مگر ہیں وہ ضرور سخت دل۔ جس کو اولاد کی محبّت نہیں ہوئی اُسے اور کس کی ہو گی اور ان کا دل سخت نہ ہوا تو کیا نرم ہوا؟۔ کبیر علی بیوی اور ماں کی گفتگو چپ چاپ سُنتا رہا اور دل ہی دل میں بیوی کے سُلجھے ہوئے خیالات معلوم کر کے خوش ہوتا رہا اور کہنے لگا کہ میں بہت خوش نصیب ہوں کہ ایک ایسی نیک نہاد اور سمجھ دار بیوی میرے پلّے بندھی ہے۔

کبیر علی (ماں سے) گو میرا دل بھی آپ سب لوگوں سے جدا ہونے کو نہیں چاہتا مگر مجبور ہوں کہ آئی ہوئی نعمت کو کیسے رد کر دوں۔

ماں - خیر بیٹا اگر تمھاری یہی مرضی ہے اور تمھاری بیوی کی بھی یہی خوشی ہے تو تمھیں اختیار ہے میرا کیا ہے جو کچھ مجھ پر گزرے گی سب سہ لوں گی -

بہو - میں کیا اور میری مرضی کیا آپ میری اور ان کی دونوں کی مالک اور مختار ہیں - آپ کا کہنا مجال ہے کہ ہم ٹال سکیں خدا اُس گھڑی کو ہمیں نہ رکھے کہ آپ کے حکم سے سرِ مو تجاوز کریں -

ساس - نہیں بیٹا میں کچھ خدانخواستہ ناراضگی سے تھوڑی کہتی ہوں کوئی تم خدا نہ کرے کبیر کی دشمن ہو مگر کیا کروں مامتا بری بلا ہے - کبھی عمر بھر جدا نہیں کیا اس لیئے میرا جی کڑھتا ہے یہ کہہ کر شہزادہ بیگم رُندھی سی ہو گئیں واقعی انھیں کبیر علی سے بہت محبت تھی اول تو وہ پہلوٹھی کا تھا دوسرے لائق اور ماں کا حد سے زیادہ تابع دار -

کبیر علی - ماں کو آزردہ دیکھ کر کہنے لگا کہ اماں جان ابھی تو فقط ذکر تھا، آپ ہرگز ملول نہ ہوں میرے لیئے آپ کی رضا جوئی مقدم ہے آپ کی بلا مرضی اور اجازت کے میں گھر سے باہر قدم نہ دھروں گا آپ اطمینان رکھیں اپنا دل بھاری نہ کریں -

ماں - نہیں بیٹا تم ساتھ خیر کے سدھارو میں خوشی سے اجازت دیتی ہوں میری مامتا کا صحیح اندازہ اُس وقت تم کو ہوگا جب اللہ تعالیٰ تم کو خود عمر کا بچہ دے گا - کبیر علی نے ماں کا خیال بٹانے کی غرض سے بہنوں کو آواز دی اور اُن کے آنے پر ادھر اُدھر کی باتیں چھیڑ دیں - دوسرے دن جب کبیر علی حسبِ معمول اسکول پہنچے تو ہیڈ ماسٹر نے چھوٹتے ہی کہا کہیئے میاں جب

آگرے جانے کی کیا ٹھہری ہے؟ -

کبیر علی - آپ ہمارے ہاں کی مستورات کا حال جانتے ہیں بڑی مشکل سے اب کہیں جاکر اُن کو رام کیا ہے اور اب میں جانے کو بالکل تیار ہوں جب آپ کہیں چلا جاؤں میری طرف سے نہ کچھ دیر ہے نہ تامّل -

ہیڈ ماسٹر - اچھّا تو فرمائیے کہ آپ کب جائیں گے وہاں سے تقاضے پر تقاضہ چلا آتا ہے -

کبیر علی - عرض تو کر رہا ہوں جب آپ فرمائیں -

ہیڈ ماسٹر - بہتر ہوگا کہ آپ بلا توقّفِ مزید چلے جائیں، وہاں جائے خالی ہے اور کام کا حرج ہو رہا ہے - آج کیا دن ہے بُدھ - کیا آپ اتوار کو جا سکتے ہیں کہ پیر کو اپنا کام شروع کر دیں اس اثنار میں آپ اپنی تیاری بھی کر سکتے ہیں - آپ کا کون سا پیریڈ ہے -

کبیر علی - مڈل کلاس کی جیامٹری ہے -

ہیڈ ماسٹر - خیر آپ کسی وقت شام کو مجھ سے گھر پر ضرور مل لیں تاکہ مجھے جو کچھ کہنا سُننا ہے کہہ دوں -

کبیر علی - بہت اچھّا ان شاء اللہ ضرور حاضر ہوں گا - اسکول کے بعد کبیر علی گھر پر آئے اور بیوی سے کہہ دیا کہ اتوار کو دس بجے دن کی گاڑی سے خدا نے چاہا تو میں آگرے چلا جاؤں گا تم میرا ضروری سامان درست کر دو - مکان کا تو کوئی جواب آگرے سے ابھی تک آیا نہیں -

بیوی - خدا ساتھ خیر کے لے جائے - خیر کیا مضائقہ ہے ایسی کچھ جلدی نہیں آپ پونہچ کر ٹھکانے سے جم لیں آگرہ بڑا شہر ہے ایک نہیں بیسیوں مکان مل جائیں گے - ماں نے بھی جانے کی سُن لی کہ دن تاریخ بھی ٹھیر گیا اُن کا کلیجہ دھک سے ہو گیا مگر کچھ بولیں وولیں نہیں - راحت نے کپڑے سب سمیٹ سماٹ دیکھ بھال کر ایک ٹرنک میں رکھ دیئے ساتھ کا بچھونا بندھوا دیا کچھ برتن ساتھ کے لیئے الگ کر دیئے اور اپنی نانی کو بھی کہلا بھیجا کہ وہ اتوار کو سدھار رہے ہیں آپ ہفتے کو کسی وقت ضرور آجائیے - امیر بیگم نے داماد کو کہلا بھیجا کہ میاں آج شام کا کھانا تم اور تمھاری بیوی یہیں کھانا دونوں میاں بیوی گئے اور کھانا وانا کھا سب سے مِل ملا رخصت ہو کر چلے آئے - مختصر یہ کہ وقت مقررہ پر کبیر علی آگرے روانہ ہوئے - مردوں کے دم قدم کی بڑی رونق ہوتی ہے کبیر علی کے سدھارتے ہی گھر میں ایک سنّاٹا سا ہو گیا - سچ کہا ہے کہ مرد کی خالی جوتی کی بھی برکت ہوتی ہے اور کبیر علی تھا بھی بڑے ہنسنے بولنے والا روتے کو ہنسا دیتا ایک بات تھی جہاں بیٹھے کچھ نہ کچھ چٹکلے چھوڑ دیئے غرض اُن کا جانا کیا تھا گویا گھر کی رونق گئی - بیوی الگ چُپ چاپ اماں جدا گم سم -

باب (۱۶) - میاں بیوی کی مراسلت اور بیوی کا آگرے جانا

آمادہ گشتہ ام دگر اینک نظارہ را — پیوند کردہ ام جگرِ پارہ پارہ را

کبیر علی ریل میں بیٹھتے تو بیٹھ گئے مگر پردیس کے خیال اور سب عزیزوں کی

مفارقت سے دل گھبرانے لگا۔ کبھی کہتے تھے کہ میں نے ناحق گھر میں نوکری کا ذکر کیا جو یہاں آنا پڑا جب ابھی سے میرا دل اُلٹا جاتا ہے اور یہ کیفیت ہے تو آیندہ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ ریل میں مسافروں سے کچھ بات چیت کی کہ شاید کچھ خیال بٹے مگر دل میں برابر کانٹا سا کھٹکتا رہا۔ خدا خدا کر کے شام کے لگ بھگ آگرے پہونچے۔ جن دوست کے مکان پر اُترے تھے انھوں نے ان کی بہت خاطر تواضع کی اور کھانا وغیرہ کھلایا۔ کبیر علی کو کچھ سفر کی تکان اور زیادہ عزیزوں کی مفارقت کے سبب سے بھوک نہ تھی مگر صاحبِ خانہ کے اصرار سے کچھ یوں ہی سا کھا پی لیا اور سو رہے۔ صبح اسکول گئے اور وہاں کے ہیڈ ماسٹر وغیرہ سے ملے اور کام کرنے لگے۔ اسکول سے آتے ہی کبیر علی نے دہلی خط لکھا جس کی نقل اتفاق سے ہمارے ہاتھ بھی آ گئی اور وہ یہ ہے:-

میاں کا خط بیوی کے نام — آگرہ راجہ کی منڈی۔ ۲۲ ستمبر سنہ ۱۹۲۰ء

پوچھتی کیا ہو جو حالِ شبِ تنہائی تھا — رخصتِ صبر تھی یا ترکِ شکیبائی تھا
شبِ فرقت میں دلِ غمزدہ بھی باہُش تھا — وہ بھی کیا رات تھی کیا عالمِ تنہائی تھا
میں تھا یا دیدۂ خونابہ فشاں تھی شبِ ہجر — اُن کو واں مشغلۂ انجمن آرائی تھا

روحِ روانم راحتِ جانم سلامت۔ بعد سلام۔

میرا تمہارا تعلق ڈھائی برس سے ہے جس میں ایک دن نہیں ایک گھڑی کو بھی ہم تم الگ نہ ہوئے۔ جس وقت میں نے آگرے کی نوکری قبول کی

مجھے ہر گز خیال نہ تھا کہ تمھاری جدائی اس قدر شاق ہو گی لیکن اب اصلی حقیقت کھلی کہ مہینا نہ دو مہینا برس نہ دو برس یہ دو دن کٹنے بھی مجھے پہاڑ ہو گئے۔ میں مکان کی تلاش میں ہوں موقع کا ملتے ہی تمھیں بلا بھیجوں گا تم سے زیادہ مجھے خود جلدی ہے۔ چلتے وقت میں کچھ ایسا بدحواس سا ہو گیا تھا کہ تمھاری تصویر وہیں بھول آیا حال آں کہ یاد سے ساتھ رکھنے کے لیئے نکال لی تھی اور خیال تھا کہ ٹرنک میں کپڑوں کی تہ میں رکھ لی ہے۔ یہاں آکر دیکھتا ہوں تو ندارد۔ ضرور وہیں کہیں رہ گئی ہے تلاش کر کے جلد رجسٹری کرا کے بھیجو کہ خیر تصویر سے کچھ تو دل بہلے گا۔ ذرا میں تھکانے سے بیٹھ لوں تو تفصیلی خط لکھوں گا۔ ہاں جی ذرا سُننا تمھیں قسم ہے برابر اپنی خیریت کا خط لکھتی رہنا روز نہیں تو ایک دن بیچ ہی سہی خواہ وہ مختصر ہی ہو۔ غرض تو تمھاری خیریت معلوم کرنے سے ہے۔ تم جانتی ہو کہ پردیس میں اپنے پیاروں کا خط بھی غنیمت ہو جاتا ہے اور تم نے سُنا ہو گا کہ اَلْمَکْتُوْبُ نِصْفُ الْمُلَاقَاتِ یعنی کیا سمجھیں۔ لو میں بتاؤں خط جو ہے آدھی ملاقات ہے۔ اس لیئے اگر پوری نہ سہی تو خیر آدھی ہی سہی۔ میں کل سے باقاعدہ اسکول جایا کروں گا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب بہت قابل اور با اخلاق شخص ہیں۔ مجھ سے بہت تپاک سے ملے اور امید ہے کہ خدا نے چاہا تو اچھی گزرے گی۔ اچھا لو اب ختم۔ میری اماں جان کو آداب کہنا اور چھوٹے بڑوں کو بھی علی قدر مراتب دعا سلام

(منتظر جواب دور افتادہ کہیر)

کبیر علی نے خط لکھ کر ڈاک میں ڈلوایا اور خود کتاب دیکھنے لگے - کبیر علی کی ماں کو بیٹے کا کئی مرتبہ خیال آچکا تھا اور خط کا انتظار تھا - راحت عصر کی نماز پڑھ کر جانماز پہ بیٹھی ہوئی انگلیوں پر کچھ پڑھ رہی تھی کہ ڈاکیئے نے آواز دی "خط لے جانا جی" - ماما جو انگنائی میں جھاڑو دے رہی تھی ڈاکیئے کی آواز سُن کر لپکی ہوئی دروازے پر گئی اور خط لاکر راحت کی چھوٹی نند رشیدہ کے ہاتھ میں دیا - رشیدہ نے لفافہ پر مسٹر کبیر علی دیکھ کر ماما کو دے دیا کہ بھابی جان کو دے آ" اُن کا ہے - شہزادہ بیگم نے بیٹی سے پوچھا کس کا خط ہے کیا میرے کبیر علی کے پاس سے آیا ہے؟ -

رشیدہ - جی ہاں بھائی جان کا ہے - راحت نے جلدی سے دعا مانگی اور خط کو لے کر کمرے میں چلی گئی - وہاں جا کر خط کھولا اور پڑھنا شروع کیا اتنے میں رشیدہ بھی بھاوج کے پاس بھائی کی خیریت معلوم کرنے کی غرض سے آگئی - راحت نے رشیدہ سے کہا کہ تم اماں جان سے کہہ دو کہ خیر فضلاً سے پونہچ گئے - ذرا اطمینان سے بیٹھ جائیں تو پھر مفصل خط لکھیں گے رشیدہ تو یہ سُن کر چلی گئی اور راحت خط کا جواب لکھنے بیٹھی - گو میاں بیوی کا خط دیکھنا ایک گونہ بدنما ہے مگر خیر میاں کا خط آپ دیکھ چکے تو اس کا جواب بھی دیکھ لیں

جواب خط - دہلی سیتارام کا بازار - ۲۳ ستمبر سنہ ۱۹۲۰ ع

ہائے دل کھول کے کچھ کہہ نہ سکی سوزِ دروں

آ سبلے ہم سخن خار نہ ہونے پائے
چھپ کے وہ آتے ہیں گلگشت کو اے بادِ صبا

سبزہ بھی باغ میں بیدار نہ ہونے پائے

پھر کہیں جوش میں آجائیں نہ یہ دیدۂ تر

سامنے ابرِ گہربار نہ ہونے پائے

باغ کی سیر کو جاتے تو ہو پر یاد رہے

سبزہ بیگانہ ہر دو چار نہ ہونے پائے

صاحبِ من سلامت ۔ تسلیم ۔ مزاجِ شریف ۔

میری آنکھیں دروازے کو لگی ہوئی تھیں اور میں عصر کی نماز پڑھ کر ابھی جانماز ہی پر بیٹھی تھی ۔ کہ ڈاکیئے نے آواز دی میں سمجھ گئی کہ ہو نہ ہو آپ ہی کا خط ہوگا ۔ لفافہ دیکھتے ہی دلِ ناشاد شاد ہوگیا ویسے ہی خط لے کمرے میں چلی گئی اور بہ اطمینانِ خاطر ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ پڑھا ۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ادا کیا کہ آپ خیریت سے پہنچ گئے ۔ غنیمت ہے کہ میری یاد نے آپ کو گدگدایا جو اس قدر جلد خط لکھا ۔ اجی تم اپنی جو کہہ رہے ہو وہ تو سچ ہے مگر یقین جاننا میرا حال تم سے بھی زیادہ ہے ۔ کیوں کہ تم ٹھیرے باہر کے پھرنے والے گھڑی دو گھڑی دل بہل ہی جاتا ہوگا ۔ ہماری کھونا گھر کی چار دیواری میں بند آدمی کی شکل کو ترس گئے ۔ حقیقت میں آپ کے جانے کے بعد سے تمام گھر بھائیں بھائیں کر رہا ہے ۔ اللہ اس دم کو ۔ سچ ہے گھر کی رونق تو مردوں ہی سے ہوتی ہے ۔ خدا رکھے گھر میں یوں تو سب ہی آدمی ہیں مگر میری نظروں میں گھر بالکل خالی ہے ۔ نئی اور اوپری جگہ ہونے سے ضرور آپ کا دل گھبراتا ہوگا ۔ امید ہے کہ رفتہ رفتہ دل لگ جائے گا ۔

میں تصویر خط کے ساتھ ہی رجسٹری کرتی ہوں۔ رسید سے مطلع کیجیئے
مکان کے بارے میں معلوم ہوا آگرہ شہر غدار ہے تلاش شرط ہے۔ دیر سویر
مکان مل ہی جائے گا۔ نانی امّاں نے مجھ کو اس خیال سے بلایا تھا کہ
اکیلی گھبراتی ہوگی۔ مگر میں نے امّاں جان کی وجہ سے کہ وہ بے چاری
پہلے ہی آپ کے جانے سے اُداس ہیں اور بھی اُن کو تنہائی ہو جائے گی
کہہ دیا کہ ابھی نہیں دو چار دن ٹھیر کر آؤں گی۔ میں ان شاء اللہ روزانہ
خط لکھتی رہوں گی۔ آپ مطمئن رہیں مگر کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ نعرہ کر جائیں
امّاں جان بہت بہت دعا کہتی ہیں۔ دونوں بہنوں کا آداب جمعے کو یہ
دونوں بھی اصل خیر سے اپنی اپنی سسرال چلی جائیں گی۔ اور بھی سناٹا
ہو جائے گا۔ (آپ کی راحت)

راحت جب خط لکھ چکی تو اُس نے ماما کو دیا کہ لو ڈاک میں ڈال دو اور
دوسرا بڑا لفافہ رجسٹری کرا دینا۔ کریمن خط ڈالنے بازار گئی اور راحت
ساس کے پاس جا بیٹھی۔ رشیدہ نے پوچھا بھائی جان کو خط لکھ دیا۔
راحت۔ دبی زبان سے ہاں لکھ دیا کیوں کہ ساس بیٹھی تھیں اس لیئے
لحاظ مانع تھا۔ کبیر علی خط کے منتظر تو تھے ہی کہ اتنے میں ڈاکیئے نے
ایک خط اور رجسٹری دی۔ اُنھوں نے اُسے فوراً کھولا تو سب سے
پہلے بیوی کی تصویر نظر پڑی۔ جس کی پشت پہ اِنھیں کی قلم کا یہ شعر لکھا ہوا تھا

۵ وا کر دیئے ہیں شوق نے بندِ نقابِ حسن
غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا

وہ بہت دیر تک اس شعر کو پڑھ پڑھ کر لطف اُٹھاتے رہے۔ اُن کو اس وقت یہ شعر بہت ہی موزوں معلوم ہوا۔ تصویر کو رکھ کر خط کھولا اور پڑھنا شروع کیا۔ غرض میاں بیوی کی مراسلت بڑے شدّ و مد کے ساتھ ہوتی رہی۔ کوئی دن خالی نہ جاتا تھا جو خط نہ آتا جاتا ہو۔ اگر ذرا بھی دیر ہوئی تو طرفین کو زحمتِ انتظار ہوتی تھی۔ کبیر علی کو آگرے گئے ہوئے کئی مہینے گزر گئے مگر کوئی مکان قرینے کا نہیں ملا۔ راحت کے سُہاگ کی دھاک دُور دُور مچی ہوئی تھی۔ کُنبے یا ملنے جُلنے والیوں میں جس کسی لڑکی کی شادی ہوتی تھی تو اسی سے دُلہن بنوانا اچھا شگون سمجھا جاتا تھا۔ ان کی رشتے کی چچیا ساس کی ایک لڑکی انھیں کی ہم عمر تھی اور دونوں میں بڑا گہرا میل ملاپ تھا۔ ایک دم اُس لڑکی کی نسبت قرار پاگئی۔ راحت کو حقیقت میں اس شادی میں شریک ہونے کی بہت خوشی تھی۔ ایک ہفتے پہلے بلاوا آگیا اور سب شادی کے سامان کرنے لگے۔ کبیر علی کے خط بیوی کے نام روز آتے تھے مگر کبھی اُنھوں نے نہیں لکھا کہ مکان مل گیا ہے۔ عین اُسی روز جب کہ محمودہ کی سانچق تھی سب مہمان جانے والے تھے کہ یکایک میاں آن دھمکے۔ اب بڑی خرابی ہوئی شادی میں جانا رُک گیا۔ لیکن محض اس خیال سے کہ برابر والیاں نہ چھیڑیں راحت سب کے ساتھ چلی گئی اور بڑی رات گئے واپس چلی آئی۔ مگر ایسے سویرے وداع میں شریک ہوگئی کہ کسی کو خبر ہوئی کسی کو نہیں۔ میاں نے بیوی سے کہا کہ خدا خدا

کر کے مکان مل گیا ہے مگر چھٹی نہ ملتی تھی ۔ بہ ہزار دقت تین دن کی اجازت ملی ہے جس میں ایک اتوار ہے ۔ چھٹی کا ملنا تھا کہ میں پر لگا کر آگیا اور یہی وجہ ہے کہ تم کو پہلے سے نہ لکھ سکا ۔ خیر جھٹ پٹ تم تیار ہوجاؤ اور اپنے سامان کی باندھا بوندھی کرلو ۔ پرسوں سہ پہر کی ریل سے جانا ہوگا ۔ صبح کبیر علی بھی برات میں گئے دوپہر ڈھلتے ڈھلتے سب مہمان واپس آگئے تب کبیر علی نے بھی ماں کے کان میں بات ڈالی بڑی بی سناٹے میں رہ گئیں کیونکہ گھر کا سارا کام کاج بہو ہی سنبھالے ہوئے تھی ۔ مگر بڑی بی اپنا آرام دیکھتیں یا بیٹے کا ' آخر بیٹے کے کھانے پکانے کی خبر کون لیتا ۔ غرض یہ کہ ماں نے بیٹے سے کہا کہ ہاں میاں تم اپنی بیوی کو شوق سے لے جاؤ ۔ خدا ان کو اپنے گھر میں رسنا بسنا نصیب کرے ' رہی میری مامتا میں تو ابھی تمہارے ساتھ چلتی مگر گھر کا کھٹراگ کس پر چھوڑوں ۔ خیر اب تو تم سدھارو میں بھی ان شاء اللہ پھیرا کروں گی ۔ راحت بے چاری کی ماں تو تھی ہی نہیں جو داماد کی آو بھگت کرتی ۔ رہیں ننیا ساس انھوں نے البتہ کونڈے بھیجے ۔ اب کونڈوں کی رسم تو مدتیں ہوئیں اٹھ گئی کہ کونڈوں کی جگہ سینیوں نے لے لی ۔ جیسے چراغ اور دیوٹ کی جگہ شمع دان اور لیمپ نے ۔ مگر ننیا ساس تھیں پرانے زمانے کی عورت بھلا وہ کب قدم آگے بڑھا سکتی تھیں ۔ صدقے کے ٹکے اور تیل ماش جو نیک شگون تھا بھیجے پر بھیجے ۔ اور تیل کے بادیئے میں کچھ چاندی بھی پڑی تھی ۔ خدا جانے چونی تھی یا اٹھنی گو دعوت نہ تھی گر دعوت

سے زیادہ کھانا پکوا کر گھر پر بھجوا دیا۔ دوسرے روز کبیر علی مع اپنی بیوی کے آگرے سدھارے۔ راحت کی نانی نے اپنی پرانی ماما ظہورن کو ساتھ کر دیا کہ پردیس میں کسی جانب کا ہونا ضرور ہے۔

باب (۱۷) - کبیر علی کی علالت اور جواں مرگی -

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد ۔۔۔ روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد
فلک نے لوٹ لیا ہے ترا سہاگ افسوس! ۔۔۔ وہ سرخ جوڑا ترا تجھ کو آگ ہے افسوس!
گری ہیں ٹوٹ کے ہاتھوں سے چوڑیاں تیری ۔۔۔ اسیرِ حلقۂ زنجیرِ غم ہے جاں تیری
نہ راس آئی تجھے تیری گیسو آرائی ۔۔۔ کہ سر پہ ہجرِ دوامی کی کالی رات آئی
خیال آیا کسی کے شبابِ رنگیں کا ۔۔۔ کہ رخ پہ غازہ ہے تیرے سرشکِ خونیں کا
ازل سے آہ! قضا دشمنِ مسرت تھی ۔۔۔ بری زمانے سے اے بیوہ تیری قسمت تھی
ملا ہے سوگ تجھے حیف عمر بھر کے لیئے ۔۔۔ سدا کی اشک فشانی ہے چشمِ تر کے لیئے
یہ کہہ رہی ہے پریشانی تیرے بالوں کی ۔۔۔ کہ ایسی ہوتی ہے صورت شکستہ حالوں کی
پناہ اب تو کرے تیری بے کسی تجھ سے ۔۔۔ کہ آنکھ تیرے عزیزوں نے پھیر لی تجھ سے
وہی جو کہتے تھے دیوی تجھے سعادت کی ۔۔۔ انھیں کی آنکھوں میں پتلی ہے تو نحوست کی

بجا ہے گریۂ شام و سحر بجا، تیرا
کہ دادرس نہ کوئی دہر میں رہا تیرا

مگر ہزار فلک رس ہوں یہ ترے نالے ۔۔۔ مسافرانِ عدم کب ہیں لوٹنے والے
گئے وہ جن سے کہ آباد تھی تری دنیا ۔۔۔ خیال دل میں نہ لا اُن کے واپس آنے کا

برے بھلے یونہیں دن کاٹ زندگانی کے | عذابِ صبر سے سہ دردِ غمِ فانی کے
خدائے پاک تجھے صبر کا ثمر دے گا | وہ سہل آپ تری مشکلوں کو کر دے گا
کسی کے دل میں بھرے گا وہ مہر تیرے لیئے | جہاں میں عام کرے گا وہ مہر تیرے لیئے
کسی نگاہ کو شفقت اثر بنائے گا | کسی زباں کو محبت اثر بنائے گا
کرے گا نرم وہ خود قلبِ اہلِ دولت کو | دکھائے گا انھیں تیرے ملال و کلفت کو

کسی کو صاحبِ لطف و کرم بنا دے گا
دیا ہی درد یہ جس نے وہی دوا دے گا

راحت کو یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اپنے عزیزوں سے جدا ہو کر پردیس گئی نانی اور بھائیوں کے خیال سے اسے زیادہ رنج تھا مگر کیا کرتی چار و ناچار جانا ہی پڑا۔ اول تو اسے خود بھی میاں کی جدائی اور تکلیف گوارا نہ تھی دوسرے میاں کا اصرار غرض دونوں میاں بیوی آگرے پونہچے۔ کبیر علی نے مکان لے ہی لیا تھا۔ راحت نے آگرے پونہچتے ہی ایک خط ساس کو اور ایک نانی کو لکھا۔ راحت کی نانی بہت پریشان تھیں کیونکہ سوئی مٹی کی نشانی سمجھ کر اس کے اوپر پروانہ تھیں۔ خط کے آنے سے ان کی پریشانی کم ہوئی۔ راحت اپنی حالت میں خوش تھی اور کبھی بھول کر بھی اسے اپنی خانہ بربادی اور اس قدر جلد اس کارخانے کے درہم برہم ہو جانے کا گمان بھی نہ تھا مگر یہ فلکِ کج رفتار کبھی کسی کو چین نہیں لینے دیتا اس کو کسی کی یکساں حالت کبھی بھلی معلوم نہیں ہوتی۔ راحت بدنصیب کو آگرے گئے ہوئے ساتواں مہینا تھا کہ یکایک شہر میں طاعون پھیل گیا

سرکار کی طرف سے صفائی کا بہت کچھ انتظام ہوا۔ چوہے مارے جانے لگے۔ لوگ ٹیکا لگوانے لگے۔ کبیر علی بہت محتاط شخص تھا۔ اُس نے بیوی سے کہا کہ گھر کی صفائی کا زیادہ خیال رکھنا کیوں کہ تمام شہر میں وبا پھیل رہی ہے اور لوگ کثرت سے ضائع ہو رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ اسکول اور دفاتر کچھ دنوں کے لیئے بند ہو جائیں۔ اکثر لوگ آگرے سے محض بیماری کی وجہ سے بھاگے چلے جا رہے ہیں کیا اچھا ہو کہ ہمارا اسکول بھی بند ہو جائے تو ہم بھی چلے چلیں۔

راحت۔ واقعی یہ مرض نہایت خطرناک ہے خدا اپنا فضل رکھے۔ میں اپنے حتی المقدور تو گھر کی صفائی کا بہت خیال رکھتی ہوں اب آپ کے کہنے سے اور بھی زیادہ احتیاط رکھوں گی۔ یہ کہہ کر الماری سے قرآن شریف کا جزدان اُٹھا لائی اور اُس میں سے ایک دعا جو دروازوں پر ایسی وبا کے موقعوں پر چسپاں کی جاتی تھی، نکالی اور اُس کی پشت پر گوند لگا کر میاں کو دی اور کہا دیکھنا جی! باہر دروازے پر اللہ کا نام لے کر یہ دعا کا ورق چپکا دو۔ اُنھوں نے وہ دعا دروازے پر لگا دی۔

کوئی دو ہفتے جان ہتیلی پر لے کر گزرے۔ چوہے مرنے لگے۔ اڑوس پڑوس کے لوگ چھیجنے لگے۔ موت کا بازار گرم تھا۔ چاروں طرف واویلا اور آہ و بُکا کے سوا کچھ سُنائی نہ دیتا تھا۔ مرنے والے مرتے تھے اور پروالے سہموں میں گُھلے جاتے تھے۔ دلّی جانے کا روز قصد ہوتا تھا پھر خیال ہوتا تھا کہ موت سے بھاگ کر بھلا کوئی کہاں جا سکتا ہے۔ جب

سرکار کی طرف سے گھر خالی کرائے جانے لگے اور لوگ جنگلوں میں
جھونپڑوں میں جانے لگے تب تو کبیر علی نے بیوی سے کہا کہ مدرسہ
بند ہو یا نہ ہو میں تو اب یہاں کھڑا پانی نہ پیوں گا تم سمیٹا سماٹی
کر لو نہیں معلوم کب چلنا ٹھیر جائے۔ آج میاں بیوی میں یہ بات چیت
ہوئی اگلے دن کوئی گیارہ بجے ہوں گے کہ راحت کمرے میں بیٹھی
چاندنی کے پاٹوں میں جالی بھر رہی تھی کہ دروازے میں کسی کے
آنے کی آہٹ معلوم ہوئی اُس نے ذرا جھک کر اس خیال سے دیکھا
کہ دروازہ کھلنے سے کہیں مرغیاں باہر نہ نکل جائیں۔ جوں ہی دیکھا
سامنے سے میاں ہانپتے کانپتے چلے آتے ہیں چہرہ تمتما رہا ہے
اور منہ پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں پاؤں رکھتے کہیں ہیں پڑتا کہیں ہے
راحت میاں کو اس حال میں دیکھ کر گھبرا گئی۔ بے اختیار کمرے سے
نکل میاں کو سہارا دے کر لائی۔ دیکھا تو بخار میں ہلہلا رہے تھے۔
وہ آتے ہی پلنگ پر بے سُدھ ہو کر گرے۔ بہ مشکل شیروانی اتاری
اگر معمولی دن ہوتے تو بخار کا چنداں مضائقہ نہ تھا لیکن ایسی حالت
میں کہ طاعون نے چو طرف تلاطم برپا کر رکھا تھا، بنڈے کا پھیکا پڑنا
بھی موت کا وارنٹ تھا۔ بے چاری راحت کے پاؤں تلے کی زمین
نکل گئی۔ پردیس کا عالم نہ حق نہ ہمسایہ جس کو دیکھو پرایا۔ گھر والے
کا یہ حال۔ کچھ نہ پوچھو کہ اس بے چاری پر کیا گزر رہی تھی۔ گھر والی
کے دل میں طرح طرح کے وہم آنے لگے اور آنے ہی چاہئیں۔

ایک تو پردیس دوسرے تنہائی اپنا پرایا کوئی گھس لگانے کو نہیں گھبرا کر میاں سے پوچھنے لگی کہ تم تو بھلے چنگے گئے تھے' بخار کب چڑھا۔ حکیم کو بلاؤں یا ڈاکٹر کو؟۔

کبیر علی- کسی کو بھی نہیں۔ بس تم چلنے کی ابھی طیاری کر دو دیر نہ لگاؤ میں اب دلّی چلوں گا کہ کسی طرح اپنوں میں تو جا پڑوں۔ کبیر علی اس بخار کو پیغامِ اجل سمجھ گیا تھا مگر نہیں چاہتا تھا کہ اپنا ہراس بیوی پر ظاہر کرے۔ کیوں کہ عورتیں بڑے کچّے دل کی ہوتی ہیں اور یہ بے چاری تو یوں بھی کم زور دل کی تھی۔ میاں نے کہا کہ تم گھبراتی کیوں ہو؟۔ اللہ مالک ہے مجھے کچھ ایسا بخار نہیں میرا خیال ہے کہ یہ معمولی تپ ہے۔ دلّی جا کر معقول علاج ہو جائے گا۔ راحت نے میاں کا بدن ہاتھ لگا کر دیکھا تو پھُک رہا تھا۔ چوں کہ تپ لحظہ بہ لحظہ بڑھتی چلی جارہی تھی راحت کے پڑوس میں جو ایک مولوی صاحب رہتے تھے اُن کی بیوی کے پاس اپنی ماما کو دوڑایا کہ اگر آپ اپنے لڑکے یا کسی اور سے کسی ڈاکٹر کو جلد بلوا دیں تو بڑی مہربانی ہو۔ مولوی صاحب آدمی تھے معقول' یہ سنتے ہی وہ خود دوڑے گئے اور اکبری منڈی سے ڈاکٹر کو بلا لائے۔ جب تک ڈاکٹر نہیں آیا وہ اندر کی باہر اور باہر کی اندر گھبرائی گھبرائی پھرتی رہی۔ کبیر علی بخار میں بے ہوش پڑا تھا کہ اتنے میں ڈاکٹر کو لے کر مولوی صاحب آ گئے۔ راحت دوسرے کمرے میں ہو گئی۔ ڈاکٹر مریض کے کمرے میں گیا اور تھرمامیٹر لگا کر دیکھا' تو بخار

ایک سو چھ ڈگری تھا۔ ڈاکٹر نسخہ لکھ فیس جیب میں ڈال چلتا ہوا۔ راحت
سیاں کے پاس آئی تو دیکھا کہ بے سُدھ پڑا تھا۔ مولوی صاحب کا لڑکا
دوا لے کر آیا اور ظہورن سے کہا کہ ڈاکٹر نے تین تین گھنٹے بعد اس عرق
کو پلانے کو کہا ہے۔ آج راحت کو کھانے پکانے کی کچھ سدھ نہ تھی اُس کا
دل کب ٹھکانے پر تھا وہ سیاں سے زیادہ بدحواس تھی ایک تو عورت
ذات اور پھر اکیلی اور کوئی مرد گھر میں نہیں اُس کے ہاتھ پاؤں پھولے ہی چلے
وہ چاہتی تھی کہ کسی طرح بخار دھیما ہو اور یہ آنکھ کھول دیں تو جان میں جان
آئے۔ مگر یہ اس کے بس کی بات نہ تھی۔ بخار نے جنبش نہ کھائی۔ تب
سرِ شام دلی کو ارجنٹ تار دیا گیا۔ آہ راحت تیری حالت پر ہم کو سخت افسوس
ہے۔ بیمار سے زیادہ تیرا چہرا اُتر گیا ہے۔ تو خود بیمار معلوم ہونے لگی۔
اب تیرے گلے میں ایسا سوگ کا ہار پڑنے والا ہے جو تیری زیست تک
جدا نہ ہوگا۔ افسوس بادِ مخالف کے جھونکے بہت جلد تیرے سرسبز باغ
کو اُجاڑ دیں گے۔ بدنصیب راحت! ہماری قلم میں اب طاقت نہیں رہی
کہ تیری مصیبت کو دہرا سکیں۔ تیرا بشاش چہرا آج کیسا کُھلایا ہوا ہے۔
آج تو کیوں اس طرح گھر کے کام دھندوں سے الگ تھلگ بیٹھی ہے؟
تجھے وہم نہیں آتا کہ چولھے میں آگ تک نہیں پڑی۔ راحت نے سیاں
کے پلنگ کی پٹی نہیں چھوڑی۔ کس کا کھانا اور کہاں کی بھوک۔ تمام
رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹ گئی اور پلک سے پلک نہ جھپکی۔ خدا خدا
کر کے صبح ہوئی مگر بخار جوں کا توں تھا۔ بلکہ غفلت اور زیادہ تھی۔ راحت

دو وقت صاف گزر گئے مُنہ میں کھیل کا دانہ تک اُڑ کر نہیں گیا۔ میاں کے پلنگ کے پاس بیٹھی ہوئی کبھی سر دبا رہی ہے کبھی پاؤں کہ اتنے میں دروازے پر کسی نے کھٹکھٹایا۔ ظہورن دوڑی گئی۔ دیکھا تو نثار احمد تھے۔ غرض یہ کہ وہ آ گئے۔ بھائی نے بہن کو دیکھا بدحواس، بہنوئی کو پایا بے ہوش۔ نثار نے بہن سے پوچھا علاج کس کا ہے۔ یہ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر کا لیکن کچھ فائدہ نہیں۔ بہنوئی کو سالے کے آنے کی خبر بھی نہ ہوئی وہ اپنے ہوش حواس میں نہ تھا۔ بہن نے کہا بھائی خدا کے واسطے دیر نہ کرو پہلی ٹرین سے انھیں دلّی لے چلو۔ کھانا تو کئی وقت سے پکّا نہ تھا۔ بھائی کے لیئے بازار سے کچوریاں منگا دیں، بھائی کے اصرار سے بہن بھی بیٹھ گئی مگر مُنہ میں نوالا نہ چلا اور دونوں مُنہ جھٹال کر کھڑے ہو گئے۔ رات کو بھی اسی طرح برائے نام کچھ مُنہ میں ڈال لیا سارا دن باندھا بوندھی اور سامان کی سمیٹا سماٹی میں لگا۔ راحت سامان باندھتی جاتی تھی اور ایک ایک آنکھ سے لاکھ لاکھ آنسو ٹپک رہے تھے۔ میاں اور بھائی سے چھپ چھپ کر روتی تھی کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ رات جوں توں کر کے کٹی۔ دوسرے دن کی پہلی گاڑی سے نثار احمد بہن بہنوئی کو لے مع سامان کے دہلی روانہ ہو گئے۔ کبیر علی کی طرف سے رخصت کے لیئے ہیڈ ماسٹر کو ایک درخواست بھیج دی۔ بیماری کی وجہ سے ایک مہینے کی رخصت منظور ہو گئی مگر یہ کسے خبر تھی کہ آگرے سے نہیں دنیا ہی سے رخصت کا وقت آ گیا! ۔ راحت کا بھائی

جب آگرے آیا تو راحت کی نانی نے کبیر علی کی ماں سے کہلا بھیجا کہ تار آیا تھا کہ دشمنوں کی طبیعت خراب ہے نثار کو بُلایا ہے وہ جب ہی چلا بھی گیا۔ شہزادہ بیگم بہت پریشان ہوئیں کہ خدا معلوم کیسی طبیعت ہے جو سالے کو تار دے کے بلایا ہے۔ غرض نثار بہنوئی کو لے کر چلا اول تو آگرے سے چلنے ہی میں دقّت ہوئی کہ ایسے بیمار کو ریل میں نہیں بٹھاتے جوں توں کر کے وہاں سے نکلے تو دلی کے سٹیشن پر بڑی روک ٹوک اور قرنطینہ تھا۔ وہ تو نثار ہی کا کام تھا جو بچ بچا کر نکل آیا اور سٹیشن سے بہ ہزار دقّت گھر تک بیمار کو لائے اور ڈنڈا ڈولی کر کے پلنگ پر ڈالا۔ ماں نے بیٹے کی حالت دیکھی تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے سارا کُنبہ جمع ہو گیا۔ راحت کی نانی اور کبیر علی کی دونوں بہنیں فوراً آن پہنچیں۔ یہ رات بہت بُری طرح کرب میں گزری۔ کبیر علی کی بے قراری دیکھی نہ جاتی تھی۔ اُس نے صبح اپنی ماں سے کہا کہ امّاں جان دیکھنا ذرا میری بغل، ایک گُٹھلی سی معلوم دیتی ہے جس میں بہت دُکھن ہے۔ دیکھا تو واقعی گُٹھلی تھی۔ بخار کے ساتھ گُٹھلی کا ہونا صاف علامت طاعون کی تھی۔ ماں کا کلیجہ دھک سے ہو گیا۔ ماں دُکھیاری آفت کی ماری بالکل گھبرا گئی فوراً ڈاکٹر کے لیئے نثار کو دوڑایا۔ ان دنوں دلّی میں بھی موسمی بخار کی بھرمار تھی اور ڈاکٹروں کی بہار۔ وہ ہوا کے گھوڑے پر سوار آیا اور دیکھتے ہی بے دھڑک کہہ دیا کہ طاعون کی گلٹی ہے تم سب مریض کو علیٰحدہ رکھو۔ یہ خبر سُن کر سب کے

اوسان خطا ہو گئے - راحت کے دل پر بجلی سی گری، آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا - کسی نے کہا کہ نہیں بی وہم نہ کرو خاک اُس موئے ڈاکٹر کے مُنہ میں اُسے صدقے کر کے پھینکوں، نوج یہ وہ بیماری ہو یہ تو ٹکرالی معلوم دیتی ہے کسی حکیم یا جرّاح کو دکھاؤ ڈاکٹر اپنے لینے کے واسطے خواہ مخواہ بیماری کو بڑھا بھی دیا کرتے ہیں - شہزادہ نے فوراً حکیم کو بلایا اُن کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو رہی تھی جو کوئی کہتا تھا کرتی تھیں حکیم نے آن کر دیکھا - کبیر علی کے والد اور حکیم صاحب سے بہت میل جل تھا - بڑی دیر تک غور سے دیکھتے رہے اور دو نسخے لکھ دیئے ایک پلانے کا دوسرا لیپ کا - خدا نے چاہا تو بخار بھی کم ہوگا اور گُٹھلی بھی بیٹھ جائے گی، گھبرانے کی کچھ بات نہیں - خدانخواستہ وہ مرض نہیں ہے جس کا تم کو وہم ہے - یہ اُن کا کہنا محض مروّت اور دلدہی کی وجہ سے تھا کہ حکیم لوگ ڈاکٹروں کی طرح تڑسے مریض کے مُنہ پر نہیں کہہ دیتے کہ نہ مرتا ہو تو دم چھوڑ دے، مگر وہ سمجھ ضرور گئے تھے کیوں کہ تجربہ کار اور نامور حکیم تھے - کبیر علی تو بخار آتے ہی سمجھ گیا تھا کہ پیغامِ اجل ہے مگر پھر بھی ذرا سی آس لگی ہوئی تھی گِلٹی کا نمودار ہونا تھا کہ موت سامنے آن کھڑی ہوئی - اب ذرا ہوش آگیا تھا - اُس نے کم زور آواز سے یہ شعر پڑھے - ؎

مجھ کو دیکھا اے مسیحا حال چھپانا مرا ۔۔۔ کہیئے ممکن ہے کہ ناممکن شفا پانا مرا؟
چار دن بھی میں نہ ٹھیرا اس ہرا دہر میں ۔۔۔ اک تماشا بن گیا آنا مرا جانا مرا

گو حکیم صاحب بہت کچھ تسلّی دے کر چلے گئے تھے مگر بیمار خوب جانتا تھا کہ آگرے کے جراثیم اُس کے جسم میں سرایت کر گئے ہیں اور یہ طاعون کا کھلا کیس ہے میں اب گھڑی ساعت کا مہمان ہوں - آہ ایسی موت خدا دشمن کو نہ دکھلائے - کیا بے کسی کا وقت ہے - وہ پہاڑ سا دن اور ساری رات جس بے قراری میں کٹی قلم سے اُس کی کیفیت کب ادا ہو سکتی ہے دوسرے دن علی الصّباح کبیر علی کی حالت اور بگڑ گئی - چہرے پر مُردنی چھا گئی - سانس اُلٹ گیا - آنکھیں پتھرا گئیں مگر اوسان سب درست تھے - ایک ایک کا مُنہ حسرت سے تکتا تھا اور چُپ ہو جاتا تھا آخر بیوی کی طرف دیکھ کر یہ شعر پڑھا - ؎

نسیم صبح ہوں یا بوئے گُل یا شمعِ سوزاں ہوں
میں ہوں جس رنگ میں صاحب غرض دم بھر کا مہماں ہوں

راحت اپنے کو سنبھالے ہوئے مبہوت بیٹھی تھی - ماں کا بس نہ چلتا تھا کہ بیٹے کی آئی خود جھیل لے - موت سے کسی کو نجات نہیں - کوئی کسی کے بدلے نہیں مرتا جس کی آتی ہے مقرر وہی جاتا ہے مگر حلِ کوچ کا آخری وقت جس کا دھڑکا تھا آہی گیا - منٹ منٹ پر حالت بگڑنے لگی - ماں سے ہاتھ جوڑ کے دودھ بخشوایا - اور بیوی کی طرف ایسی حسرت آلود نگاہ سے دیکھا کہ جو پھر نہ پلٹی - کچھ کہنا چاہتا تھا مگر زبان نے یاری نہ دی - بڈھا باپ جوان بیٹے کے سرہانے کھڑا ٰیٰسین شریف سنا رہا تھا - دل قابو میں نہ تھا بدن میں رعشہ زبان میں لغزش

ماں سر پکڑے الگ بیٹھی تھی۔ اُس کی تیس برس کی کمائی لٹ رہی تھی جوان بیوی کا سہاگ تہِ خاک ہو رہا تھا۔ خرخرہ شروع ہو گیا۔ بیٹے کی سکرات کے ساتھ ماں کے بھی تن بدن کا دم سُنت رہا تھا۔ بیوی دل کڑا کر کے اُٹھی اور چمچے سے شربت مُنہ میں ٹپکایا جو باچھوں سے نکل گیا۔ اور دیکھتے دیکھتے ایک ہچکی آئی۔ ادھر یٰسین ختم ہوئی اُدھر زندگی تمام ہوئی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔

فقیرانہ آئے صدا کر چلے ۔۔۔ میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم ۔۔۔ سو اس عہد کو اب وفا کر چلے
شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی ۔۔۔ کہ مقدور تک تو دوا کر چلے
وہ کیا چیز ہے آج جس کے لئے ۔۔۔ ہر اک چیز سے دل اُٹھا کر چلے
کوئی نا امیدانہ کرتے نگاہ ۔۔۔ سو تم ہم سے مُنہ ہی چھپا کر چلے
دکھائی دیئے یوں کہ بے خود کیا ۔۔۔ ہمیں آپ سے بھی جُدا کر چلے
جھڑے پھول جس رنگ گلبن سے یوں ۔۔۔ چمن میں جہاں کے ہم آ کر چلے
نہ دیکھا غمِ دوستاں شکر ہے ۔۔۔ ہمیں داغ اپنا دکھا کر چلے

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میر
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے؟

تمام گھر میں آہ و بُکا کا شور و غُل برپا ہو گیا۔ راحت آہ تیرا دائمی عیش چھن گیا۔ تیرے سر پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا۔ یہ کیا جگر خراش صدمہ تیرے ستم رسیدہ دل پر پڑا ہے۔ جس کے سبب سے زمین آسمان

تیری نظروں میں تیرہ و تار اور جہان آنکھوں میں اندھیر ہے۔ افسوس! تجھ کم بخت اور بد نصیب سے آسمان نے ایک باوفا دوست اور سر پرست کو چھڑا دیا۔ اے راحت خدا تجھ پر اور تیری ستم کش جان پر رحم فرمائے۔ سچ یہ ہے کہ تو اب بالکل ہی بے وارث ہو گئی۔ دنیا تیرے لیئے ویران اور اندھیر ہے۔ صبر کر اور زیادہ رو کر مرنے والے کی روح کو نہ تڑپا ہوش میں آ خدا تیرا مددگار ہے۔ راحت کی کیفیت کو کچھ وہی دل اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں جن میاں بیوی میں ایسا گہرا میل ملاپ ہو۔ راحت کی ساس بیٹے کے پلنگ کے پاس ششدر بیٹھی تھیں جوان بیٹے کا صدمہ کچھ ایسا ویسا نہ تھا۔ بڑی بی کی آنکھ کا آنسو سوکھ گیا تھا۔ بھائی اور بہنیں جدا پچھاڑیں کھا رہی تھیں۔ مگر کیا کرتے کچھ بس کی بات نہ تھی۔ اس ہونہار اور جوان کی موت کو جو سنتا تھا کفِ حسرت و افسوس ملتا تھا۔ دن چڑھتے چڑھتے سب عزیز و قریب جمع ہو گئے اور تجہیز و تکفین کا انتظام ہونے لگا۔ کُنبے کی دو چار بڑی بوڑھیوں نے راحت بد نصیب کے ہاتھوں سے کڑے اُتارے اور چوڑیاں جو سہاگ کا نشان تھیں ٹھنڈی کیں۔ اُس وقت اُس کے دل کی کیفیت کیا تھی؟ کیونکر بیان کی جائے۔ ساس، بہو کے ننگے ہاتھ اور سفید دوپٹہ دیکھ کر تڑپ گئیں اور بولیں دُلہن خدا کے واسطے میرے سامنے سے ہٹ جاؤ مجھ سے تمھاری یہ حالت دیکھی نہیں جاتی۔ تم نے سفید دوپٹہ کیوں اوڑھا۔ ہاتھ کس لیئے ننگے کیئے۔ کیا میرا کبیر میرے

مُنہ میں خاک اماں بندی مر گئی۔ ہائے میرا کلیجہ نکلا جاتا ہے۔ راحت کا دل اول تو خود بخود رو رہا تھا اُس پر ساس کے بین سے اور بھی پھٹنے لگا۔ غرض جنازہ گھر سے نکلا۔ گھر میں ایک کہرام مچ گیا۔ راحت بے چاری آفت کی ماری بے ہوش ہو گئی۔ سب لوگ جمع تھے۔ بہتیرا سمجھاتے تھے مگر بیکار تھا۔ تازہ زخم تھا صبر آتے ہی آتے آئے گا۔ شام کو لوگ شہزادہ کے نورِ نظر اور راحت کے تمام خوشیوں کے مرکز کو جنگل بیابان میں منوں مٹی کے نیچے دبا کر چلے آئے۔ تمام رات جس طرح گزری خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ تیسرے دن پھول ہوئے۔ راحت کی نانی نے نواسی کو رنڈسالے کا جوڑا دیا۔ پھولوں کے دن جس وقت راحت کے سر پر سفید دوپٹہ پڑا کیا بیان کیا جائے کہ کیا تلاطم بپا تھا۔ جو جو لوگ فاتحہ میں آئے تھے فاتحہ کے بعد چلے گئے۔ راحت کے لیئے اب اُس گھر میں رہنا ایک بڑی مصیبت کا سامنا تھا اور مشکل یہ تھی کہ کہیں جانا بھی ممکن نہ تھا۔ دن رات رونے سے کام تھا۔ اس میں کلام نہیں کہ دنیا کا کوئی صدمہ اس غریب سے نہ بچا۔ ماں باپ اولاد سب ہی کو تو رو چکی۔ کوئی آل اولاد سامنے نہ تھی کہ اُسی کو دیکھ کر ذرا غم غلط ہوتا اب تو ہر طرف سناٹا ہی سناٹا تھا۔ کسی طرف سے ٹھنڈی ہوا نہ آتی تھی جدھر نظر کرتی تھی غم کی ڈراونی گھٹا اُمڈی چلی آتی تھی۔

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا　　بس ہجومِ یاس دل گھبرا گیا
راحت صرف نام کی راحت تھی اب راحت اُس سے کوسوں دور تھی

کسی کروٹ آرام یا کسی کل چین نہ تھا۔ وفورِ غم سے کلیجہ چور چور تھا۔ راحت کی سہیلی میمونہ چوں کہ باہر گئی ہوئی تھی اس لیئے تعزیت کو نہ آسکی اب جب دہلی میں آئی تو اُس نے اس سانحۂ ہوش رُبا کا حال سنا۔ تڑپ گئی۔ فوراً آنے کو کہلا بھیجا۔ ہوش باختہ راحت کو نہ کسی کا آنا سوجھتا تھا نہ جانا مگر دنیا کی رسم کے مطابق لوگ پُرسے کو آتے جاتے ہی رہتے تھے۔ ع

کیا ہنسے کوئی بھلا کیا رو سکے دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے

راحت نے کہہ دیا کہ شوق سے آؤ اور اس نیم مردہ کو دیکھ جاؤ۔

باب (۱۸) - راحت کی بیوگی کے حالات

کس کس کی یاد دل سے بھلاؤں میں دل فگار
اک دل ہے میرا جس پہ پڑے داغ بے شمار

اگلے دن صبح کے دس بجے بی میمونہ ڈولی سے اُتریں راحت میمونہ گلے ملی۔ گلے ملنا ہی تھا کہ آنسوؤں کا دریا اُمنڈ آیا۔ آنکھوں سے ساون بھادوں کی جھڑی لگ گئی۔ ع

ہم رونے پہ جب آئیں تو دریا ہی بہا دیں ٭ شبنم کی طرح سے ہمیں رونا نہیں آتا

بڑی مشکل سے جب دل ٹھیرا تب دونوں کمرے میں آن کر بیٹھیں تو راحت بت کی طرح خاموش تھی۔ میمونہ اپنی سہیلی کو آج سفید دوپٹہ اوڑھے دیکھ کر بہت کُڑھی اور اُس کی بدنصیبی اور بے کسی پر دل کٹنے لگا۔ راحت کا سہاگ خاک میں مل چکا تھا اُسے اب رنگے پیلے سے کیا سروکار تھا۔

سر جھاڑ منہ پہاڑ بیٹھی تھی - ان دنوں اُس پر بیوگی کی گھٹا چھائی ہوئی تھی - آنکھیں جو کسی کے غم میں روتے روتے اُلٹ گئی تھیں دیکھی نہ جاتی تھیں - میمونہ تھوڑی دیر اُس غم کی پُتلی کو ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی اور دل ہی دل میں کہنے لگی کہ ہائے! غم بھی کیسی بُری بلا ہے - نہ وہ صورت رہی نہ وہ حالت غم نے ایسا گھلا دیا کہ پہچانی نہیں جاتی - یا اللہ! یہ جوانی اور یہ رنڈاپا دنیا کیسے کٹے گی - بہتیرا چاہتی تھی کہ موت اور بیماری کا کچھ حال پوچھے مگر زبان نہ اُٹھتی تھی کس دل سے پوچھے کس سے پوچھے اور کیوں کر پوچھے - کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ ذکر چھیڑ ملنے کی دیر تھی کہ اشکوں کا دریا اُمنڈ آئے گا آخر کچھ دیر سکوت کے بعد بولی بہن راحت مجھے تمہاری مصیبت کا جس قدر صدمہ ہے میں ہی جانتی ہوں - لیکن کیا کروں کہ یہ بٹانے کی چیز نہیں - تم یقین مانو کہ جب ابا جان کے خط سے مجھے یہ حال معلوم ہوا تو ایسا دہلا کا بیٹھا کہ کچھ کہا نہیں جاتا - یہ دل چاہا کہ پر لگ جائیں تو اُڑ کر تم تک پہنچ جاؤں لیکن خدا مجبوریوں کا بھلا کرے جس کے ہاتھوں میں کیا سب ہی بے بس ہیں - کل میں آئی اور دل یہی چاہتا تھا کہ سیدھی یہیں اُتروں مگر بن نہ پڑا جوں توں کر کے بہزار دشواری رات گزاری اب چھٹکارا ملا تو آئی - خدا کے لیئے بہن تم اس قدر رنج نہ کرو صبر بہت بڑی چیز ہے - مجھ کو دیکھو کہ میں بھی تم ہی جیسی ہوں میں تمہاری مصیبت کا صحیح اندازہ کر سکتی ہوں تم کو دیکھ کر میرا بُرانا زخم ہرا ہو گیا اور غم تازہ

ہوگیا نہ کچھ کہہ سکتی ہوں نہ چُپ رہ سکتی ہوں۔ ؎

کہیا کہوں کچھ کہا نہیں جاتا اور چُپ بھی رہا نہیں جاتا

واقعی یہ صدمہ ناگفتہ بہ ہے تم کو کس دل سے صبر کی تلقین کروں اور کس مُنہ سے کہوں کہ استقلال سے کام لو۔ میں بھی لاکھ لاکھ بار دل کو سمجھاتی تھی اور سمجھاتی ہوں مگر وہ زخم ہی ایسا کاری ہے کہ بھر ہی نہیں سکتا۔ تم کو سمجھانے سے پہلے مجھے اپنے دل پہ ہاتھ رکھنا چاہئے تاہم صبر کے بہت بڑے بڑے درجے ہیں۔ ہم کو دوسروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کرنی چاہیئے کہ دنیا میں ہم سے کہیں بڑھ بڑھ کے لوگ مصیبت مند ہیں ہم پہ اگر ایک صدمہ ہے تو اُن پر سیکڑوں۔ رونے اور غم کرنے سے اگر مرنے والا واپس آجائے تو جتنا رو و بجا سکیں جب یہ ممکن نہیں تو رونا دھونا بے سود۔ بہرحال اُس کی خوشی میں خوش رہنا اور مصیبت میں صبر کرنا فرض ہے۔ مالک کی مرضی ہے بندہ ناچار کو مجال دم زدن نہیں۔ ہر حال میں اُس کا شکر ہے تمہارا صدمہ اور رنج حق بجانب ہے۔ بہن یہاں تو معاملہ ہی اور ہے جو گیا پھر آتا نہیں۔ بیکہ میں تم نے کچھ سُکھ نہیں دیکھا۔ ایک ان بے چارے کا خدا بخشے سہارا تھا سو وہ خدا نے یوں اُٹھا لیا۔ راحت میمونہ کی باتیں ایک عالم سکوت میں سُنتی رہی پھر بیمار رہی اور موت کا سارا حال تفصیل سے بیان کیا اور کہا کہ میمونہ خدا گواہ ہے زندگی کا مزہ جاتا رہا۔ اب ایسا چاہنے والا کہاں پیدا۔ واقعی بات یہ ہے کہ میری رنج و راحت

کا ایک سچا ہمدرد صفحۂ دنیا سے مٹ گیا - دل تڑپتا ہے کہاں ڈھونڈنے جاؤں اور کس طرح پھر اُسے ایک نظر دیکھ لوں !- آہ ایسا دور دراز کا سفر اختیار کیا ہے کہ اب کے بچھڑے حشر میں ملیں تو ملیں - یہ آنکھیں اب اُس صورت کو ترس جائیں گی جس سے ہماری زندگی زندگی تھی اماں جان مجھے ایک دم کو نہیں چھوڑتیں گھر مجھے کاٹے کھاتا ہے دم اُلٹا جاتا ہے لیکن اب تو ہر طرح زندگی کے دن پورے کرنے ہیں

ع شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن - عدت کی بیڑی ایسی پیر میں پڑی ہوئی ہے کہ گھر کے باہر قدم نہیں دھر سکتی - بہن یقین جاننا کہ میرا دل اب مطلق یہاں نہیں لگتا - جس کے کارن میں یہاں تھی جب وہ ہی اُٹھ گیا تو میرا رہنا بے کار اور میرا وجود دوسروں کی نظروں میں خار - اُن کی جگہ خالی اور ایک ایک چیز دیکھ دیکھ کر میرا کلیجہ پھٹا جاتا ہے - جس دم سے یہ گھر تھا جب وہ دم ہی نہ رہا تو میرا یہاں بیٹھنا بالکل بے سود دعا کرو کہ اللہ میری مٹّی عزیز کرلے - میرے دل میں اب ذرّہ برابر کسی بات کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں رہی - کسی کام میں دل نہیں لگتا - کیا میں اسی لیئے پیدا ہوئی تھی کہ سب کو اپنے ہاتھوں سے سپردِ خاک کروں پتّھر کا کلیجہ کہاں سے لاؤں جو دل کو صبر دوں - یہ کہہ کر ہچکی بندھ گئی -

میمونہ - بہن تم پڑھی لکھی سمجھدار ہو رونے دھونے سے مرنے والے کی روح کو تکلیف پہنچتی ہے - نتیجہ کچھ بھی نہیں - میت کے حق میں تمہارے

دوستی نہیں ہے بلکہ اُس کے حق میں ایک طرح کی دشمنی ہے - خدا کے لیئے اپنے دل کو قابو میں رکھو - ہمت و استقلال سے صبر وشکر کے ساتھ اپنی زندگی کے دن بسر کرو - اور یہ رونا کچھ آج کا نہیں ساری عمر کا ہے مگر اپنی جان کھونا صریح نادانی ہے - زندگی اپنے بس کی بات نہیں کہ جب تک عیش و آرام سے بسر ہوئی جیئے اور جب کچھ اونچ نیچ ہوئی مر رہے - دنیا آزمایش کی جاے ہے ورنہ توبہ توبہ خدا کو ہم سے کچھ بیر بغض یا دشمنی ہے جو ہمارے پیاروں کو چُن چُن کے مارتا ہے اُس کی حکمت وہی جانتا ہے - اگر خدانخواستہ بھول کر بھی کبھی ایسا وسوسہ شیطانی دل میں آیا تو دنیا تو گئی تھی دین بھی غارت ہوا - یاد رکھو کہ ہر مصیبت میں کچھ بھید ہے - ہر مصیبت پیش خیمہ ہے کسی نہ کسی راحت کا - دنیا کا کارخانہ اسی طرح چلتا رہا ہے اور تا قیامت چلتا رہے گا - انسان ناچار ہے اُس کی مرضی میں مجالِ دم زدن نہیں - سوائے صبر وشکر کے چارہ کیا ہے - راحت نے اس قدر درد آمیز لہجے میں یہ اشعار پڑھے کہ میمونہ کے بھی بے اختیار آنسو نکل پڑے - ؎

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کے — موت آتی ہے پر نہیں آتی
آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی — اب کسی بات پر نہیں آتی

یہ شعر پڑھ کر دیر تک روتی رہی - پھر بولی میمونہ خوش نصیب ہیں وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کے سامنے پیوندِ خاک ہو جائیں - میری بدنصیبی تو شروع ہی سے سب پر ظاہر ہے - لڑکپن کا وہ زمانہ جو نہایت خوشی اور آزادی کا زمانہ کہلاتا ہے مجھ پر کیسا سخت گزرا - خدا نہ کرے میں کچھ اُس کی

شکایت نہیں کرتی۔ چھوٹی سی عمر میں ماں کا سایہ سر پر سے اُٹھ گیا اور باپ ہی کو ماں سے زیادہ چاہنے لگی۔ مگر آہ میری اُس حالت کو بھی قیام نہ ہوا اور باپ کو بھی ماں کے پہلو میں سُلا دیا۔ ان صدمات نے میرا دل ایسا بجھا دیا تھا کہ مجھے اپنی شادی بیاہ کی بھی جیسی چاہیئے خوشی نہیں ہوئی۔ مگر خدا کو منظور تھا بیاہ کا فریضہ ادا ہو گیا۔ تھوڑے دن تو میں بہت غم زدہ رہی مگر پھر طبیعت بہل گئی۔ برائے نام ذرا غم غلط ہونے پایا تھا کہ کوہِ غم ٹوٹ پڑا۔ یہ غم ایسا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہیں جو اسے مٹا تو کیا ہلکا بھی کر سکے۔ افسوس مجھ بدنصیب کو وہ بھی نہ نباہ سکے۔ میری نحوست اُن پر بھی پڑ گئی۔ میمونہ تم کہتی ہو کہ رو و نہیں۔ میں نہیں روتی میرا دل بڑا روتا ہے۔ جب دل میں خوشی نہیں تو ہنسی مذاق کیسا۔ میں بہت کوشش کرتی ہوں کہ دل کو بہلاؤں غم غلط کروں مگر کیا کروں مجبور ہوں۔

ہمارے دیدۂ گریاں سے ابر تر کو کیا نسبت
وہ اک چھالے میں تھم جاتا ہے یہ برسوں برستے ہیں

میمونہ سمجھ گئی کہ راحت غم و الم کی مجسم پُتلی ہے۔ اس وقت غم تازہ ہے اور ابھی جگر میں گڑا ہی ہے۔ میری کوئی بات کارگر نہ ہوگی۔ چپ بیٹھ گئی اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی۔ یہ دونوں اپنی اپنی باتوں میں ایسی محو تھیں کہ میمونہ کو خیال نہ رہا کہ راحت کی ساس سے بھی ملنا چاہیئے تھا۔ اب دفعۃً خیال آیا تو چونک پڑی اور کہنے لگی ابھی دیکھنا ہیں تمھاری اماں جان سے نہیں ملی۔ اور چاہیئے یہ تھا کہ پہلے اُن کو پُرسا دیتی کہیں

ایسا نہ ہو کہ وہ سمجھیں کہ دماغ داری آئی نہیں - خیر اب تم مجھے لے چلو -
راحت - ضرور چلو مجھ کمبخت کو بھی یاد نہ رہا - وہ بے چاری بھی
مردے سے بدتر ہیں - میں پہلے تو اُن کے پاس بہت آیا جایا کرتی تھی
اور گھنٹوں بیٹھی رہتی تھی مگر اب کم جاتی ہوں -

میمونہ - (متعجب ہو کر) کیوں ؟

راحت - کیا بتاؤں کہ کیوں - چار پانچ روز سے اُن کا کچھ اور ہی
رنگ ڈھنگ نظر آرہا ہے - عدت تو جلد ختم ہونے والی ہے - میں بھی اُڑتی
پڑتی سن لیتی ہوں اور دل پر رکھ کر مجھے سناتی رہتی ہیں کہ یہ تو تقدیری
معاملہ تھا جو ہونا تھا سو ہو گیا مگر ایک گھر کی بہو دوسرے گھر میں جانا
مناسب نہیں - خدا جانے کیا کچھ بندوبست اندر ہی اندر ہو رہا ہے ہر وقت
کھسر پھسر لگی رہتی ہے - معلوم نہیں وہ کیا مصلحت ہے مجھے تو ان لوگوں
کے تیور کچھ اچھے نظر نہیں آتے خدا خیر کرے مجھ جنم جلی کی کیا کچھ اور
مٹی پلید کرنے کا ارادہ ہے - خبردار تم کچھ زبان سے نہ نکالنا ابھی چپ
بیٹھی رہو دیکھو خدا کیا کرتا ہے - تانت باجی راگ پایا - تم دیکھ لینا یہ
صدمات مجھے ضرور بہت جلد قبر کے کنارے پہونچا دیں گے اور ان کی
باتیں مجھے بن موت مار ڈالیں گی - میمونہ راحت کی ساس کے پاس
گئی وہ بے چاری بھی بیٹے کے غم میں زندہ درگور تھیں - بہو کی سہیلی
کو دیکھ کر پھر بڑی بی کا غم تازہ ہو گیا - رونے لگیں - میمونہ نے بڑی بی
سے اظہار ہمدردی اور بہت کچھ افسوس کیا - بارے غنیمت ہے کہ انہوں نے

بہ کچھ اور ذکر نہیں چھیڑا اور اس کا موقع بھی نہ تھا لیکن راحت کی طرزِ گفتگو سے میمونہ اُن کی ساس کا عندیہ تاڑ گئی مگر گول ہو گئی اور مغرب سے پہلے پہلے یہ اپنے گھر چلی گئی۔

باب (۱۹) - راحت پر مصیبت پر مصیبت"

مارے باندھے کا دوسرا نکاح" یک نہ شد دو شد

رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیئے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو
پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیمار دار
اور اگر مر جایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

میمونہ کے چلے جانے کے بعد راحت جب سونے لیٹی تو بہت دیر تک سوچتی رہی جس سے اُس کی نیند اُچاٹ ہو گئی - بات یہ تھی کہ عدّت قریب الختم تھی - ساس نہیں چاہتی تھی کہ ایک دن کو بھی یہ میکے جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہاں جا کر پھسل پڑے - عام دستور یہ ہے کہ عدّت ختم ہوتے ہی لڑکیاں عارضی طور سے میکے چلی جاتی ہیں یہ بھی اسی طرح جانا چاہتی تھی لیکن چور کی ڈاڑھی میں تنکا ساس کی نیّت بدلی ہوئی تھی اُنھوں نے اپنی بدگمانی کا اثر بہو کے سر تھوپا کیوں کہ جیسا انسان خو

ہوتا ہے ویسا ہی دوسروں کو بھی سمجھتا ہے۔ ممکن ہے کہ میکے جاکر قابو سے باہر ہو جائے سونے کی چڑیا ہاتھ سے نکل جائے اور بنی بنائی بات بگڑ جائے اس پیش بندی کے مارے اُنھوں نے بہو کو کھسکنے ہی نہ دیا اور میکے سے بالکل تڑا لیا۔ راحت ساری رات اپنے تفکّرات اور خیالات میں غلطاں پیچاں رہی۔ صبح اُٹھی حسبِ معمول نماز قرآنِ شریف سے فارغ ہو کر ساس کے دالان میں گئی۔ ساس کو دیکھا تو وہ بیٹھی ہوئی سروتا کھٹکھٹا رہی تھیں۔ بہو سلام کر کے بیٹھ گئی اور ادھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں۔

ساس۔ جمعے کو تمھاری عِدّت اُترے گی کیا تم واقعی میکے جا رہی ہو بیٹی اللہ جانتا ہے میں تم کو ہوئی مٹّی کی نشانی سمجھتی ہوں اور یہ جی چاہتا ہے کہ تم میری نگاہ سے ایک دم کو بھی اوجھل نہ ہو۔ میکے جانے کو میں منع نہیں کرتی شوق سے جاؤ مگر جلدی ہی آجانا۔

راحت میاں کا نام سن کر رونے لگی۔ ساس بھی بیٹے کو یاد کر کے بے قرار ہو گئیں۔ راحت نے کہا کہ امّاں جان میں آپ کی تابع دار ہوں مجھے خود بھی آپ سے الگ رہنا کب گوارا ہے لیکن خدا کو یہی منظور تھا میں آپ کے حکم سے کسی حال باہر نہیں مگر نانی امّاں نے کل بھی نتّا سے کہلا بھیجا ہے کہ تم جمعہ کو ضرور ضرور جلدی آنا۔ لیکن آپ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ میں پھر نہ آؤں گی۔ نہیں کبھی نہیں میں اپنی ساری زندگی اسی چوکھٹ پر کاٹ دوں گی۔ ساس بہو کی یہ گفتگو سن کر کہنے لگیں کہ مجھے تم سے

یہی امید ہے کہ تم بڑوں کا کہنا ہرگز نہ ٹالو گی بلکہ اُن کی خوشی میں خوش رہو گی
راحت خانماں برباد کا آشیانہ عجب دو عملی میں تھا۔ ادھر ساس کی دو رخی
چال، مُنہ سے کہتی ہیں کہ جاؤ اور جب جانے کی سنتی ہیں تو روکتی بھی ہیں
اُدھر نانی خالہ کا تقاضا اُس بےچاری کی جان عجب جھمیلے میں تھی کچھ کرتے
دھرتے بن نہ پڑتی تھی۔ ساس کا یہ فقرہ سُن کر کہ تم بڑوں کا کہنا ہرگز
نہ ٹالو گی بلکہ اُن کی خوشی میں خوش رہو گی" راحت کا ماتھا ٹھنکا اور دل ہی
دل میں کہنے لگی کہ امّاں جان میری گفتگو کا اُلٹا مطلب سمجھیں یہ خیال
آتے ہی اُس کا دل دھڑکنے لگا اور اُسے یقین ہو گیا کہ وہ معاملہ جو
میں بالا ہی بالا سن چکی ہوں معلوم ہوتا ہے سچ ہے۔ راحت نے وہ فقرے
ساس سے صرف اس وجہ سے کہے تھے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ بیٹے کے
مرتے ہی بہو بھی الگ ہو گئی اور میکے جا کر بیٹھ رہے گی یا شاید دوسرا
نکاح کر لے گی۔ دوسرا نکاح کرنا کچھ عیب نہ تھا گناہ نہ تھا خدا رسول
کا حکم تھا۔ مگر اپنا اپنا دل اپنا اپنا خیال ہے۔ راحت کا منشا ہرگز نہ تھا
کہ وہ پھر نکاح کرے اور اُس پر طرہ یہ کہ اس قدر جلد، پھر گھر کے گھر ہی
میں۔ بلکہ اُس نے بالکل سچے دل سے کہا تھا کہ میں میکے جا کر واپس
آ جاؤں گی اور اپنی تمام عمر آپ ہی کے قدموں میں گزار دوں گی۔
مگر ساس کو اور اور لوگوں نے یہ صلاح دی تھی کہ بہو کو میکے ہرگز نہ جانے دینا
ورنہ وہ جا کر بیٹھ جائے گی اور حقیقت میں تھا بھی یہی کہ اگر اُسے صحیح طور پر
ساس کا عندیہ معلوم ہو جاتا کہ یہ ایسا کرنے پر تُلی ہوئی ہیں تو پھر ایک دفعہ

ان کے پنجے سے چھوٹ کر کبھی ممکن نہ تھا کہ وہ میکے جا کر ادھر کا رُخ بھولے سے بھی کرتی۔ دوپہر کے وقت راحت اپنی چھوٹی نند سے باتیں کر رہی تھی کہ اس کی رشتے کی ایک جیٹھانی جو دور سے مہمان آئی ہوئی تھیں راحت کے پاس آن کر بیٹھیں۔ تھوڑی دیر تک تینوں باتیں کرتی رہیں کہ اتنے میں راحت کی جیٹھانی نے رشیدہ سے آنکھ کا اشارہ کیا اور وہ طرح دے کر چلی گئیں۔ جیٹھانی نے راحت کو مخاطب کر کے سلسلہ جنبانی کی کہو بی دُلہن میکے کب جاؤ گی اور کتنے دنوں کے لیئے؟۔

راحت۔ نانی اماں نے بلا بھیجا ہے ان شاء اللہ جمعے کو جاؤں گی رہا آنا ابھی سے کیا کہوں وہاں جانے پر جو بات ٹھیرے سو بات۔ آپ جانتی ہیں کہ "رفتن بہ ارادت و آمدن بہ اجازت" جب وہ اجازت دیں

جیٹھانی۔ (چِڑ کر) اوئی اجمعے کو کیسے جا سکتی ہو بھلا اُس دن جانے کا کیا موقع ہے۔

راحت۔ کیوں دنیا جہان کا دستور ہے کہ عدت سے نکل کر میکے جاتے ہیں۔ جمعے کو چار بجے عدت اُترے گی اور نانی اماں آ خر آئیں ہیں گی ہیں بھی مغرب کے لگ بھگ اُن کے ساتھ چلی جاؤں گی۔

جیٹھانی۔ تم تو کچھ ایسی اُڑا اُڑا کر باتیں کرتی ہو گویا تمھیں کچھ خبر ہی نہیں۔

راحت۔ خبر کیسی ہے چبا چبا کر کیا باتیں کر رہی ہو صاف صاف کہو نا۔

جٹھانی۔ اے ہے بہن اُس دن تو تمھارا نکاح ہے نا۔ نکاح کا نام سن کر راحت کا رنگ فق ہو گیا اور چونک کر کہا کیسا نکاح کس کا نکاح کس سے؟ میرے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔ میرا سہاگ تو لٹنا تھا لٹ گیا۔

جٹھانی۔ اے بی اللہ اللہ کرو لو تمھیں معلوم ہی نہیں، مکرتی کیوں ہو، مقرر جمعے کے دن تمھارا نکاح ٹھیر چکا ہے، ساری دنیا کو تو خبر ہے اور تم کو نہیں کیا بچاری بھولی لو مجھ سے سنو نا۔ صغیر علی کو جانتی ہو؟ اُن سے تمھارا نکاح دُور نہیں اسی جمعے کو عصر مغرب کے درمیان ہو جائے گا۔ جب ہی تو تمھاری ساس میکے جانے کو روک رہی تھیں۔

راحت۔ خیر خیر مانگو۔ تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں، نہ اس بات کی بھنک بھی میرے کانوں تک پونہچی ہاں اب اسی وقت تمھاری زبان سے لاکلام سنا ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ اس طرح بے دھڑک تم نے مجھ سے کہہ دیا تمھیں ذرا خیال نہ آیا کہ مجھ رنڈیا کے دل پر کیا گزرے گی، اس وقت میرے تن بدن میں پتنگے سے لگ گئے ہیں۔ بس بی بس بڑی آئیں وہاں سے سکھائی پڑھائی خبردار جو پھر تم نے ایسی بات زبان سے نکالی ہوگی ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہیں۔ بڑی بے چاری اچھا نکاح کروانے آئیں۔ بھلا میں بھی تو دیکھوں کس کی مجال ہے، میں اپنا خون پانی ایک کر دوں گی لو اور سنو ایک نشد دو شد، ایسا بھی کیا ظلم ہے۔ واہ وا خوب!۔ اچھی خیر خواہی کے لباس میں دشمن بن کر آئیں۔ جان نہ پہچان خالہ بڑی سلام۔

میں کوئی بچہ نہیں کنواری نہیں جو بول نہ سکوں اور جہاں جس کا دل چاہے دھکیل دے ئیں میں کچھ ناتھی کا بیل نہیں کہ جدھر چاہا گھسیٹ لے گئے توبہ توبہ دو منہ دھو رکھیں۔ تم اماں جان کے کان اچھی طرح کھول دینا کہ ایسی باتیں زبان سے نہ نکالیں مجھ دکھیا کو زیادہ نہ دکھائیں غضبِ خدا کہ اُن کو بہو کے نکاح اور دوسرے بیٹے کا گھر آباد کرنے کی سوجھی ہے۔ جس کے شوہر کا ابھی کفن بھی میلا نہ ہوا ہو اُس کی بیوی دوسرا نکاح کرے! مٹ جائے وہ کرتی اور کروانے والوں کو تو میں کیا کہوں۔ اللہ! آسمان ٹوٹے اور میں مروں زمین پھٹے اور میں سما جاؤں۔ ؎

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے۔

یہ کہہ کر زار زار رونے لگی کہ ہائے میرا یہ غم مجھے کھانے کو کیا تھوڑا ہے جو لوگ یہ قیامت توڑ رہے ہیں۔ یوں ہیں میکے نہ جاتی تو خیر مگر اب میں یہاں کھڑے پانی نہ پیوں گی۔ میں تو یہ سمجھے بیٹھی تھی کہ میرا رنڈاپا اس گھر میں کٹ جائے گا مگر یہاں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔ ؎

اُس فتنہ خو کے در سے اب اُٹھتے نہیں اسد
اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

بی راحت کو بے طرح جلال آگیا جٹھانی بے چاری پر برس پڑیں اُن بیچ جو بچ بچاؤ کی پڑنے لگیں تو وہ کچھ کھو سی گئیں۔ تھوڑی دیر میں سنبھل سنبھلا کر بولیں۔ "اے لو مجھ نگوڑی کو کیا خبر تھی کہ اتنا بڑا کام تم سے چھپا ہوا ہو رہا ہے۔ میں سمجھی تمہاری مرضی لے لی ہوگی۔ میں تو بات چھیڑ کر

چور سی بن گئی - پھر زبان پر آئی بات رکتی بھی نہیں ذرا تم ٹھنڈے دل
سے سلوک کرنا نہ کرنا تمھارا اختیار ہی لیکن اتنے بگڑنے کی کوئی بات نہیں -
تمھاری ساس کی خواہش ہی اور ہماری خواہش ہی کہ تم اس گھر کی بہو ہوئی ہو
غیر گھر نہ جاؤ تو بہتر ہی کیوں کہ ہمارے خاندان کا زیادہ تر یہی دستور ہی کہ
اگر خدانخواستہ بھائی مرجائے تو دیور جیٹھ سے نکاح ہو جاتا ہی اور اگر
بہن مر جائے تو سالی کا نکاح بہنوئی سے ہو جاتا ہی لیکن کچھ جبر نہیں ہی -
اگر تم پسند کرتی ہو تو خیر ورنہ دلہن ہیں تو پھر یہی کہوں گی کہ اچھا ہو کہ کوئیں
کی مٹی کوئیں ہی کو لگ جائے" -

راحت - بھابی جان آپ کا کہنا ٹھیک ہی - بہن کے بعد سالی سے
بہنوئی نکاح کر سکتا ہی اور اسی طرح دیور جیٹھ بھی بھاوج سے شرعاً
اجازت ہی اور اکثر گھرانوں میں ایسا ہوتا ہی مگر میں یہ کہے بغیر نہ رہوں گی
کہ اپنا اپنا دل ہی - ایسی عورتیں بھی دیکھی ہیں کہ ادھر میاں مرا اُدھر وہ ہر
طیار گویا مرنے کے واسطے اُدھار کھائے بیٹھی ہیں - مگر بہتیری اللہ کی
بندیاں ایسی بھی تو ہیں جو شوہر کے نام پر مرمٹتی اور زندہ درگور ہو جاتی ہیں
ہیں تو یہ سمجھتی ہوں کہ وہ نہیں مرے میں مرگئی رہی خوشی سو میری خوشی
ختم ہو گئی - ؎ کیسی خوشی کہاں کی ہنسی کیسا اختلاط

ہم کو نہ چھیڑو تم کہ وہ اب ہم نہیں رہے -

جٹھانی - خیر تم اس کو سونچو کچھ حرج نہیں ہی اور کل پرسوں جواب دینا،
جلدی کا کام شیطان کا ہوتا ہی -

راحت - جی نہیں مجھے اس کے متعلق سوچنے سوچانے کی بالکل ضرورت نہیں - جو جواب میں آپ کو اس وقت دے رہی ہوں بس یہی ایک جواب ہے خواہ آج لو خواہ کل لو. خواہ میری زندگی بھر - نہ میرا خیال پلٹ سکتا ہے نہ زبان - میری بات کو پتھر کی لکیر سمجھو -

اب اُدھر کی سنیئے کہ راحت کی ساس نے بہو سے تو کھلم کھلا کہا سنا نہیں مگر راحت کی نانی کے کان میں یہ بات ڈلوا دی کہ دیکھیں وہ کیا کہتی ہیں آیا وہ اس معاملے میں طرح دے جاتی ہیں یا چراغ پا ہوتی ہیں - راحت کے میکے والوں نے جب یہ سنا کہ سمدھن عدت اترتے ہی لڑکی کو پھانسنا چاہتی ہیں اور وہ بھی کس سے؟ اپنے چھوٹے لڑکے سے جو پڑھا نہ لکھا نام محمد فاضل اور اس پر طرہ یہ کہ بد وضع بدچلن اور اسی وجہ سے اُس کے میکے جانے کی بھی روادار نہ تھیں - یہ سنتے ہی راحت کی نانی کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے مگر کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑی اُنھوں نے راحت کے چھوٹے بھائی **مشتاق** سے کہلا بھیجا کہ لڑکی سے تنہائی میں یہ سب باتیں اچھی طرح کہہ دینا ایسا نہ ہو کہ اکیلا پا کر بے خبری میں اُسے ڈر بڑالیں اور لڑکی ہے ناتجربہ کار کہیں وہ پھیل جائے تو اور ناک کٹے - دیورانی جٹھانی کی باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ مشتاق بھی آ پہنچا - جٹھانی چوں کہ پردہ کرتی تھیں ہٹ گئیں. مشتاق نے بہن سے کہہ دیا کہ ہم نے یوں یوں سنا ہے تم ان لوگوں کے بڑھاوے چڑھاوے میں نہ آ جانا - ہمارے ہاں کوئی اس بات پر راضی نہیں ہے - راحت یہ سُن کر

گڑ گئی کہ اللہ ان کم بختوں نے وہاں تک بات پونہچا دی خدا ان سے سمجھے کہ انھوں نے دل بھر کے مجھے رونے کی بھی مہلت نہ دی کہ یہ ستم توڑ رکھا ہے۔ اُس نے نہایت جرأت اور استقلال سے جواب دیا کہ نانی اماں سے کہہ دینا کہ وہ خاطر جمع رکھیں قُدرہی ہوجائے یہ بات ہونی نہیں نانی اماں آخر آئیں ہیں گی بس میں اُن کے ساتھ ہوں۔

مشتاق چلا گیا اور راحت بے چاری پھر اُسی فکر میں غرق ہوگئی۔ مگر تھی اپنی دُھن کی پکی اُس نے ٹھان لی تھی کہ چاہے دنیا ادھر کی اُدھر ہوجائے لیکن یہ بندی ماننے والی نہیں۔ مگر "تدبیر کنند بندہ و تقدیر زند خندہ"۔ مقدر میں کچھ اور ہی لکھا تھا۔ ساس کا منشا یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح بہو کے کان میں بات پڑ جائے چنانچہ جیٹھانی کی زبانی سُنوا دیا۔ مگر جیٹھانی راحت سے صاف جواب سُن اپنا سا مُنہ لے کر رہ گئیں اور ساری رُوداد حرف بہ حرف ساس کو جا سنائی۔ پہلے تو بڑی بی چُپ ہوگئیں آخر کچھ سوچ کر بولیں کہ دنیا جہان کا دستور ہے میں کچھ نئی بات تھوڑی کر رہی ہوں۔ رہی میاں کے رنج کی تو بیسیوں کو دیکھ لیا آخر یہ چونڈا ہم نے دھوپ میں تھوڑی سفید کیا ہے۔ دنیا کا اچھا بُرا گرم سرد سب ہی کچھ دیکھ رکھا ہے۔ کہنے اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ میں نے یہ سوچ کر کہا تھا کہ دیکھی بھالی ہیں خوخصلت سے واقف اچھا ہے کہ گھر کے گھر ہی میں ہوجائے اور محبت کی جو کہو تو ماں سے زیادہ چاہے پھا پا کٹنی کہلائے وہی کہاوت ہے "بیوی ٹٹولے جیب اور ماں ٹٹولے پیٹ" جو مجھے لگی ہے بھلا

دوسرے کو لگ سکتی ہے۔ آخر میری بھی تو اولاد تھی۔ نو مہینے پیٹ میں رکھا تھا دو برس دودھ پلایا پالا پوسا۔ مگر خدا کے آگے کس کی چل سکتی ہے۔ جو اپنے دل جگر پر بنتی ہے خدا ہی جانتا ہے۔ بڑھاپے میں یہ داغ بھی لگنا تھا۔ بڑی دلہن تم ہی کہو کہ یہ عمر کہیں بیٹھنے کی ہے۔ کہیں نہ کہیں ہوئے ہی گا۔ تم پھر موقع پا کر سمجھانا۔

جٹھانی۔ جی میں نے ہر پہلو سے سمجھایا بجھایا۔ مگر وہ تو بالکل نا بری ہیں۔ دیکھیئے پھر کسی وقت کہوں گی۔ غرض سارے گھر میں ہر وقت اسی بات کی کھچڑی پکتی رہتی تھی۔ راحت کے میکے والے ناحق بگھرے ہوئے تھے، بھلا اس میں راحت کا کیا قصور تھا۔ یہ ریشہ دوانی تو سسرال والوں ہی کی تھی بالا ہی بالا سراسر جھوٹ کہلا بھیجا اور راحت پر یہ طوفان گھڑ لیا کہ وہ خود اس تعلق پر راضی ہے۔ اور جب دو دل راضی تو کیا کرے گا قاضی۔ تم لوگ بھی ہم زبان ہو جاؤ۔ دوسرے روز صبح راحت کو ایک عجب معاملہ پیش آیا جس سے راحت کو یقین ہو گیا کہ وہ اس ناگہانی مصیبت سے کسی طرح بچ نہیں سکتی۔ راحت حسب معمول انگنائی میں بیٹھی ہوئی اسی سوچ میں تھی کہ اتنے میں صغیر گھر میں آئے اُن کو آتے دیکھ رشیدہ نے راحت سے کہا کہ آپ ذرا ہٹ جائیے۔

راحت۔ (حیران ہو کر) کیوں! میں کیوں ہٹوں۔ وجہ؟ میں کیا اُن سے چھپتی ہوں۔

رشیدہ (بگڑ کر) اے مجھے کیا خبر، وہ سامنے دالان میں اماں جان بیٹھی ہیں اُن سے پوچھو، سخت تکرار پیچھے کر! پہلے ہٹ تو جاؤ۔ راحت کی

اس وقت عجب حالت تھی غصّے سے کانپ رہی تھی اس نے دل کڑا کرکے
بڑے تڑاخے سے کہا "سبحان اللہ لو یہ نئی بات اور سنو کہ سامنے
ہوتے ہوتے پردہ کروں۔ کوئی وجہ نہیں کہ میں سامنے نہ آؤں وہ
جس طرح آیا کرتے تھے شوق سے آئیں جائیں"۔ صغیر بھائی کے مرتے ہی
بھاوج کی تاک میں ہے۔ جب سے اُن کے کان میں یہ بات پڑی
اُن کی باچھیں کھل گئیں ساس بھی تلی بیٹھی تھیں اور اپنی جگہ قطعی فیصلہ
کرچکی تھیں کہ میں یہ بات کرکے رہوں گی۔ اسی واسطے بیٹے کو کہہ دیا
تھا کہ آواز دے کر آیا جایا کرو۔ کیوں کہ بات ٹھیر جانے کے بعد منگیتر
کو چھپا دینے کا دستور ہے۔ راحت بے یار و مددگار تھی میکے والے
اپنی جگہ اس خیال سے رُکے ہوئے تھے کہ لڑکی کی مرضی ہے یا کر ان لوگوں
کو اتنی جرأت ہوئی۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ راحت نے اس معاملے میں
ذرا بھی ڈھیل نہ دی تھی، سسرال والے اس غریب کو اُلٹی چھری سے
حلال کر رہے تھے۔ اس کی جان سہموں میں گھلی جاتی تھی کہ دیکھیے اب
کیا ہوتا ہے جب کیا ہوتا ہے اور کیا تازی بلا نازل ہوتی ہے۔ دس کے سامنے
ایک کی کیا چل سکتی ہے۔ ؎

ہر بلائے کز آسماں آید		گرچہ بر دیگرے قضا باشد
بر زمیں نارسیدہ می پرسد		خانۂ **انوری** کجا باشد

قصّہ مختصر عصر مغرب کے بیچ میں باہر مردانے میں دم مارتے سے
نکاح ہوگیا۔ دلہن کو خبر تک نہیں۔ بھلا یہ نکاح تھا بھیک و کیل

دو گواہ بے شک گھر میں آئے اور خدا جانے کیا گھُس پھُس کی اور چلے گئے
لو صاحب یہ ایجاب و قبول ہوا اور یہ شرع کی پابندی ہوئی۔ راحت
سر جھاڑ منہ پہاڑ بیٹھی تھی کہ مرے پر سو دُرّے باہر سے تھالی جوڑ میں
شربت آیا۔ نند بجلی پسند لپک جھپک خوشی خوشی لے کر پہنچیں۔ راحت
کو اب یقین ہو گیا، چیخیں مار مار کر رونے لگی اور وہ اس شربت کو
دیکھ کر ایسی جھجکی جیسے دیوانے کُتّے کا کاٹا ہوا مریض پانی سے۔
شربت کا پینا لازمی نہیں مگر جو گھر کا گھر جاہل اور کُندۂ ناتراش ہو وہاں
کی عورتوں کا کیا پوچھنا۔ اُن کے ہاں دولہا کا جھوٹا شربت پینا ایجاب و
قبول سے بھی زیادہ ضرور تھا ان کے نزدیک وہ نکاح ہی نہ ہوتا تھا
جس میں شربت نہ ہو۔ یہ جاہل گھرانوں اور اَن پڑھ عورتوں کی گھڑی
ہوئی باتیں ہیں۔ اسی طرح سے گول بجیل (نتھ) بھی دُلہن کے سُہاگ
کا خاص نشان قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ باتیں بالکل فضول ہیں۔
نکاح کے لیئے نہ شربت کا پینا لازم ہے نہ نتھ کا ناک میں ٹھونسنا ضروری ہے۔
اگر یہ نہ ہو تو نکاح کو چھوجرا کرنا تو درکنار اُس میں ذرا سی دراڑ بھی نہیں
پڑتی۔ مگر ان اَن پڑھوں کو سمجھائے کون؟۔ راحت کو جب بہت مجبور کیا
تو اُس نے کہا کہ "ارے بی کیا مجھ کو زہر کا پیالہ پلا رہی ہو۔ میں نہیں پیتی کیا
کسی کی زبردستی زور ہے"۔ تب ایک بڑی بوڑھی چل کر بولیں کہ "آج کل کی
لڑکیاں کیسی خودسر اور ضدی ہیں کہ کسی کی سُنتی ہی نہیں۔ لو کہیں یہ بھی
سُنا ہے کہ نکاح تو ہو جائے اور دُلہن شربت کا ایک گھونٹ بھی نہ پیئے۔

تو لو گو تمھیں بولو وہ نکاح ہی کیا ہوا"۔ راحت سے صبر نہ ہو سکا جلی تو بیٹھی ہی تھی بولی کہ "شربت نہ پینے سے نکاح نہ ہوگا اور میرے بلا پوچھے میری بلا رضامندی نکاح ہو جائے گا۔ وہ کون سی شرع اور کہاں کا قانون ہے؟"۔

بڑھی بی۔ (ڈانٹ کر) اے بی تمھاری کیا ہے تم منطق پڑھی ہوئی ہو تمھارے منہ کون لگے ہم تو سدا سے یہی سنتے چلے آئے ہیں اور یہی ہوتے دیکھا ہے، اب کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ راحت کے دل میں اتنی تاب کہاں تھی کہ وہ اُن لوگوں سے بحث کرتی اور کرتی بھی تو اُس کی سنتا کون۔ "دس کی لاٹھی ایک کا بوجھ" وہ اس بم کے گولے سے مجروح تھی اُسے وہ میدانِ کارزار اور اپنا مقتل نظر آ رہا تھا جس میں یہ لوگ کشاں کشاں اسے گھسیٹے لے جا رہے تھے۔ اس بے چاری پر ایک مصیبت نہ تھی جس پر صبر کرتی۔ بلکہ ایک جان اور سیکڑوں فکر۔ نانی خالہ نے آن کر جھانکا تک بھی نہیں اور الٹ کر خبر بھی نہ لی۔ اُنھوں نے وہیں بیٹھے بیٹھے خیالی پلاؤ پکائے کہ ضرور راحت کی رضامندی سے نکاح ہوا حالانکہ خدا لگتی بات یہ ہے کہ راحت پر یہ سراسر بہتان تھا۔ بات یہ ہے کہ یہ بے چاری بری طرح پھنس گئی تھی۔ ہزار کوشش کی کہ اس مصیبت سے کسی طرح رستگاری ہو مگر کچھ پیش نہ چلی۔ جب اُن لوگوں نے سب کچھ کر کرا لیا تو ساس صاحبہ نے فرمایا "دلہن تم اگر میکے جانا چاہتی ہو تو چلی جاؤ"۔ راحت نے جانے سے صاف انکار کیا اب کیا منہ لے کر جاتی۔ غرض دو سہ روز

وہ عورتیں جو عدت اُتروانے نہیں نہیں نکاح کروانے یا راحت کے
گلے میں پھانسی ڈلوانے کو جمع ہوئی تھیں اپنے اپنے گھر چلی گئیں۔
صغیر علی ابھی تک تو بہت خوش تھے کیوں کہ ایسی قابل اور سُگھڑ بیوی
مل گئی۔ لیکن آیندہ کا دیکھنا ہے ابھی کر دن کر رات۔ چار دن تو سب ہی
چونچلے کرتے ہیں۔ بڑا دیکھنا بعد کا ہے۔ آگے قلعی کُھلے گی۔ راحت،
بےچاری پر رنج و الم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ لائق شوہر مر کر نالائق
ملا۔ انسان سے پالا پڑا تھا وہ نہ رہا اب جانور گلے منڈھا گیا۔ وہ
تعلیم یافتہ یہ زر دوز۔ کیا امید ہو سکتی ہے کہ ایسے دو شخصوں میں جن کے
عادات و اخلاق میں زمین آسمان کا فرق ہو، اتحاد اور ارتباط ہو سکے
ممکن ہی نہیں۔ کبیر علی بالذات شریف نیک دل تھا۔ بیوی کی تو وہ
بڑی قدر و منزلت کرتا تھا۔ غصہ اُس کے پاس پھٹکتا تک نہ تھا۔
خندہ رو، ذی مروت، خوش خلق۔ صغیر علی بھی کبیر علی کے ہی بھائی تھے
مگر ان دونوں میں رحمٰن اور شیطان کا فرق تھا۔ وہ تعلیم یافتہ تھا
انھوں نے لاڈ پیار میں ادھر رُخ ہی نہ کیا۔ پھر اس پر لاڈلے کہ
چھوٹا بچہ لاڈلا ہوتا ہی ہے۔ غرض یہ کہ لاڈ میں ان کا ستیاناس ہو گیا تھا۔
مزاج ان کا ایسا کہ ناک پر مکھی بیٹھے تو ناک کاٹ ڈالیں۔ بیوی پر
بہ مصداق "گربہ کشتن روزِ اول" شروع ہی سے جابرانہ اور قاہرانہ
دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ جس کا مفصل حال آگے آئے گا۔ یہاں تو اتنا
کہنا کافی ہے کہ رحمت گئی زحمت آئی۔ جو دل حسنِ سلوک کا عادی ہو۔

اُس پر یہ قضائی مسلط ہو تو ین آئی مرجانے میں کیا شک ہے۔ صغیر
غیر تھے نہ راحت۔ راحت تو برسوں سے دیکھ رہی تھی کہ یہ بڑا اوچھا ہے
بات بات میں جس سے دیکھو خواہ مخواہ اُلجھ جاتا ہے۔ اُسے خبر نہ تھی کہ یہ
بغلی گھونسہ اسی کے مقدر میں لکھا تھا۔ نکاح ہو کر دو مہینے ہونے آئے
میکے سے اُلٹ کر کسی نے خبر بھی نہ لی۔ ان نام کے چھوٹے اور دل کے
کھوٹے حضرت نے اب پر نکالے۔ بیوی بے چاری آفت کی ماری کو
ولے ڈالتے تھے۔ سیدھے مُنہ بات نہ کرتے تھے اور خدائی خوار آوارہ
پھرا کرتے تھے۔ راحت کو ان باتوں نے اور بھی بٹھا دیا اُس کی صحت
میں بھی فرق آنے لگا۔ آخر بے حیا بن کر اُس نے اپنی نانی کو ایک رقعہ
لکھا۔ وہ رقعہ تو ہم کو ملا نہیں مگر مضمون کچھ اس قسم کا تھا۔ **رقعہ**

احباب ہیں سب لطف و محبت کے لیئے ۔۔۔ آئے ہیں یہ سب تہمت و نفرت کے لیئے
کو مجھ کو زمانے نے بہت پیسا ہے ۔۔۔ سرمہ ہوں مگر چشمِ بصیرت کے لیئے

اَللہ اللہ! کیا تیری قدرت کے کھیل ہیں۔ تو جسے چاہے سنوارے اور
جسے چاہے بگاڑے۔ میں اپنے آپ کو دیکھتی ہوں تو سکتے میں
رہ جاتی ہوں کہ اے پروردگار تو نے پھولوں کی سیج پر سے کانٹوں پر
سُلایا۔ سُہاگن سے رانڈ بنایا لیکن تیرے عجب کرشمے ہیں۔ ڈبوتا بھی
ہے اور تِراتا بھی ہے۔ مارتا بھی ہے اور چمکارتا بھی ہے۔ دھتکارتا بھی ہے
اور پاس بھی بلاتا ہے۔ دُکھ درد بھی دیتا ہے اور دوا بھی۔ غرض کہ مارتا
بھی وہی ہے اور جلاتا بھی وہی ہے ۵

جان زتن بردی و در جانی ہنوز　　دردہا دادی و درمانی ہنوز
جور کردی سالہا چوں کافراں　　بہر رحمت با مسلمانی ہنوز

آپ لوگوں نے مجھ آفت کی ماری کی طرف سے ایسا دل سخت کر لیا اور مجھے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر یوں پھینکا کہ گویا مجھ میں آپ کا خون ہی نہیں ملا - قاتل کو بھی پوچھ پُچھا کے پھانسی پر چڑھاتے اور چھوٹے کو منزل تک پہنچاتے ہیں مگر آپ نے بلا پوچھے گچھے مجھ پر پُھندا رکھ دیا - ناکردہ گناہ کو گنہکار ٹھیرایا - چاہیئے تو یہ تھا کہ آپ آکر میری کہانی میری زبانی سنتیں - پھر جو چاہیے کہتیں - میں حاضر ہوں آپ بزرگ ہیں چاہیے سو جوتیاں ماریں آپ کی مار میرے لیئے اِمرت کی دعا رہی - مگر نانی اماں اللہ جانتا ہے میں بالکل بے قصور اور سراسر مجبور ہوں - خدا کسی کو ظالم کے پھندے میں نہ پھنسائے - ساس ہیں سو وہ ایسی - میاں ملے تو اُن کے کرتوت میں کیا بیان کروں اپنا گھٹنہ کھولیئے اور آپ ہی مریئے لاج - بس مُنہ نہ کھلواؤ - میاں نثار کو آپ ضرور ضرور بھیجیئے کہ میرا دل اُن کے دیکھنے کو بے قرار ہے"

باب (۲۰) - راحت کا خط اپنی سہیلی میمونہ کے نام اور اُس کا جواب

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں رُلائے کیوں

خط

پیاری بگر فراموش کر دینے والی بہن میمونہ بیگم۔

تسلیم۔ اللہ رے بے مروتی کہ مدتیں ہوئیں تم نے اُلٹ کر خبر تک نہ لی باوجودے کہ تم مجھ کو کس رنج والم میں مبتلا چھوڑ گئی تھیں۔ کیا تمھارا فرض نہ تھا کہ میرے پاس پھر آتیں اور خط لکھتیں؟ مگر میں دیکھتی ہوں کہ تم نے بھی میرے میکے والوں کا ساتھ دیا اور مجھ بے قصور کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا۔ افسوس! میمونہ بچپن کی محبت کیا ہوئی۔ ؎ تم نے نہ ہماری کچھ خبر لی

چھاتی پتّھر کی کیوں کچی کر لی

شہر کے شہر میں رہو اور پھر خبرے نباشد! سنا کرتے ہیں کہ جس کی آنکھیں کیری ہوتی ہیں وہ بے مروّت ہوتا ہے۔ مگر چشم بد دُور تمھاری آنکھیں تو کٹوراسی ہیں جنھیں سیلی اور بڑی بھری انکھڑیاں کہتے ہیں۔ پھر طوطا چشمی کیسی؟ تمھاری یہ بے اعتنائی، رکھائی اور بے خبری میرے لیئے سوہانِ روح ہے۔ کیا تم نے نہیں سُنا کہ بارہ برس میں خون مل جاتا ہے اور ہمارے تمھارے میل جول کو خدا جھوٹ نہ بلوائے پندرہ بیس برس ہو گئے تو یقین ہے کہ خون خوب گھل مل گیا ہوگا۔ اس پر طرہ یہ کہ میری تمھاری بچپنے کی گہری محبت۔ اس لیئے تمھیں مناسب تھا کہ تم میرے رنج میں شریک رہتیں۔ تم نے سُنا ہوگا کہ حال میں میرے اوپر کیسا بھاری ظلم توڑا گیا ہے۔ تمھیں کیا سب کو معلوم ہے مگر تمھیں کیا غرض تھی جو تم آن کر میری مصیبت سُنتیں۔ میمونہ! تم

یقین کرو کہ میں تم کو سگی بہن کی برابر نہیں تو کم بھی نہیں جانتی۔ خدا نے مجھ کو پہلے ہی کوئی بہن نہیں دی۔ میں نے تم ہی کو ہمیشہ سے حقیقی بہن سمجھا۔ لیکن معلوم ہوا کہ میری محبت بے سود ہے۔ یک طرفہ محبت سے کبھی کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ تمھاری اس بے اعتنائی سے اللہ جانے میرا دل نہ چاہتا تھا کہ تم کو اپنی مصیبت کا ایک حرف بھی لکھوں۔ جب میرے عزیزوں ہی نے مجھے نشانہ ملامت بنا رکھا ہے اور تم نے بھی سنی سنائی باتوں پر کان دھرا اور مجھ سے یک لخت ملنا جلنا چھوڑ دیا تو پھر میرا رنج اور تم سے شکایت عبث۔ ؎

شکوہ نہ آپ سے نہ شکایت رقیب سے ✤ ہم کو تو جو گلہ ہے سو اپنے نصیب سے

یہ خط میں تم کو محض اس غرض سے لکھ رہی ہوں کہ جس وجہ سے نانی اماں وغیرہ نے اور ساتھ اُن کے غالباً تم نے بھی مجھ سے کشیدگی اختیار کی ہے۔ دراصل تم لوگ اصلی واقعے سے بے خبر ہو اس لیئے مجھے بھی اپنی داستانِ غم دہرانے کا موقع تو دو۔ یہ نیا رشتہ جو ہوا ہے۔ حاشا کلا مجھے منظور نہ تھا اور میں ہرگز نہ چاہتی تھی کہ دوبارہ نکاح کروں۔ بلکہ میری دلی آرزو تھی کہ یک درگیر و محکم گیر باقی ماندہ زندگی اُس مرنے والے کے نام پر گزار دوں۔ ؎

پھرتی ہوں اُسی خوابِ پریشاں میں ابھی تک

جلوسے ہیں وہی دیدۂ حیراں میں ابھی تک

لیکن آہ میری یہ خواہش پوری نہ ہوئی اور مجھے میری سسرال والوں نے

اس درجہ مجبور کیا کہ میں ہی جانتی ہوں یا خدا - بہن وہ دن جس روز
میرے دو بول پڑھائے گئے کیا بتاؤں کیا قیامت کا دن تھا اور
میرے زخمی دل پر اُس روز کیا چھریاں چل رہی تھیں - نانی امّاں
کو میں نے پہلے اطلاع کر دی تھی کہ یہاں لوگوں کا یہ خیال ہے جو مجھے
کسی طرح منظور نہیں - اگر عدّت کا جھگڑا نہ ہوتا تو میں اب تک کبھی کی
میکے آجاتی - آپ تشریف لائیے اور مجھے اپنے ساتھ لے جائیے -
مگر وہ لوگ ایسا کان میں تیل ڈال کر بیٹھے کہ کوئی پھٹکا تک بھی نہیں
یہاں یہ لوگ چاہ ہی رہے تھے کہ کسی طرح میرے میکے والے نہ آئیں
کہ خدا جانے کیا افتاد پڑے اور چلتی گاڑی میں روڑا اٹک جائے -
چنانچہ نانی امّاں کا نہ آنا اُن کے لیئے خالی میدان تھا - اُنھیں جو
کرنا تھا کر گزریں اور مجھے جیتے جی دوزخ میں دھکّا دے دیا -
پیاری بہن! میرا دل اب صدموں کی برداشت کے قابل نہیں رہا
قاعدہ ہے کہ جوں جوں دن گزرتے ہیں رنج میں قدرۃً کمی ہوتی جاتی ہے
مگر میں تم سے سچ کہتی ہوں کہ میرے رنج میں روز بروز اضافہ ہے -
راتوں نیند اُچاٹ رہتی ہے اور بڑی بڑی سوچا کرتی ہوں کہ دیکھیے
کیا ہوتا ہے - پالا پڑا تو ایسے سے کہ رحمت بر نباشِ اوّل - بس
زبان نہ کھلواؤ کہنے کو دو سگے بھائی مگر ایک رحمٰن دوسرا شیطان
ایک انسان دوسرا حیوان - ع چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک -
اگرچہ شیخ ڈاڑھی بڑھالی سَن کی سی مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

میں اپنی جان سے بیزار ایسی پھنسی ہوں کہ کچھ بس نہیں چلتا۔ مگر موت اپنے اختیار کی بات نہیں ع شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن

دل ہے غذائے رنج جگر ہے غذائے رنج
رنج ہے ہمارے واسطے ہم ہیں برائے رنج
دنیا میں آکے ہم نے نہ پائی کوئی خوشی نہ حاصل نہ یاں سے کچھ ہوا ہم کو سوائے رنج

بہن اگر تم کو کچھ محبت ہے اور مجھ سے ذرا بھی ہمدردی ہے تو میرے پاس آؤ اور میری حالت دیکھو جو حال ہے خود صورت سوال ہے۔ دوسری غرض یہ ہے کہ نانی اماں کو میرا کچا چٹھا سناؤ اور اُن کو بھی میرے پاس لاؤ۔ میری آنکھیں اُن کے دیکھنے کو ترستی ہیں۔ باوجود سے کہ میں اس مصیبتِ ناگہانی میں مبتلا ہوں۔ تاہم دل ایک ایک کے لئے بے قرار ہے۔ میں نانی اماں کے پاس خود جاتی اور اپنی رام کہانی سناتی۔ میں اُن کی چھوٹی ہوں کچھ بے عزتی اور عیب نہ تھا کہ میں پہل کرتی وہ میری بزرگ اور بڑی ہیں۔ وہ جو کچھ کہیں سزاوار۔ از خورداں خطا واز بزرگاں عطا۔ اُن کی ناراضی میرے سر آنکھوں پر۔ مگر میں اب ایسے جابر اور قاہر شخص کے پھندے میں پھنسی ہوں جس سے گلو خلاصی ممکن نہیں۔ نہ خود کسی سے ملے نہ اور کو ملنے دے۔ ان تھوڑے سے ہی دنوں میں میرے ساتھ وہ وہ باتیں ہوئی ہیں کہ بس توبہ ہی بھلی۔ تم کو کیا کیا لکھوں۔

کون سُنتا ہے کہانی میری اور پھر وہ بھی زبانی میری

سب مجھے تو خط لکھنے تک کا حکم نہیں۔ خدا بھلا کرے اُن کا جنھوں نے دیدہ و دانستہ دو اضداد کو حبالۂ نکاح میں جکڑ دیا۔ یہ وہی گھر ہے جس میں میں پہلے ایک شخص کی آنکھوں کا تارا تھی اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ میری ہر ادا پسند تھی اور اب بھی گھر تو وہی ہے اور میں بھی وہی۔ لیکن اب مجھ میں ہی ہزاروں قسم کے کیڑے ڈالے جاتے ہیں۔ زمانے کا کیا رنگ ہے۔ وہ وقت بھی میں دیکھ چکی اور یہ بھی دیکھ رہی ہوں ؎

کیا پوچھتے ہو میرا فسانہ میں کیا کہوں
تم جس کو سن سکو وہ مری داستاں نہیں

اچھا بہن لو اب رخصت۔ میں تمھارا مغز چاٹ گئی۔ مگر شمّہ بھی اپنے حالِ تباہ کا نہ لکھ سکی۔ دُور بیٹھے تم کو پریشان کرنے سے فائدہ ؎

دردِ دل دُور سے ہم اُن کو سنائیں کیوں کر
بھیج دیں ڈاک میں آہوں کی صدائیں کیوں کر

خط کا جواب لے کر کیا کروں گی۔ اس کا جواب یہی ہے کہ تم آؤ اور میرا حال میری زبانی سنو اور نہ سنو تو خیر آن کر تو دیکھو کہ مجھ دُکھیا پر کیا بن رہی ہے۔ والسلام۔　　(تمھاری غم زدہ بہن۔ راحت)

راحت نے یہ خط لکھ کر میمونہ کو بھجوایا اور ظہورن سے جواب کے لیے تاکید کر دی۔ میمونہ نے راحت کا خط پڑھا اور یہ جواب لکھا۔

جوابِ خط

صد چاک ہو وہ دل جو الم آشنا نہ ہو
پھوٹے وہ آنکھ جس سے کہ آنسو بہا نہ ہو

پیاری راحت! - بعدِ سلام وشوقِ ملاقات - بہت دنوں بعد تمہارا تفصیلی خط ملا - آپ کی بدگمانی میں نے مانی ایک حد تک واجبی اور درست ہے - لیکن تم جب میرا بیان سُن لوگی تو تمہارا دل جو ہمدردی کا متلاشی ہے میری طرف سے ایسا ہی صاف ہو جائے گا جیسا کہ تھا - تمہاری خبرِ خیریت سے تو دل خوش ہوا مگر ساتھ ہی اُس کے تمہارے مصائب و آلام کا حال سُن کر یقین مانناکہ دل دہل گیا - جو کچھ گلے شکوے تم نے لکھے ہیں دراصل میں اُن سے زیادہ کی سزاوار ہوں کیوں کہ جب میں نے بہ قول تمہارے اُلٹ کر خبر بھی نہ لی" تو جو چاہو سو کہو - مگر یہ وقت گلے شکووں کا نہیں کیوں کہ تمہاری تکالیف کے سامنے سوائے خیالِ ہمدردی کے اور کچھ نہیں سوجھتا - میرا کچھ قصور نہیں، میں نے دو مرتبہ اپنی ماما کو تمہاری خیریت پوچھنے کو بھیجا تھا لیکن باہر ہی باہر دروازے ہی سے تمہارے میاں نے اُس غریب کو دھتکار بتائی اور کہا کہ خبردار جو تو نے ڈیوڑھی میں قدم دھرا ہوگا تو تیری ٹانگیں توڑ ڈالوں گا - ماما بے چاری نے بہتیری کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح اندر جائے اور تمہاری خیریت لائے مگر اُن خدا کے نیک بندے نے ایک نہ سُنی اور اُس کم بخت کے سر ہو گئے - تمہارے

لکھنے سے پہلے ہی مجھے اُن کے اخلاق کا اندازہ ہو چکا تھا۔ افسوس
پیاری راحت! تمھاری زندگی کو آگے دے کے یوں ملیا میٹ کیا گیا
مجھے آج معلوم ہوا ہے کہ تمھارا یہ رشتہ بہ غیر تمھاری مرضی کے ہوا ہے۔
میں تو سمجھی تھی کہ شاید تم راضی ہو گئی ہو گی۔ ہم لوگوں کو تو اس وقت تک
یہی معلوم تھا کہ تم نے ہاں کر لی۔ تمھاری نانی اماں نے مجھ سے خود
کہا کہ ہم کیا کریں لڑکی رضامند ہو گئی، ورنہ ہماری تو ہرگز خوشی نہ تھی۔
اسی لیئے ہم شریک نہیں ہوئے۔ مجھے بھی سخت تعجب ہوا کہ جان بوجھ کر
تم گڑھے میں کیسے گریں اور دیکھتے بھالتے یہ جیتی مکھی کیسے نگلی۔
بلکہ میں نے نانی اماں سے کہا کہ مجھے یقین نہیں اس میں ضرور کچھ دھوکا
ہے ورنہ راحت ایسی ناسمجھ نہیں جو اپنا بھلا بُرا نہ سمجھیں وہ تو اوروں کو
عقل دیتی تھیں اب اُنھیں خود کو کیا ہو گیا۔ اپنی پہلی شادی سے پہلے
میرے اُن کے جو باتیں ہوئیں وہ تو جواہرات ہیں، تو لینے کے قابل تھیں،
اب خدا جانے کیسے سمجھ اوندھ گئی۔ اُنھوں نے کہا کہ بیٹی تم نے
مثل نہیں سُنی کہ سیانے ہی کوّے . . . کھاتے ہیں۔ بہن تم سچ ماننا
مجھے تمھاری اس ناشائستہ حرکت پر سخت افسوس ہوا۔ تم اطمینان رکھو
کہ میں خود بھی آؤں گی اور نانی اماں کو بھی ضرور اپنے ساتھ لاؤں گی۔
خدا تمھارے حال پر رحم کرے۔ میرا دل خود تمھارے دیکھنے کو تڑپ
رہا ہے۔ کیا کہوں تم جیسی قابل لڑکی کی تقدیر کیسی پھوٹی کہ ایک جاہل اُجڈ
اور نالائق شخص کے ہاتھ میں ہاتھ پکڑا دیا گیا۔ اگر آج تمھارے والدین

زندہ ہوتے تو ہم دیکھتے کہ یہ رشتہ کیسے ہو جاتا۔
بہن میں آج تم سے کہتی ہوں کہ میرے چچازاد بھائی۔ جو کلکتے کے بی اے بی ٹی پاس آگرے کے اسکول میں پروفیسر اور صاحبِ جائداد ہیں۔ اُنھوں نے مجھ سے بذاتِ خود کئی مرتبہ جب تم عدت میں تھیں کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا رشتہ یہاں ہو جائے کیوں کہ وہ تمھاری قابلیت کا حال سُن چکے تھے۔ مگر میں نے اُن کو صاف جواب دے دیا کہ نا صاحب میں ایسی بات زبان سے نہیں نکال سکتی میں اچھی طرح جانتی تھی کہ تمھارا رُخ ادھر نہیں پھر کیسے کہتی۔ اب تقدیر کا لکھا دیکھو کہاں پھوٹا کیا سے کیا ہو گیا کہ ایک زندہ دل لڑکی اس بےدردی سے پامال کی جا رہی ہے۔ زیادہ کیا لکھوں۔ باقی حال ان شاء اللہ زبانی بیان کروں گی۔ والسلام۔

(تمھاری ہمدرد اور شریکِ غم۔ میمونہ)

میمونہ نے جواب لکھ کر ظہورن کو دیا اور زبانی بھی بہت سی باتیں کہیں۔ ظہورن جواب لے کر راحت کے پاس پہنچی اور اُس کو ایک بند لفافہ دیا۔ راحت نے نہایت بے صبری سے لفافہ چاک کیا اور اپنی سہیلی کا خط پڑھنا شروع کیا۔ خط پڑھتی جاتی تھی اور روتی جاتی تھی۔ جب اُس کی نظر اس فقرے پر پڑی کہ میں نے دو مرتبہ ماما کو بھیجا۔ لیکن تمھارے میاں نے اندر نہ گھسنے دیا تو اُس کو سخت رنج ہوا۔ مگر کر کیا سکتی تھی۔ آنکھوں پر بس چلتا تھا اس کے سوا کچھ چارہ نہ تھا۔

خط پڑھ کر راحت کے زخمی دل کو ذرا سکون ہوا کہ خیر کوئی تو ہم درد نکلا

جوابِ نامہ کیا لایا تنِ بے جاں میں جاں آئی
گیا یاں سے کبوتر واں سے آیا مرغِ جاں ہوکر

بھونہ کی ماما کو گھر میں گھسنے تک نہ دیا یہ سن کر راحت نے کہا کہ یہ تو بہت بُرا ہوا - خیر اُن کو آنے تو دو اگر وہ نیکی کے دم میں ہوئے تو ماما کی بات تو میں ضرور پوچھ کر رہوں گی کیوں کہ یہ تو پرلے سرے کی بیہودگی ہے کہ کسی کو آنے کا حکم نہیں آخر اس بندش کا سبب ہے -

باب (۲۱) - راحت کی دوسرے شوہر سے کیسی گزری

محفل سے تیری خوش نہ گیا آکے جو گیا | ہر نامراد اپنے نصیبوں کو رو گیا
صبر و قرار و ہوش گئے دل بھی کھو گیا | جو کچھ مرے نصیب کا ہونا تھا ہو گیا
دل نامراد یاس سے ویرانہ ہو گیا | اب ولولہ جو شوق کا تھا وہ بھی لو گیا

راحت کا دل شوہر کی جواں مرگی سے بجھ گیا تھا - دل کا بجھنا کیا یعنی زندگی کا مزہ جاتا رہا تھا - اُس نے اپنے آپ کو مردے سے بدتر بنا لیا تھا وہ بظاہر زندہ تھی چلتی تھی پھرتی تھی مگر مُردوں میں اُس کا شمار تھا

دوہا سائیں کا گھر دور ہے جیسے لمبی بڑی کھجور
چڑھے تو چاکھے پریم امرت گرے تو چکنا چور

بایں ہمہ لوگوں نے بڑا ظلم کیا کہ زبردستی اس کا نکاح کر دیا وہ تو سرے سے

نکاح کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرتی تھی۔ یہ دُکھتی چوٹ پر ا رہ ہو کر کہ جیتی مکھی نگلوا دی اور صغیر علی جیسے کُندۂ ناتراش کو اُس کے سر منڈھ دیا۔ راحت ہمیشہ میاں کی بھلی بُری باتوں کو پی جاتی تھی اور دل پر جمنے نہ دیتی تھی محض اس خیال سے کہ گھر میں فتنہ و فساد برپا نہ ہو۔ اللہ نے بڑی سمائی دی تھی اور بڑے گھرے پیٹ کی تھی۔ ہر قسم کی باتیں صبر شکر سے سہتی تھی۔ میاں کا یہ عالم تھا کہ جب گھر میں گھستے تھے شیر کی طرح دہاڑتے مزاج کچھ تو قدرتہً خراب تھا اور کچھ اپنے آپ کو ہوا بنا بھی لیا تھا۔ طرہ برآں کارخانہ داروں کی صحبت سونے پر سہاگا تھا۔ اس خدا کے بندے نے کبھی ہنس کر بیوی سے بات ہی نہیں کی۔ جب دیکھو تیوری چڑھی ہوئی گویا دوزخ کے داروغہ بنے۔ راحت نے بہتیرا چاہا کہ کسی طرح میاں کو قابو میں لائے مگر وہ بندۂ خدا نہ آنا تھا نہ آیا۔ یہ مرض تھا لاعلاج اس کے کاٹے کا منتر ہی نہ تھا۔ راحت نے کبھی صغیر علی کو دوبدو جواب نہیں دیا اور ہمیشہ ادب لحاظ کو مدنظر رکھا۔ کیوں کہ اپنی عزت اپنے ہاتھ۔ اس نے بیسیوں مرتبہ سہولت سے میاں کو سمجھایا کہ جو بات اتحاد میں ہے وہ فساد میں کب ہے۔ جو بات تم سختی سے کہتے ہو اُسی کو نرمی سے بھی کہہ سکتے ہو۔ میں چاہتی ہوں کہ میرا تمہارا برتاؤ ایسا ہو جو واقعی ایک سچے اور نباہنے والے میاں بیوی کا ہوتا ہے مگر صغیر علی حد درجے کا کینہ توز اور نٹ کھٹ تھا وہ جب دیکھو ٹیڑھی ہی چال چلتا تھا۔ ہر وقت کمان چڑھی۔ دل میں جو بات اڑی سو اڑی

سیدھے منہ کبھی نہ کی بات اُٹھتے جوتی بیٹھتے لات - کہاں راحت اور کہاں یہ آفت اور قیامت - ادھر شرافت سے سرنگوں اُدھر حماقت سے چشم بہ خوں ادھر نرمی اور درگزر اُدھر سختی اور شر - یہاں تحمل اور برداشت وہاں جب دیکھو جلی کٹی اور ٹیڑھی بات - غرض نیکی اور بدی کا مقابلہ تھا - بڑی مشکل یہ آن بنی تھی کہ شوہر صاحب کو اپنی بُرائی بُرائی معلوم نہ دیتی تھی - جس قدر وہ ظلم توڑتا اور دباتا یہ بے چاری برداشت کرتی اور دبتی - جتنا یہ دبتی اور طرح دیتی اُتنا ہی وہ تنتا اور قیامت توڑتا - نتیجہ یہ کہ گھر کیا تھا میدانِ کارزار تھا - شوہر شمشیر برہنہ بیوی بے چاری مُنہ مارے دُکھیا رہی - خلاصہ یہ کہ وہ فرعون بے سامان ہر طرح کی تکلیف پونہچاتا اور دل ہی دل میں لگن اور بات بات میں بزن - جب دیکھو جوتیوں میں دال بٹا کرتی تھی - ان کی آئے دن کی لڑائی سے پاس پڑوس والے بھی کانوں میں اُنگلیاں دے لیتے تھے - ایک روز جب کہ صغیر علی باہر سے آئے تو چہرے پر خلافِ معمول مسکراہٹ تھی اور خدا جانے کیا جی میں آئی تھی کہ بیوی سے بھی کسی قدر ہنس کر بولے - راحت اُن کی یہ حالت دیکھ سخت متعجب ہوئی اور دل میں کہنے لگی کہ خدا کا شکر ہے کہ آج اتنی مدت بعد تیوری کا بل اُترا - میاں کی تھوڑی سی ہی تواضع اور عارضی آؤ بھگت سے راحت غمزدہ کے دل کو جو چاند ماری بنا ہوا تھا اور چھلنی ہو گیا تھا کیا خاک تسکین ہو سکتی تھی تاہم کچھ اتنک خوشی ہوئی - صغیر علی

چوں کہ پرلے درجے کا اوباش تھا اُس نے مصلوۃ بیوی سے لگاوٹ شروع کی اور باتوں باتوں میں کہنے لگا کہ میں پریشان ہوں کارخانہ میں آج خط آیا ہے۔ میرے اُستاد کی چھوٹی بہو لاہور سے دلی آنے والی ہیں اور اُستاد کام لے کر باہر گئے ہیں۔ اُنھوں نے مجھ کو لکھا ہے کہ تم اُن کو اپنے مکان پر چند روز ٹھیرا کر اُن کے میکے فرید آباد پونہچا دینا۔ تم بتاؤ کہ اب میں کیا کروں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں اُترواؤں اور کہاں ٹھیراؤں۔ راحت۔ تم شوق سے اُنھیں یہاں ٹھیراؤ گھر موجود ہے۔ میں سامنے والے کمرے میں اُن کا انتظام کیئے دیتی ہوں، غالباً وہ تم سے پردہ کرتی ہوں گی۔

صغیر علی۔ نہیں، میں اُن کے ہاں بچپن سے آتا جاتا ہوں اور اُن کے گھر کی سب ہی عورتیں میرے سامنے ہوتی ہیں اس لیئے وہ بھی مجھ سے پردہ نہیں کرتیں۔ راحت بدنصیب کو کیا خبر تھی کہ یہ عورت اُس کے گھر کی تباہی کا پیش خیمہ ہوگی اور بہت جلد آگے چل کر گُل کھلنے والا ہے۔ صغیر علی نے جب بھولی بھالی بیوی کو اپنے دامِ فریب میں پھانس لیا، تو کہنے لگا کہ کھانے پینے کا تم اچھی طرح انتظام کر دینا، دیکھو کسی بات کی تکلیف یا شکایت نہ ہو کہ مہمان کی خاطر ضروری ہے، دوسرے یہ کہ میرے اُستاد کا معاملہ ہے۔ راحت نے کہا کہ تم اطمینان رکھو میں سب کچھ کر لوں گی۔ اُس نے موقع کو غنیمت جانا کیوں کہ صغیر علی اس وقت خوش تھے اور دل میں کچھ خیال آگیا کہ اس وقت مزاج درست ہے لاؤ میں ہیمو نہ کی مالک

انکا معاملہ صاف کر لوں تا دل میں بات رکھنی کچھ ٹھیک نہیں۔

راحت۔ دیکھئے اجی میمونہ کا رقعہ آیا تھا وہ شکایت کرتی ہیں کہ دو مرتبہ ماما کو بھیجا گیا مگر تم نے باہر کے باہر ہی لوٹا دیا اور نہ صرف لوٹا دیا بلکہ آیندہ کے بھی بند ہی کر دی۔ مجھے یقین نہیں مگر کہو تو کہ بات کیا ہوئی میں نے تو زبانی یہی کہلا بھیجا کہ پوچھ کر کہوں گی۔ باقی مجھے امید تو نہیں ہے کہ کوئی گھر پر آئے ہوئے آدمی کو بھی للکارتا ہے۔ صغیر علی یہ سُن کر بغلیں جھانکنے لگا۔ پھر سنبھل کر اپنی عادت کے موافق کڑک کر بولا۔ کون ماما کیسی سہیلی مجھے کچھ خبر نہیں ہے لو یہ اور طوفان اُٹھا۔ اول تو مجھے یاد نہیں کہ میں نے کسی کو روکا تھا یا نہیں اور اگر روکا بھی ہوگا تو کیا بے جا ہوا کیا مجھے اپنے گھر پر اتنا بھی زور نہیں کہ بن جانے بوجھے آدمی کی روک ٹوک کروں۔ یہ گھر ہے یا بازار کہ جو چاہے گھس آئے۔ سبحان اللہ! میں تمھاری انھیں باتوں سے تو بیزار ہوں۔ ابھی ایک پندرھواڑا ہوا ہوگا کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ میرے ایک دوست کی بیوی تم سے ملنا چاہتی ہیں۔ تو لگیں تم اُن کی ذات خاندان پوچھنے اور بال کی کھال نکالنے۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ تمھاری سہیلی کون سی بادشاہ زادی ہیں جو میں ہاتھ جوڑ کر اُن کی سڑیل ٹکے کی ماما کے آگے کھڑا ہو جاتا۔ شاید تم نے اسی واسطے لکھنا پڑھنا سیکھا ہوگا کہ یوں بالا بالا رقعہ بازی کرو کہ میرے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو۔

راحت۔ تم تو عجیب قسم کی باتیں کرتے ہو یہ زبردستی کی لڑائی ہے جس کا

مر نہ پیر - تم ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھاجا سب کو ایک ہی لاٹھی ہانکتے ہو
میں نے کب کہا کہ میری گلی ملنے والیاں امیرزادیاں ہیں - میری مراد تو
شرافت اور نیک چلنی سے ہے - اگر بادشاہ بھی ہو اور اُس کا چال چلن
درست نہ ہو تو وہ اُس فقیر سے ہرگز بہتر نہیں ہو سکتا جو نیک دل اور
خوش رویّہ ہو - میں تمھارے دوست کی بیوی سے ضرور شوق سے
ملتی - اُس سے [illegible] میں میرا حرج ہی کیا تھا - مگر جب تم سے معلوم ہوا کہ وہ تو
نائی ہیں اور تمھارے کارخانے میں کام کرتے ہیں تب البتہ میں اسی
خیال سے کھٹکی سو اس میں بُرائی کیا ہوئی - ایسے کام بیشبہ رذیل لوگوں
سے ملنے سے فائدہ ؟ -

صغیر علی - تم تو بڑی خاندانی اور امیرزادی ہونا جو اوروں کو نام دھرتی
ہو - اپنی سوتیلی ماں کو دیکھو اُن کے باوا بھی تو بساطی ہیں اور تم میں
ہی کون سا سرخاب کا پر لگا ہوا ہے - ڈاکٹروں کو سب نائی ہی کہا کرتے
ہیں - بلکہ کئی دن ہوئے کارخانہ دار کہہ رہے تھے کہ جو نائی پھوڑے
پھنسی کی چیر پھاڑ یا ذری بھری مرہم پٹی کرنے لگا بس جرّاح بن بیٹھا
اور جس نے ذرا گٹ پٹ سیکھ لی اور دو چار بوتلیں دوا کی لے بیٹھا وہ ڈاکٹر
بن گیا - وہ تیرا باوا ایسا ہی ڈاکٹر ہو گا لکھا نہ پڑھا نام محمد فاضل اور تو نے
بھی دو چار کتابیں پڑھ کے بس لٹیا ڈبو دی تو بھی اپنے آپ کو بڑی
پڑھی لکھی اور عالمہ فاضل سمجھتی ہے - تیری مثل گدھے کی سی ہے جس پر کتابوں
کا بوجھ لاد دیا ہو - اسی لیئے تو ہمارے بزرگوں نے عورتوں کو پڑھوایا

لکھوایا ہی نہیں اور خوب کیا - تو نے چار حرف کیا پڑھ لیئے ہیں کہ کسی کو خاطر تلے ہی نہیں لاتی اور ہر وقت تیرا دماغ آسمان پہ ہی رہتا ہے - تو ایسی ہی پڑھی لکھی تھی تو کسی مولوی سے تو نے کیوں نہ کر لیا جو مجھ غریب کے سر یہ بلا باندھی گئی - صاف بات یہ ہے کہ تجھے کچھ ایسا غرور ہو گیا ہے کہ کسی سے سیدھے مُنہ بات کرنی اپنی کسر شان سمجھتی ہے اور اپنے کو بہت رکھنے لگی ہے، خدا تیرے غرور کو ڈھائے - بڑے بول کا سر نیچا! ہم نے اسی واسطے نہ پڑھا نہ لکھا کہ اس زمانے میں علم کی جوتی برابر قدر نہیں - کیا تو نے نہیں سُنا پڑھیں فارسی بیچیں تیل یہ دیکھو قدرت کے کھیل - کھیلو گے کودو گے ہو گے نواب پڑھو گے لکھو گے تو ہو گے خراب - وہ ہمارے بڑے بھائی صاحب نے پڑھا تو کیا آسمان کے تارے توڑ لائے - ملا کی دوڑ مسجد - اتنی ہڈیاں پیلیں اور مر مر کے پچاس رُپلی کی نوکری ملی - کمال کیا کیا؟ - ہم پڑھے نہ لکھے ان سے ہزار درجے بہتر اس مندے سمے میں بھی کبھی خالی ہاتھ گھر کو نہیں آئے دھیلی روپیہ ڈب میں ڈال ہی لاتے ہیں اور مندا نہ ہوا تو دو روپئے روز کی کر لینا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے - بڑے بھائی صاحب خدا اُن کی روح کو نہ شرمائے اُن کی بھلی چلائی - وہ تو پڑھ لکھ کر بالکل پاگل ہو گئے تھے - لونڈوں کو پڑھا پڑھا کر دماغ خراب ہو گیا تھا - جب ہی تو انھوں نے تیرے ختنے بگاڑ دیئے اور تجھے آسمان پر چڑھا دیا تو جو یہ چاہے کہ میں بھی بڑے بھائی کی طرح تجھے پھولوں میں تولوں

تو یاد رکھ اور کان کھول کر سن لے میں ایسا کاٹھ کا الّو اور غلام بننے والا نہیں جو تیرے قابو میں آجاؤں۔ تو ڈال ڈال ہی تو میں پات پات ہوں اور تو بھی جو تیرے نکلنے کے سے بل نہ نکالے ہوں گے۔ تو صاحب عورت جو ہر کیا جوتی کی برابری نہیں کر سکتی اُسے سر چڑھا لیا۔ میں تو شروع سے کانوں پر ہاتھ دھرتا تھا۔ مگر اماں نے نہ مانا اور پکڑ کر جو تھ دیا کام کی نہ کاج کی سیر بھر اناج کی۔ میں نے اپنے آرام کے لیئے جو ہد کی تھی یا کتب خانہ لیا تھا تو رات دن پڑھے کتاب اور اخبار میرا تیرا کیا بانٹیا۔ تو اگر مجھ سے بھاگتی ہو تو میں کب تیرے قدموں پر گرتا ہوں میں ایسی چڑیل کو کب منہ لگاتا ہوں تو گز بھر ہٹے کھنچتی ہو تو میں تجھ سے سو گز پرے ہوں۔ میری اس بے رُخی پر تو تجھ بے غیرت کا یہ حال ہے کہ رات دن پھولوں میں تُلا کرتی ہو اور جو کہیں میں ذرا منہ لگا تا تو سر سہلاتی اور بھیجا کھاتی۔ اللہ رے تیرا دماغ جنم نہ دیکھا بوریا اور بچھنے آئی کھاٹ۔ راحت دم بخود بیٹھی سُنا کی۔ وہ بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ کر پچھتا رہی تھی۔ عمر بھر میں ایک رسان کی بات کہی تھی تو اُس کا یہ طومار بنا۔ شوہر صاحب آئیں تو جائیں کہاں۔ راحت کے لئے لے ڈالے۔ اُس کے کان ان اُجڈ باتوں سے کب آشنا تھے۔ صغیر علی کی زبان تھی یا کسی کی ہوا سے باتیں کرتی تھی۔ دلی سے چلی تو دھر کانپور داخل۔ راحت بھلا کیا اُس کے منہ لگ سکتی تھی۔ جب میاں صغیر کی زبردست سیچ مدھم پڑی تو راحت ڈرتے ڈرتے بولی کہ بس کہہ چکے یا ابھی کچھ باقی ہے۔

تمھارے نزدیک ملنے جلنے میں کچھ لحاظ اچھے بُرے کا ہے یا نہیں۔ تم بھلا مانو
یا بُرا میں کہے بغیر رہ نہیں سکتی کہ ان کمینوں کی صحبت سے تم بھی بدنام
ہوگے لوگ تمھارے مُنہ پر نہ کہیں تو نہ کہیں مگر پیچھے مذاق ضرور اڑاتے
ہیں۔ بس بھلمنسات کا اقتضا یہ ہے کہ ایسے لچّوں بدمعاشوں کی صحبت
ترک کردو پھر آگے تم جانو تمھارا کام۔ صغیر علی کو اتنے جواب کی کہاں تاب
تھی۔ اُن کا بس چلتا تو راحت کی زبان کاٹ ڈالتا وہ اس قدر بھڑکا
کہ جس کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ ایک ایک گالی پان پان سیر کی تھی غنیمت
ہے کہ زبان ہی کی مار تھی ورنہ کچھ دور نہ تھا کہ جوتی لات کی نوبت آتی۔
عورتوں میں بھٹیاریوں اور مردوں میں کارخانہ داروں کی مغلظات
مشہور ہیں۔ اَلْاَمان اَلْاَمان۔ بھلا ہم اُن الفاظ کو دُہرا سکتے ہیں
توبہ توبہ۔ جب بیوی پر برس چکے تو اور کچھ تو بن نہ آئی سالن کی پتیلی
جو دَر میں رکھی تھی اُٹھا کر اس زور سے پھینکی کہ بیچ انگنائی میں پڑی۔
گلاس توڑ۔ اُگالدان کو ٹھوکر مار بھنّاتے باہر چل دیئے تو کس حیثیت
سے کہ دو انگل کی دوپلیا ٹوپی ماتھے تک جھکی ہوئی دو چھوٹی چھوٹی
گھونگروالے بالوں کی لٹیں دو سیو لیئے سی باہر نکلی ہوئیں۔ ٹانگوں
میں اُریبوال پاجامہ جوڑی دار ایسا منڈھا ہوا اور تنگ جیسے بے ایمان
کی قبر۔ گلے میں چکن کا کرتہ۔ مُلمع کے زنجیر دار بٹن اُس پر دیے دار باریک تن زیب
کا کنٹھی دار انگرکھا مگر بند کُھلے ہوئے آستینوں پر چُنَت دامن چُنے ہوئے

بغل میں گیندئی شوخ رنگ کا چادرہ - اب راحت کی سنیئے بے چاری
تنِ تنہا غم کی پتلی بنی بیٹھی ہوئی تھی - آنکھیں روتے روتے خراب ہو گئی تھیں
یہ کوئی ایک دن کا رونا تھوڑی تھا یہ تو ساری عمر کا پٹنا تھا - شام سر پے
کھڑی تھی ؎ رات کیا آتی ہے اک مہر پہ بلا آتی ہے - دل ہی دل میں
ڈر رہی تھی کہ دیکھیئے اب پھر کیا قیامت ٹوٹتی ہے - اے خدا میری مشکل
آسان کر - حیران تھی کہ ایسے شخص کے مزاج کی اصلاح کیوں کر
ہو گی - جوں توں کر کے شام ہوئی - راحت مغرب کی نماز پڑھ رہی تھی
کہ وہ شیر درندہ گھر میں گھسا تو کس شان سے کہ ایک چیخ آسمان میں
ایک زمین میں - راحت ہڑبڑا کر اٹھی اور کہنے لگی خیر تو ہے؟ -

صغیر - کھانا طیار کرو کارخانہ دار کی بہو آ گئیں -

راحت - گھبراؤ نہیں کھانا ابھی طیار ہوا جاتا ہے - تم اُن کو اتروا کر
لاؤ تو - اپنی ماما کو باہر بھیجا اور خود لینے دروازے پر گئی کہ اتنے میں
وہ بیوی اُتر کر آئیں - مگر بڑے ٹھسے سے ہنستی مسکراتی - اٹھلاتی
بل کھاتی - مچلاتی کلیل کرتی - چھم چھم کرتی - پاؤں ڈالتی ہیں کہیں اور
پڑتا ہے کہیں - زیور سے گوندنی کی طرح لدی پھندی - ٹانگوں میں
طاؤسی رنگ کی دریائی کی شلوار - سبز ریشمین کلابتون کی لڑوں کا
زبردست لٹکتا ہوا ازاربند - چاندی کی زنجیر میں کنجیوں کا گچھا ٹھوکر
کے ساتھ دو قدم آگے - گلے میں پیازی رنگ کا پلیٹوں دار قمیص
جس پر استنبولی بیل ٹکی ہوئی - اوپر سیاہ مخمل کی پھنسی ہوئی واسکٹ

سبز طوطے کے پروں جیسا کامدانی کا دوپٹہ چوڑا ٹھپّہ لگا ہوا - گلا گلوبند
پہ جمپا کلی - لچھے سے ٹھسا ٹھس بھرا ہوا یعنی گردن زیورات میں پھنسی ہوئی
چھاتی پر ہار کی لڑیاں مچلتی ہوئی - آڑی ہیکل خوش فعلیاں کرتی ہوئی
کانوں میں جڑاؤ پتے بالیاں جھلنیاں - ناک میں بُلاق - ہاتھوں میں
کہنیوں تک چوڑیوں کے علاوہ جہانگیریاں پونچیاں اور جوہے دستیاں
کلائی پر ننھی منی سی گھڑی بندھی - پور پور انگوٹھی چھلے انگوٹھے میں
آرسی - پاؤں میں کڑے چھڑے پازیب خاصی ڈیڑھ دو سیر کی بیڑی
سر گندھا گندھایا پٹیاں جھکی زلفیں چھٹی سر پہ جھومر مگر وہ بھی ٹیڑھا
بانکا لگا ہوا - چوٹی میں پٹا بٹی کا موباف - گلے میں گلوری ٹھنسی -
ہونٹوں پر مسی کی گہری دھڑی جمی - آنکھوں میں دنبالے دار سرمہ
گورے گورے پاؤں میں لال لال موزے اور سیاہ وارنش کی
گرگابی - ہاتھوں میں پور پور مہندی رچی عطر میں بسی پھولوں میں لدی
ڈولی میں سے قندی ہوری اُس پر کٹاؤ کا کام - پاندان جس پر
اودی گورنمنٹ کا کتا کبسا ہوا - مرادآبادی جھمجھماتا ہوا اُگالدان -
صندوقچی سب پر تکلفت سامان ماما نے اُتارا - غرض یہ کہ سر سے
پاؤں تک بنی سنوری عین مین موتیوں کی دلہن بنی - لدی پھندی
اتریں - راحت دیکھتے ہی ایسی جھجکی کہ جیسے کوئی کالے ناگ کو
دیکھ کر پیچھے ہٹے - دل میں کہا الٰہی خیر! اُوئی! یہ مہمان ہے یا بلائے
جان - عورت ہے یا سنگِ مقناطیس - اس کی وضع طرح اور سج دھج

تو کچھ اور ہی کہہ رہی ہے - نہ آنکھ میں شرم و لحاظ نہ لباس میں شرافت کی جھلک - نوجوان بنی سلونی عورت پھر غیر مرد کے سامنے ہونا کیا معنی ؟ معاً خدشہ ہوا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے - جب ہی تو یہ جال ڈالا ہے - راحت نے اُنھیں کمرے میں بٹھایا - دو چار باتیں اِدھر اُدھر کی کیں - پھر کھانے کے اہتمام میں لگ گئی - صغیر علی نے کمرے کی دہلیز کی مٹی لے ڈالی - راحت بچھی جاتی تھی مگر اللہ رے ان کے نخرے تھے کہ بانسوں اُچھلے جاتے تھے بات کرتی ہیں بعد پہلے تیوری پر بل - خوراک ہے تو چڑیا کی سی - ضعف معدہ - سوءِ ہضم - پیٹ میں درد - دورانِ سر - گھبراہٹ - خفقان - مختصر یہ کہ نزاکت کی مجسّم تصویر دیکھنے میں گراں ڈیل الفربہ خواہ مخواہ مرد آدمی لمبی تڑنگی ہاتھی کا پاٹھا - مگر نزاکت کا وہ دعوٰی کہ دو قدم چلتی ہیں سانس پھولا جاتا ہے - جب تک خمیرۂ مروارید ورق نقرہ میں لپیٹ کر عرق بید مشک کے ساتھ حلق سے نہ اترے اُن کا دل نہیں ٹھیرتا - راحت نے جہاں تک ممکن تھا اُن کی خاطر تواضع کی - مگر اُن کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا - نکتو ڑے لیتی ہی رہیں بات بات پر شیخی اور ڈینگ اس چیز کو جھٹک اُس کو پٹک - شیخی خوری - ہر بات میں لن ترانی سچ مچ کی دیوانی - بس چلے تو مردوں کی پگڑی اُتار لے - کہاں راحت اور کدھر یہ آفت - یوں سمجھو کہ بھلی چنگی راحت کی مفت آئی شامت - صغیر علی خدا جھوٹ نہ بلوائے شمع پر پروانہ یا

چکر گھما تے تھے۔ اودھر سے آئے دیکھ گئے اُدھر سے آئے تاک جھانک کر گئے ایک آدھ فقرہ کس گئے کچھ اشاروں ہی اشاروں میں کہہ سُن گئے بس نپچھے جاتے تھے۔ رہی وہ سید صاحبزادی منہ بات بھی نہ کرتی تھی ایسی دھتکار بتاتی تھی جیسے کوئی کھجلی بھرے کتے کو دوت دوت کرتا ہے۔ مگر یہ ہیں کہ گھسے جاتے ہیں اور ریشہ خطمی ہوئے جاتے ہیں۔ پردے کی جو کہو تو وہ ہزار بے پردگی کا باوا تھا۔ تھا بھی اور نہیں بھی۔ ؎

دل میں ہوا آہ منہ سے نکلے واہ　　نفی و اثبات دونوں اک دم میں

اُٹھو گت بھر کے ہم کو دکھلاؤ　　وہ نہیں ہم کہ شاد ہوں کم میں

پر رعایت اصول کی رکھنا　　زیر میں بم میں تال میں سم میں

کبھی ذرا کی ذرا چھپ گئیں تو کس طرح کہ کہنے کو پٹ کی آڑ میں کھڑی ہیں مگر ایک پاؤں دہلیز پر دوسرا باہر آدھی اندر آدھی باہر۔ کبھی شوخی سے دوپٹے کا آنچل منہ پر لے لیا تو معاً طباق سا منہ کھول دیا گویا شبِ تار میں بجلی کوند رہی تھی کبھی اندھیرا گھپ کبھی اُجالا۔ اس بے شرمی اور بے حیائی کا منہ کالا جو ڈھنگ ہے نرالا جو چال ہے انوکھی۔ ؎

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں　　صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

اس تماشے میں پورے آٹھ دن گزرے صغیر کا دل نہ بھرا۔ آٹھ دن باتوں باتوں ہی میں ہوا ہو گئے گویا آٹھ منٹ تھے۔ ؎

ایامِ مصیبت کے تو کاٹے نہیں کٹتے　　دن عیش کے گھڑیوں میں گزر جاتے ہیں کیسے

راحت کے نزدیک آٹھ برس ہو گئے آن کر ہریش کی طرح جم گئی جانے کا

نام ہی نہیں لیتی بارے خدا خدا کر کے نویں دن یہ لمبی بنی اور اس طرح یہ بلا ٹلی - صغیر علی بھی ڈولی کے ساتھ گئے اور ایسی گھڑی کے گئے کہ تین دن تک کوؤں بانس ڈلوائے مگر اس خانہ خراب کا پتہ نہ لگا - مگر پاک بے حیا تھے چوتھے دن پھر موجود - یہاں سے فرید آباد کا بہانہ کر کے گئے تھے پھر خدا معلوم کہاں اُس پر کالہ آتش کو دور دفان کر آئے - اللہ کرے ایسی گھڑی کی جائے کہ پھر آنا نصیب نہ ہو - دوسرے روز بی میمونہ راحت کی نانی کے ساتھ ڈولی سے اُترتے ہی چلی آتی ہیں - راحت اپنی نانی کو دیکھ کر بے تاب ہو گئی اُٹھی اور پھڑک کر نانی سے ملی - میمونہ سے جھپٹ جھپٹ کر گلے ملی - دیر تک پچھلی باتوں کا تذکرہ کر کے راحت روتی رہی اور سب رام کہانی نانی اور میمونہ کو سنائی - اُس وقت بڑی بی بہت پچھتائیں اور اصل حقیقت کھلی - مگر اب پچھتائے کا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت - راحت کو دیکھ کر نانی حیران رہ گئیں - وہ اس قدر دُبلی ہو گئی تھی کہ پہچانی نہیں جاتی تھی اور ناک پکڑے دم نکلتا تھا - میاں کی آئے دن کی کوفت نے اس کو جلا جلا کر خاک کر دیا تھا - میمونہ تو شام کو چلی گئی نانی البتہ دو چار روز رہیں پھر وہ بھی چلی گئیں - چلتے چلتے راحت کو بہت تاکید سے آنے کو کہہ گئیں - راحت نے کہا کہ دیکھو بی اجازت ملے گی تو مجھے کیا عذر ہے ضرور آؤں گی - مگر خدا جانے کہ میاں بیوی میں کیا بیر و بغض آن کر پڑا تھا کہ کسی طرح کھلتا ہی نہ تھا -

گر صد ہزار لعل و گہر می دہی چہ سود　　دل را شکستہ نہ کہ گوہر شکستہ

چوں کہ راحت کا بھائی نثار اب ماشاء اللہ نوکر چاکر تھا نانی کو اُس کے بیاہ برات کی فکر ہوئی - دو چار جگہ ذکر کیا گیا ایک جگہ سمجھ میں آگیا اور بیٹی والوں نے بات طے کرنے کے لیئے نانی اور بہن کو بلانا چاہا - راحت کی نانی نے نواسی کو کہلا بھیجا کہ تمھارے بھائی کی بات ٹھیرانی ہے آج چار بجے سمدھیانے جانا ہوگا تم ضرور ضرور آجاؤ کہ تمھارا ساتھ چلنا ضرور ہے - راحت نے کہا کہ اس وقت وہ گھر میں نہیں ہیں میں اُن سے پوچھ کر کہلا بھیجوں گی - اس کو بھائی کی شادی کی بہت خوشی تھی اور امید تھی کہ گو وہ کہیں آنے جانے کے روادار نہیں اور بڑا ضدی آدمی تھا مگر اس موقع پر ضرور اجازت دے دے گا - چنانچہ جب وہ اپنے حسبِ معمول آدھی رات گئے گھر میں نازل ہوئے تو کھانے کے بعد مزاج کو ٹٹول کر بیوی نے نانی کے بلانے کا ذکر کیا اور کہا کہ تم اجازت دو تو میں کل کھڑے کھڑے ہو آؤں مگر اُس قسی القلب نے ایسا گھرک کر جواب دیا کہ بات ٹھیرانے کے لیئے تمھارا جانا کچھ ضرور نہیں تمھاری نانی بڑی بوڑھی موجود ہیں وہ کافی ہیں تم جاکر کیا کروگی تم کوئی گڑھ فتح کرلوگی جب شادی بیاہ کا وقت آئے گا دیکھا جائے گا میرا دماغ نہ کھاؤ مجھے نیند آرہی ہے - راحت میاں کا منہ دیکھ کر چپ رہ گئی اگر کچھ بولتی تو خدا جانے کیا تازہ مصیبت ٹوٹتی اور تمام محلے کی نیند خراب ہوتی - راحت کو میاں کے ایسے رد کھے پھیکے جواب سے بہت صدمہ ہوا اور اپنا سا منہ لے کر رہ گئی

ناظرین آپ سمجھ سکتے ہیں کہ راحت بدنصیب کا دل کیا کہہ رہا ہوگا کہ حقیقی بھائی کی تو منگنی اور شہر کے شہر کا معاملہ اور بہن نہ جا سکے' کیا ظلم ہے۔ دل مسوس کر رہ گئی۔ صبح کو جب پھر آدمی بلانے آیا تو اُس نے کہلا بھیجا کہ میرا آنا نہیں ہوسکتا نانی اماں سے کہہ دینا کہ آپ ہی چلی جائیں۔ اگر خدا کو منظور ہوا تو میں ایک ہی دفعہ آؤں گی یعنی شادی میں۔ راحت آفریں ہے تیرے حوصلے پر اور شاباش تیری ہمّت پر کہ تو نے شوہر کے حکم کو نہ ٹالا گو وہ کیسا ہی ناواجب کیوں نہ ہو۔ اپنے دل پر جبر کیا' بہت اچھا کیا' اللہ کی نیک بندیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ خدا کرے کہ تیرا پرچھانواں سب پر پڑے تو بیڑا پار ہے۔ وہ دن جس طرح گزرا راحت کا دل جانے یا وہ غم زدہ دل جوان مصیبتوں میں گرفتار ہیں۔ تمام دن پریشانی میں گزرا شام کو پھر اُس کے جلانے والے کی شکل نظر آئی جس کو دیکھ کر وہ سہم گئی۔ اُٹھی اور کپڑے اُتروائے۔ میاں صاحب اکڑ ملکر گاؤ تکیئے سے لگ کر بیٹھے اور کوئی چیز کاغذ میں لپٹی ہوئی ہاتھ میں دی۔ بیوی نے کاغذ کھولا تو اُس میں دو گز نہایت باریک پیازی رنگ کی ریشمی کرپ تھی اور ایک پڑیا میں کوئی تولہ بھر ستارے ہوں گے۔ نہ میاں نے اُس وقت کچھ بیوی سے کہا اور نہ بیوی نے ہی پوچھا اور پوچھتی کس سے اُس کے سر پر تو بھوت سوار تھا۔ تھوڑی دیر بیٹھا اور پھر باہر کا رستہ لیا خدا معلوم کہاں گیا۔ اُس کا کچھ ٹھور ٹھکانا تھوڑی تھا۔ رات بہت گئی راحت بھی گھر کے کام دھندے سے فراغت پا

پڑ رہی - نیند تو سولی پر بھی آ جاتی ہے۔ آنکھ لگ گئی - گھر میں کوئی گھنٹہ بھی نہ تھا جو وقت معلوم دے۔ نہ یہاں وقت کی قدر تھی۔ پچھلے پہر سے خانہ خراب آیا کُنڈی کھٹکھٹائی گھر والی نے دبے پاؤں جا کُنڈی کھولی چراغ روشن کیا کھانے کو پوچھا جواب ملا کہ ہم نہیں کھاتے اور سونے کے لیئے پلنگ پر لیٹ گئے - جو اتنی رات کو سوئے اُس کی آنکھ سویرے کیسے کُھلے - یوں بھی ان کے ہاں آٹھ نو بجے صبح ہوتی تھی اور آج تو رت جگا منا کر آئے تھے - دس بجے بہ مشکل آنکھ کھلی - کچھ دیر کروٹیں اور جمائیاں لیتے رہے - ابھی آنکھیں بند ہی تھیں کہ بن داموں کی لونڈی نے حقہ بھر سامنے لا رکھ دیا - ؎

آنکھیں کُھلی ہوئی ہیں عجب خوابِ ناز ہے ۔۔۔ فتنہ تو سو رہا ہے درِ فتنہ باز ہے

آخر فتنۂ خوابیدہ بیدار ہوا - حوائج ضروری سے فارغ ہونے کے بعد کئی لوٹوں سے ہاتھ مُنہ دُھلا پھر کنگھی چوٹی شروع ہوئی - لباس زیبِ تن ہوا آئینے میں تن کر اپنے آپ کو دیکھا - دوسروں سے زیادہ اپنی ادا اپنے آپ کو بھائی - کچوری والا بولا چار پیسے کی کچوریاں لے چوکی پر اکڑوں بیٹھ کر ٹھوریں - بیوی کی جھوٹے مُنہ صلاح بھی نہ کی پھر ایک توے کا حقہ اُڑایا - کندھے پر رومال ڈال ہاتھ میں چھڑی لے باہر جاتے جاتے جرنیلی حکم ہوا کہ رات جو کپڑا لا کر دیا تھا وہ کیا ہوا کیسی لاپروا ہو اُلٹ کے پوچھا تک بھی نہیں - بھلا راحت کیا جواب دیتی کہ پچھلے پہر سے تو آپ تشریف لائے اور اُٹھتے دیر نہیں ہوئی کہ چلے پوچھتی

کس سے اور کس وقت - مگر یہاں تو معاملہ یہ تھا کہ زبردست مارے اور رونے نہ دے - راحت نے دبی زبان سے کہا کپڑا وہ طاق میں رکھا ہے -

میاں - طاق میں رکھنے کو دیا تھا یا سینے کو تم اندھی ہو تمھیں سوجھتا نہیں - تمھیں تو دین دنیا کی کچھ خبر ہی نہیں کل ستر ھویں ہے - ساری خلقت چلی جارہی ہے اور میرے کپڑے بھی تیار نہیں - آج شام تک کرتہ سِل جائے دیکھنا گو نتھ نہ دینا سجل سینا اور کٹا و اچھا بنانا خوب صورت اور نازک ہو اور ہر کٹاؤ کی پتّی میں ستارے رکھنا - راحت کی زبان کی نوک تک آیا کہ کچھ کہے مگر وہ حضرت ہوا کے گھوڑے پر سوار تھے کہتی کس سے - کپڑے کا رنگ دیکھ وہ سمجھی تھی کہ شاید میری ہی قسمت جاگی میرے واسطے لائے ہوں گے پھر ساتھ ہی خیال آیا کہ وہ اور کپڑا لائیں - توبہ - اب جو ستر ھویں کا نام سُنا تو دل میں کہنے لگی کہ بھلا ستر ھویں کوئی اشرافوں کا میلا ہے اور یہ کپڑا دیکھو ہوا نہ ہوا برابر - جیسے مکڑی کا جالا - بدن اُمنت نظر آئے گا مگر کہہ کر جوتیاں کون کھائے غرض اُس نے فوراً کرتہ قطع کر کے جھپا جھپ سینا شروع کر دیا - دن بھر تو وہ گھر میں جھانکتا تک نہ تھا دوپہر کی روٹی کارخانے جاتی تھی دس گیارہ بجے رات کو آتا تھا مگر آج چونکہ ستر ھویں کی تیاری کرنی تھی شام کو بھی ایک چکر کاٹ گئے - بیوی سے مخاطب ہو کر " ابھی تک تم

سی ہی رہی ہو کیسا سُست ہاتھ ہی سارا دن تم نے اسی میں گنوادیا
ایسا کون سا بڑا کام تھا۔ ڈیڑھ بالشت کا کرتہ بھی تم سے نہ سلا۔ مجھے
خبر ہوتی تو میں دس جگہ سلوا لیتا اور کبھی کا سل بھی جاتا تم تو شاید
کتاب پڑھ رہی ہو گی مجھے آتے دیکھ لے بیٹھی ہو۔

بیوی۔ جی نہیں نہیں تو جب سے تم نے کہا ہی برابر سی رہی ہوں اب
صرف تُرپنا باقی ہی تم تو صبح کو جاؤگے میں جس طرح بھی ہوگا رات کو
بیٹھ کر تمھارے جانے سے پہلے کر دوں گی۔ میاں کو آنے پایا غار دوں
میں جانے کو دیر ہو رہی تھی پھر چل دیئے اور وہی بارہ کے گجر کے
ساتھ آن دھمکے دیکھا تو بیوی بے چاری آنکھوں کا تیل نکال رہی
ہی بارے کچھ بولے چالے نہیں لمبی تان کر سو گئے۔ راحت نے
غنیمت سمجھا کہ سویا مرا برابر۔ جو دم خیریت سے گزرے غنیمت۔ راحت
کو رات بھر اُلجھن رہی۔ اُس نے کہا کہ نیّتِ شب حرام خیر صبح تو ہونے دو
پہلے میں یہ کام کر لوں تب چاہے کچھ ہو جائے میں کہوں گی ضرور
ماننا نہ ماننا اُن کے اختیار ہی سمجھا دینا ہمارا کام ہی۔ سارے دن
میں کرتہ ٹھڑا کر لیا تھا اب کچھ کام باقی نہ تھا۔ کوئی دس بجے رات کو
سِل سِلا کر تیار ہو گیا۔ راحت کا ٹانکا ایسا سجل تھا کہ درزی بھی ہاتھ
چوم لیتے۔ صبح جب میاں خواب راحت سے بیدار ہوئے تو کرتہ حاضر
تھا۔ میاں نے ہاتھ میں لے کر دیکھا۔ کرتہ کیا تھا پڑا اُنہ سے بول رہا
تھا۔ یا ایک پھولوں کا تختہ کھلا ہوا تھا۔ یا آسمان تھا جس میں تارے

چھٹکے ہوئے تھے۔ بارے پہن لیا ٹھیک بھی آیا۔ مگر سُنہ بنے کا بنا ہی رہا اچھا نہ بُرا کچھ مُنہ سے نہ پھوٹے۔ اچھا کہہ دیتے تو بیوی نہ خوش ہو جاتی اور اُس کی محنت کی داد ملتی اور دل نہ بڑھ جاتا اور یہاں منشاء یہ تھا کہ جلتے توے پر چھینٹے دیتے مگر ان کا خاموش رہنا ہی پسندیدگی کی دلیل تھی اگر ذرا بھی فی ہوتی تو آپ دیکھتے کہ کرتے کی دھجیاں اُڑا دیتا اب غسل کی تیاری شروع ہوئی۔ پانی تو پہلے ہی سے گرم رکھا ہوا تھا سہیں آنو لے پڑے بیوی نے جھانویں سے ہاتھ پاؤں مانجھے سر دُھلایا یہ مرحلہ طے ہوا۔ بالوں میں تیل پڑا پٹے جمائے گئے شکر ہے کہ ڈاڑھی منہ پر نہ تھی وہ حجام کے گھر میں تھی۔ مونچھوں پر تاؤ دیا جوڑا زیب تن ہوا۔ آئینے میں اپنی شکل وشمائل کو دیکھا دل خوش ہو گیا۔ غرض یہ کہ بیوی نے میاں کو اچھا خاصا دولھا بنا کر بھیجا اور اپنا حال وہی ساون ہرے نہ بھادوں سوکھے۔ ؏

بلبل نیم کہ نعرہ زنم درد سر دہم ۔۔۔ قمری نیم کہ طوق بہ گردن در آورم
پروانہ نیستم کہ بہ یک دم عدم شوم ۔۔۔ شمعم میاں بسوزم و دم برنیاورم

ٹانگوں میں میلا سوسی کا پاجامہ سر پر مانگیا دوپٹہ پھٹا ہوا کرتہ اور ٹوٹی ہوئی پھڈی کنٹے چری جوتی۔ سر میں کنگھی ندارد بال ہیں کہ وبالِ جان۔ تن بدن کا ہوش نہیں بُری طرح آن بنی تھی۔ جس میاں کو اپنے بناؤ سنگھار سے فرصت نہ ہو اُس کی بیوی کسی حال میں رہے کوئی پرسانِ حال نہیں۔ ہمیں اپنی خوشی سے کام ہے اُس میں

چاہے دوسرے کا کام ہی کیوں نہ تمام ہو جائے ۔ خود غرض بندے ایسے ہی ہوتے ہیں ۔ ؎

تو کز محنت دیگراں بے غمی　　نشاید کہ نامت نہند آدمی

غرض البیلا چھبیلا چلے ۔ بیوی نے کہا ذرا میری بات سنتے جاؤ ۔

میاں ۔ کہو کیا حکم ہے ۔

بیوی ۔ حکم وکم کچھ بھی نہیں لونڈی کی عرض ہے سنتے جائیے ۔

میاں ۔ اچھا فرمائیے ۔ نیکی کے دم میں تھے جاتے جاتے ٹِک گئے

بیوی ۔ ستّرھویں میں جانا کچھ فرض ہے ؟ ۔

میاں ۔ ہاں ویسا ہی فرض ہے ۔ جیسا تمھارا اسکول اور اسکولوں کے بہانے سے جلسوں میں خدائی خوار جھک مارنا ۔

بیوی ۔ میں تم سے لڑ نہیں رہی نہ بحث کرتی ہوں ۔ اچھا یہ تو بتاتے جاؤ کہ آؤ گے کب ۔

میاں ۔ جب ہمارا دل چاہے گا ۔ تم بیوی ہو یا قاضی ۔

بیوی ۔ ستّرھویں میں جانا اور اپنی اوقات عزیز رائگاں کرنا اور ہاتھ کا پیسہ کھونا تم کو کس نے بتایا ہے ؟ ۔

میاں ۔ بتائے گا کون ؟ اپنے دل کی خوشی میں اپنے دل کا مالک و مختار ہوں تم کو دخل در معقولات کی ضرورت ۔

بیوی ۔ خیر ۔ جلدی آنا میں گھر میں اکیلی ہوں ۔

میاں - ہوا کرو - مجھے کیا - میں گھر گھسنے مردوں میں نہیں -
بیوی - اے تو کون کم بخت کہتی ہے کہ تم باہر نہ جاؤ - جاؤ شوق سے
جاؤ مگر یہ نہیں کہ یار دوستوں کے جمگھٹے میں گھر کو بھول جاؤ -
میاں - تو تمھارا مطلب کیا ہے، کیا میں تم کو گلے کا ہار بنا لوں -
مفت میں میرا دماغ چاٹ گئیں - اجی ہم تو موجی بندے ہیں - مجھے
دوسرے کی بات کی ضد پڑ جاتی ہے میں تو ہمیشہ رات گئے آ جاتا تھا
اب جو تم نے خواہ مخواہ کی چھیڑ خانی نکالی ہے تو دو دن میں آؤں گا -
بیوی - اچھا بہت خوب - صغیر علی کو سترھویں کی بہار نظر آ رہی تھی
بڑبڑاتا ہوا چل دھرا - دو دن گزر گئے بیوی گھر میں اکیلی پڑی سڑ رہی
ہے گھِس لگانے کو آدمی نہیں - گھر اکیلا ڈھنڈار رات پہاڑ ڈر کے
مارے دم سلب ہوا جاتا ہے - خدا خدا کر کے چوتھے دن سواریِ بادِ
بہاری گھر میں آئی - چار دن امن رہا تھا پھر وہی طوفانِ بے تمیزی
بر پا ہوا - کوئی کہاں تک لکھے - خیر یہ جھگڑے رگڑے تو دم کے ساتھ
ہیں یہاں کا معاملہ یہیں چھوڑیئے - بھائی کی ہنگنی میں تو جانے
نہ دیا تھا اب بیاہ برات ٹھیر گیا - نثار خود بلانے آیا - راحت تو
دوسرے کے بس میں تھی کہا تمھارے بہنوئی سے پوچھ لوں تو
کہوں گی کل آنا جیسا کچھ ہو گا سُن لینا - رات کو راحت نے میاں
سے کہا کہ نثار کا بیاہ ٹھیر گیا - تم مجھے اجازت دو تو میں جاؤں -
میاں - تم کو میری اجازت کی کیا ضرورت ہے - تم خود مختار ہو جہاں

چاہو جاؤ۔

بیوی - میں نے کبھی تمھاری اجازت بغیر ڈیوڑھی کے باہر قدم رکھا ہو تو تم ہی ایمان سے کہو۔

میاں - کیا ایمان ہر وقت میری بغل میں دھرا ہے۔ میں ٹھیرا کامی آدمی صبح کا نکلا شام کو گھر آیا۔ مجھے کیا خبر کہ تم کہاں جاتی ہو اور کہاں آتی ہو اور خدا جانے کون کون الائیں بلائیں تمھارے پاس آتی جاتی ہیں۔ بات بڑھتی دیکھ راحت چُپ ہو گئی۔ اُس کو میاں کی اس بدگمانی سے بڑا قلق ہوا اور سوچنے لگی کہ جس شخص کے دل میں بیوی کی طرف سے ایسی بدگمانیاں ہوں اُس سے نباہ کس طرح ہو گا۔ خدا ہی حافظ ہے خیر پھر دیکھا جائے گا ابھی کئی دن ہیں۔ نانی بے چاری کی جان غضب میں تھی کہ کسی طرح راحت غریب کو مرنے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔ آخر وہ خود ڈولی چڑھ کر نواسی کے ہاں جا اُتریں۔

باب (۲۲) - میاں کا ایک گری پڑی عورت سے نکاح کرنا اور راحت کو گھن لگ جانا

بابا مری نہ من مرے مر مر گئے سریر ۔ آسا ترشنا نا مری یہ کہہ گئے داس کبیر

نانی نے نواسی سے پوچھا کہو بی تم نے اپنے میاں سے پوچھ لیا؟۔

راحت - میں نے جانے کو پوچھا تھا تو وہ اوندھی سیدھی ہانکنے لگے۔

نانی - آخر بات کیا ہے - ہم نے بیٹی دی ہے یا لونڈی یہ بھی خوب بات ہے کہ ناخنوں سے گوشت جدا کر رہے ہیں - گھر گھر بیٹیاں اور گھر گھر داماد ہیں - مگر یہ غضب ہم نے کہیں نہیں دیکھا تو کیا سنا بھی نہیں - میں تو آج تجھے لے کر جاؤں گی - دیکھوں کیسے نہیں بھیجتا - بڑی بی بگڑی بیٹھی تھیں آخر صبر کی بھی کوئی حد ہے - بن ماں باپ کی بچی پر ایسی قید توبہ توبہ! - بڑی بی نے آئی آوائی ڈولی پھیر دی اور دھرنا دے کر بیٹھ گئیں - جناب صغیر علی صاحب کا اصلی بھید اس ترکِ موالات میں یہ تھا کہ گھر کا بھید باہر نہ پھوٹے - ملے جلے گی تو اپنا دکھڑا اور میرے ناواجب ظلم کا رونا ضرور روئے گی - جس سے میری ناک کٹے گی - اس سے بہتر ہے کہ سب سے ملنا جلنا ہی بند کر دو - صغیر علی وہی رات گئے آئے - بڑی بی بیٹھی ہی تھیں، سلام تو نواس داماد نے کر لیا اور گردن جھکائے اپنے کمرے میں جا گھسا بیوی کو بلایا اور پوچھا کیوں خیر تو ہے یہ کیسے آئیں؟ - مجھ پر چڑھ کر آئی ہوں گی تو نے ہی بلایا ہوگا - اچھا اس بات کو یاد رکھیو - تو جاتی کہاں ہے - ذرا ان کو جا لینے دے پھر تو ہے اور میں ہوں تیری ساری دھول نہ جھٹک دوں تو سہی -

بیوی - تم ناحق مجھ پر بدگمانی کرتے ہو میں کیوں بلاتی اور وہ کیوں آتیں - تم نے بھائی کی شادی میں جانے نہ دیا وہ خود چلی آئیں - آخر میری نانی ہیں کوئی غیر تو نہیں ان کے سوائے اب میرا اور ہے کون

میاں - ہاں تیری وارثی بھی بڑھیا تو کرے گی اور میں تو تیرے نزدیک کسی شمار قطار میں نہیں۔ کھانا وانا کھا چکنے کے بعد ننیا ساس نے نواسی داماد سے بہت نرمی سے کہا۔ بات تھی معقول اور کچھ مرعوب سا ہو گیا تھا دب گیا اور صاف کانوں پر ہاتھ دھر گیا۔ اجی بی تو میں نے کب منع کیا تھا آپ شوق سے لے جائیے۔

ننیا ساس - لڑکی کو تو میں صبح لے جاؤں گی مگر میاں برات میں تم بھی ضرور آنا۔

صغیر علی - دیکھو۔

ننیا ساس - دیکھنا ویکھنا کیسا تم بہنوئی ہو خدا تمھیں سلامت رکھے۔ بھلا اصل خیر سے تم نہ آؤ گے تو اور کون آئے گا۔

صغیر علی - اچھا اچھا کہہ تو رہا ہوں کہ آؤں گا۔ آپ تو نکاح کی سی شرطیں کرتی ہیں۔ صبح سویرے راحت اپنے میکے چلی گئی۔ تیسرے پہر راحت نے ظہورن کو بھیج کر کچھ کپڑے اور زیور کا صندوقچہ منگوایا۔ صغیر علی نے کیا چالاکی کی کہ صندوقچہ کو کھول کچھ چیزیں نکال باقی کی پوٹلی باندھ ماما کے حوالے کی۔

ظہورن - میاں کیا کیا چیزیں ہیں مجھے سنبھلوا دو۔

صغیر - اجی بی سنبھلوانا کاہے کا تم چور نہیں بس جلدی لے جاؤ تم باتیں ملا رہی ہو اور وہاں سانچق کو دیر ہو رہی ہے۔ ظہورن بے چاری سیدھی سادی اِن چھل بٹوں کو کیا جانے پٹلیا جوں کی توں لا بیوی کے

حوالے کی۔ اُنھوں نے جو کھول کر دیکھا تو اکٹھی تین چیزیں اور وہ بھی بھاری بھاری کم۔ جھلنیاں۔ جڑاؤ نوگریاں۔ گلوبند ندارد۔ ان میں جھلنیاں اور نوگریاں اس کے پہلے شوہر کی بنوائی ہوئی تھیں جن کو وہ جان کی برابر عزیز رکھتی تھی۔ ان چیزوں کو کم دیکھ کر اُس کا کلیجہ دھک سے ہو گیا اور گھبرا کر ظہورن سے پوچھا "ای بی تم گنوا کر بھی لائی تھیں یا یوں ہی اُٹھا لائیں۔ اس میں اکٹھی تین چیزیں کم ہیں۔"

ظہورن۔ میں نے تو میاں سے پہلے ہی کہا تھا کہ مجھے سنگوا دو مگر اُنھوں نے نہ مانا اور بندھی کی بندھی پوٹلی مجھے دے دی میں نے انّمت لاکر تم کو دے دی۔ جیادہ (زیادہ) میں نوں دیول، نہ بولی کہ میاں کا مجاز (مزاج) ہی بُرا کہیں مجھ پر گُسّا (غصّہ) نہ ہوں۔

راحت۔ ارے بی خدا کے واسطے تم اُلٹے پاؤں جاؤ اور اُن سے پوچھو کہ کیا بات ہے جو تین چیزیں اس میں نہیں ہیں۔ شاید اُنھوں نے رکھ لی ہوں، میری ساری چیزیں صندوقچے میں تھیں صندوقچہ جوں کا توں بھیج دیتے اپنی کُنجی لگا کر کھول لینے کی کیا ضرورت تھی۔ ظہورن جھپٹ گئی مگر میاں گھر میں نہ تھے وہ جان کر ٹل گیا تھا کہ دو تین دن کے بعد حال کھُلے گا بات مدھم پڑ جائے گی۔ اُدھر سانچق کی دھوم دھام اُدھر راحت کے زیور کی گڑبڑ غرض جان عجب مشکل میں تھی۔ راحت کا دم سلب ہو گیا کہ یہ کیا ہوا۔ ضرور اس مردوئے نے ہاتھ مارا کیوں کہ ظہورن آج کی نہیں نہ وہ ایسی آدمی ہو نہ ہو یہ حضرت ہی کی چالاکی ہے

ورنہ اپنی کنجی لگا کر میرا صندوقچہ کھولنا کیا معنی ہے۔ بے چاری صبر شکر کرکے جو کچھ باقی بچا تھا پہن اوڑھ کر بھائی کی شادی میں بیٹھی۔ مگر وہ بیٹھنا کیا تھا برائے نام۔ ع

در محفلِ خود بار مدہ ہمچو منے را آزردہ دل آزردہ کند انجمنے را

سانچق سے رات کو دیر میں واپس ہوئی۔ راحت نے آتے ہی پہلے میاں کا کھانا بھجوایا اور کہلا بھیجا کہ سویرے سے آنا ایسا نہ ہو کہ برات میں دیر سے آؤ۔ صغیر علی آج اپنی دوسری نئی نویلی بیوی کو خدا رکھے گھر میں بھی لے آئے تھے اور خوب مگن تھے۔ جب ماما کھانا لے کر پونہچی اور دروازہ کھٹکھٹایا تو صغیر علی نے کڑک کر کہا کون ہے؟ معلوم ہوا ظہورن ہے تو چلا کر بولا کہ کھانا واپس لے جاؤ "میں کیا کسی کے کھانے کا بھوکا ہوں جو رات کے بارہ بجے تک بیٹھا رہتا"۔ وہ بے چاری کھانا واپس لے آئی اور راحت سے آن کر کہا کہ دروازہ تک نہ کھولا باہر کے باہر ہی واپس کر دیا" وہ بے چاری چپ ہو گئی۔ دوسرے دن برات میں بہ ہزار مشکل ایڑیاں رگڑ رگڑ کے تشریف لائے۔ نثار نے دبی زبان سے زیور کو پوچھا تو صاف بدل گیا اور کانوں پر ہاتھ دھرے کہ میں کیا جانوں صندوقچے میں جو چیزیں تھیں میں نے دے دیں بوجھل صندوقچہ وہ کہاں لاد کر لے جاتی" ظہورن نے چرائی ہوں گی یا تم نے دبائی ہوں گی" تم کون معاملے کے صاف ہو۔ یہ خوب کہ الٹا مجھے چور بناتے ہو۔ تم دونتے دار ہو میں بیچ کھیت تم سے دھڑ والوں گا

گہنا اُڑا یا خود اور ظلم توڑنے لگا ناکردہ گناہوں پر۔ راحت نے سُنا سر پیٹ لیا کہ ساری عمر میں میکے آئی تھی تو یوں مُنڈی اب خدا جانے کیا قیامت بپا ہو "یکے نقصانِ مایہ دیگر شماتتِ ہمسایہ"۔ زیادہ ٹھہرنے کا حکم نہ تھا اور اب یوں بھی زیور کا جھمیلا پڑ گیا تھا چوتھی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ گھسیٹو ابلوا یا۔ نانی روکتی کی روکتی رہیں مگر راحت کو اپنی موت معلوم تھی وہ میاں سے ایسی کانپتی تھی جیسی قصائی سے گائے۔ ڈولی کے آنے کی دیر تھی کہ روتی دھوتی چلی گئی نہ کسی کی سُنی نہ اپنی کہی۔ اس کو شادی میں بھی خوشی نصیب نہ ہوئی اُس ظالم نے یہاں بھی اسے بے کل رکھا۔ گو میاں بیوی میں موافقت نہ تھی مگر دم بھر کے لیئے بھی کہیں جانے آنے نہ دیتا تھا کہ چار میں بیٹھ کر کچھ تو غم غلط ہو نہ کسی سے ملنے جُلنے کا حکم تھا ایک قیدی تھی دائم الحبس اور قید بھی سادہ نہیں بامشقت۔ گھر کی لونڈی بنی رہو اور ظالم شوہر کے ظلم سہے جاؤ۔ راحت کے لیئے یہ عذابِ جان تھا وہ ایک بڑی ملنسار لڑکی تھی مگر جب اُس نے دیکھ لیا تھا کہ میاں اس کے بالکل خلاف ہی تو وہ بھی خاموش ہو گئی۔ گو وہ یہ جانتی تھی کہ حد درجے کا کج خُلق ہی مگر کیا کرتی ایسے ظالم اور جابر شخص کے پنجے میں پھنسی ہوتی تھی کہ الاماں۔ سگے بھائی کی منگنی میں شریک نہ ہونے دیا اور شادی میں بھیجا تو یوں سر مونڈ کر۔ نوبت باینجا رسید۔ غرض راحت ڈرتی ڈرتی ڈولی سے اُتری۔ دیکھتی کیا ہی کہ میاں سر پر سوار ہیں۔ ڈولی سے

بیوی کو اُترتے دیکھ کر لگا ایل فیل بکنے "تو اپنی نانی کو چڑھا کر مجھ پر لائی تھی میں خون کے سے گھونٹ پی کر رہ گیا تو تُو نے چالاکی کر کے سارا زیور میکے والوں کے کلیجے میں ٹھونس دیا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ تم سب کی ملی بھگت ہے ورنہ کیا معنی کہ زیور زیوں تلپٹ ہو جائے۔ تیرا اصلی مقصود زیور کا لٹانا تھا شادی کا صرف بہانہ تھا۔ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور۔ اگر تیرے یہی لچھن ہیں تو بس میرے گھر میں تو ٹک چکی۔ مجبوراً مجھے اپنی آرام اور آسایش کا اور کوئی رستہ نکالنا پڑے گا اور جب ہی تیرا زور ٹوٹے گا آج کو تو تُو زیور کو خالصے لگا آئی کل کلاں کو خدا جانے کیا آفت برپا کرے اور میری رہی سہی ناک بھی کٹوا دے۔ خدا ایسی شورہ پشت عورت سے بچائے۔ راحت میاں کی بدکرداریوں سے خوب واقف تھی وہ خوب جانتی تھی کہ زیور پار کیا اس نے اور میرے منڈھتا ہے میرے۔ اس کھُلم کھُلا کہنے سے اُس کا ماتھا ٹھنکا اور اپنی موت سامنے نظر آنے لگی سمجھ گئی کہ یہ تھوڑا سا برائے نام رہا سہا گھر بھی اب جانے والا ہے۔ کئی دن خوب کش مکش رہی۔ شادی کا جانا اُونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ہوا۔ صغیر رات گئے ہی سہی مگر دیر سویر آن کر پڑ ضرور رہتا تھا مگر اب کئی کئی دن کا غُرّہ بھی کرنے لگا۔ یا تو راحت کی یہ بندش تھی یا اب بار بار یہی کلمہ کلام تھا کہ چل نکل جا اپنی نانی کے پاس جا۔ راحت سُنتی تھی اور چپ ہو جاتی تھی کہ یا الٰہی میں کہاں جاؤں۔ زمین پھٹے اور وہ بندی سما جائے۔ خدا بہانے

میری تقدیر میں در در کی ٹھوکریں کھانا لکھا ہے یا کیا۔ بگڑا آدمی دشمن برابر۔ بات تو کچھ ایسی نہ تھی ایک دن خواہ مخواہ کا جھگڑا رکھ کر بس گھر سے نکالنے کھڑا ہو گیا اور ڈولی منگا کر کھڑے کھڑے سوار ہی تو کرا دیا۔ راحت ایسا روئی کہ در و دیوار رونے لگے مگر اس سنگ دل کو ذرا رحم نہیں آیا۔ ؎

مری تربت پہ سب روئے نہ رویا پر وہ سنگیں دل
قیامت ہے کہ دو آنسو نہ چشمِ یار میں آئے

راحت۔ (ڈولی میں بیٹھ کر) میں کہاں جاؤں؟۔

میاں۔ جانے میری جوتی کہ تو کہاں جائے۔ جدھر تیرا منہ اٹھے اور تیرے سینگ سمائیں چلی جا مجھ سے کیا پوچھتی ہے۔ بلا اپنی نانی اور بھیا کو۔ دیکھوں تو آج تیری وارثی کون کرتا ہے۔ راحت ہکّی دھک اور ششدر رتھی یا الٰہی کہاں جاؤں کیا کروں۔ بہت روئی بڑی منّت سماجت کی ہاتھ تک جوڑے مگر اس ظالم نے نہ ماننا تھا نہ مانا۔ جب راحت نے دیکھا کہ کسی طرح یہ مانتا ہی نہیں تو لاچار ہو کر کہاروں سے کہا کہ بلاقی بیگم کے کوچے ڈاکٹر صاحب کے ہاں پونہچا دو۔ نانی دیکھ سنائے میں آ گئیں۔ ہیں۔ ! تم کدھر؟۔ راحت نے سارا ماجرا کہہ سنایا نانی نے گلے سے لگایا اور کہا کہ لعنت بھیج ہوئے پر۔ پہلے تو بعد اور جو دال دلیا اللہ نے ہمیں دیا ہے کھا اور بیٹھ کہ کسی طرح تیری جان کو تو چین ہو۔ راحت کو میکے آئے ہوئے دس دن ہو گئے شوہر صاحب نے

اُلٹ کر خبر بھی نہ لی کہ جیتی ہے یا مر گئی - اب وہاں کی سُنیئے - راحت کو گھر سے نکالنے کا اصلی سبب یہ تھا کہ وہ پنجابن گلے پڑ چکی تھی اور سُنتے ہیں کہ صغیر علی نے اُس سے نکاح کر لیا تھا بیوی کو نکال دل کی کُنجی کو بے دھڑک گھر میں لا بٹھایا - راحت کو اس بے سروسامانی سے بیک بینی و دو گوش نکالا کہ وہ نہ زیور لے سکی نہ کپڑے لتے - راحت کے میاں نے ظلم پر ظلم یہ کیا کہ اُس بدنصیب کے زیور میں سے اول تو وہ رہا ہی کیا تھا بہت کچھ پہلے ہی بیچ کھونچ کر چکے گئے تھے - غرض جو کچھ بھی تھا وہ اور سارے کپڑے نئی نویلی دُلہن کو دے دلا دیئے - صغیر علی کو تو اتنی توفیق نہ تھی کہ نکاح کے وقت راحت کو ایک چھلا بھی چڑھاتا - جو کچھ زیور تھا اُس کے میکے کا تھا یا اُس کے پہلے شوہر کا بنوایا چڑھایا ہوا تھا - اُس کے بھی کورٹے کر ڈالے - راحت کو کیا خبر تھی کہ بھائی کی شادی میں آنا اس کے اپنے گھر جانے کا بہانا ہوگا - سارے جہان کی مصیبتیں تو راحت بے چاری پر ٹوٹ ہی رہی تھیں - ایک سوکن کا غم نہ تھا سو وہ بھی تقدیر میں بدا تھا ہو کر رہا - ؎

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

وہاں جو کچھ ہونا ہوا نا تھا ہو گیا اور یہاں ابھی تک کچھ خبر ہی نہیں - راحت حیران و پریشان تھی کہ اب کیا کرے اُدھر سے اُلٹ کر کوئی پوچھتا نہیں - کیا خود چلی جائے - میں چلی تو جاؤں مگر اُس سے عجب نہیں کہ مجھے گھر میں بھی نہ گھسنے دے اور ڈولی اُلٹی واپس کر دے

آخر مجھے یوں پٹخ دینے کا سبب کیا ہے۔ میں نے تو کچھ قصور بھی نہیں کیا
دل کو بے چینی تو لگی ہی ہوئی تھی ایک دن ظہورن کو کپڑے لانے کے
بہانے بھیجا۔ اتفاق سے کنڈی کھلی ہوئی تھی اور سقّہ پانی بھر رہا تھا
ظہورن نے جھانک کر دیکھا تو دالان میں صغیر علی اور ایک اجنبی
عورت بیٹھے بے تکلف کھانا کھا رہے تھے۔ صغیر علی ظہورن کو
دیکھ ذرا ٹھٹکا اور ترش رو ہو کر کہا کہ پھر تم تشریف لائیں۔

ظہورن۔ بیگم صاحب نے کپڑے منگوائے ہیں۔

صغیر علی۔ (چلّا کر) چل دُور ہو یہاں کسی کے کپڑے ویڑے
نہیں ہیں۔ خبردار جو تو نے اس گھر میں قدم دھرا ہو گا تو مجھ سے بُرا
کوئی نہیں۔ ظہورن جیسی گئی تھی ویسی ہی چلی آئی اور جو کچھ کہا تھا
وہ کہہ دیا اور دبی زبان سے یہ بھی کہ ایک عورت اور میاں بیٹھے
کھانا کھا رہے تھے۔ راحت نے ظہورن سے پھر کرید کر پوچھا۔
مگر آگے کچھ پتہ نہ چلا چپ ہو گئی اور ایک بڑی فکر میں پڑ گئی کہ الٰہی
یہ عورت کون ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ نکاح وکاح کر لیا ہو۔ میکے
والوں میں کسی کی صلاح نہ تھی کہ گر بڑ کر جائے مگر مجبوری سب کچھ
کراتی ہے آخر یوں کب تک بیٹھی رہتی۔ صغیر علی کو بھی لوگوں نے
لعن طعن کی کہ میاں تم نے بہت بُرا کیا گھر والی سے ایسا سلوک کہ
مر جانے کی جگہ ہے۔ بے خطا بے قصور تم نے اُسے گھر سے نکال باہر کیا
محلّے میں مولوی **مصلح الدین** ایک بڑا بزرگ تھے اُنھوں نے کئی بار

لعنت ملامت کی۔ صغیر علی بھی کچھ نرم پڑا۔ مولوی صاحب بے چارے کا خدا بھلا کرے کہ اُنھوں نے کچھ صورت نکالی صغیر علی کو پکا کر اپنی بیوی کو بھجوایا اور خدا واسطے بیچ میں پڑ کر ملاپ کرا دیا۔ راحت کو سہارا ہی کیا تھا جس کے برتے پر بیٹھتی ذرا سے اشارے میں جانے کو تیار ہو گئی وہ نیک بخت بیوی اپنے ساتھ سوار کرا کے لے گئیں اور خدا کا شکر ہی کہ بی راحت کے قدم پھر اس گھر میں آئے۔ اب آگے اللہ مالک ہی۔ شاموں شام راحت گھر پونہچی۔ بیوی کمرے میں گئیں تو میاں کو دیکھا کہ آئینہ سامنے رکھا ہی اور بال بنائے جا رہے ہیں۔ خود بینی میں اس قدر محو تھے کہ آنکھ اُٹھا کر بھی بیوی کو نہ دیکھا اور نہ کچھ بولے۔ رہی راحت وہ کیا بولتی۔ میاں اپنے حسبِ معمول باہر چلے گئے۔ ظہورن پکانے میں لگ گئی کہ اتنے میں برابر کے ہمسائے میں سے اس کی ایک ملنے والی آئیں اور راحت سے کہنے لگیں کہ "بہن تم تو خوب بھائی کی شادی میں رہیں۔ کہو دُلہن کیسی ہی کیا کیا جہیز لائی ہی؟"۔

راحت۔ ماشاء اللہ اچھی شکل ہی اور بی ماں باپ کی بیٹیوں کی شکل صورت کا کیا دیکھنا بڑا دیکھنا گھر اپنے کا ہی سو خدا رکھے دسوں انگلیاں دسوں چراغ ہیں۔ جہیز بھی اچھا خاصہ لائی ہیں۔ بہت دنوں میں جانا ہوا تھا نانی اماں نے رکھ لیا وہ تو اب بھی آنے نہیں دیتی تھیں کیوں کہ نئی دلہن کا آنا جانا تھا مگر یہاں گھر اکیلا تھا اس لیے مجھے آنا ہی پڑا۔

ہمسائی - بہن بہت ہی اچھا ہوا کہ تم آگئیں - بلکہ میں نے کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ کسی نہ کسی طرح تم کو بلواؤں -

راحت - کیوں خیریت ہے؟ -

ہمسائی - کیا بتاؤں کچھ کہہ نہیں سکتی جس دن تم گئیں اُس کے دوسرے ہی دن تمھارے میاں نے ایک عورت کو گھر میں لا بٹھایا - غرض یہ کہ وہ آج ہی دوپہر کو کہیں گئی ہے - مجھے دو تین روز تو معلوم نہیں ہوا مگر وہ لڑکا جو تمھارے میاں کے کارخانے میں کام کرتا ہے میرے لڑکے کے پاس آیا۔ اُس کی عمر تو چھوٹی ہی ہے اس لیئے وہ گھر میں آگیا - باتوں باتوں میں اُس نے کہا کہ ہمارے اُستاد نے نکاح کرلیا - یہ سُن کر میرے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور میں نے اُس سے خوب اچھی طرح پوچھا تو معلوم ہوا کہ تمھارے میاں نے ہی نکاح کیا ہے - کھٹکا تو پہلے ہی سے تھا - اب راحت کو ہمسائی کی زبانی یہ بات سنتے ہی قریب تھا کہ غش آجائے مگر یہ حال ہوگیا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہ تھا - تھوڑی دیر چپ رہی پھر بولی کہ بی ہمسائی تقدیر کا لکھا نہیں ٹلتا بھلا ہوا کہ تم نے خبر کردی ورنہ خدا معلوم کہ کب تک مجھے خبر نہ ہوتی - راحت کے دل کا اللہ ہی مالک تھا - اس کا دل سینے میں بے طرح تڑپنے لگا - گو ان میاں بیوی میں جیسی کہ ہونی چاہیئے محبت نہ تھی - تاہم میاں بیوی تو تھے گو نام کے ہی سہی - راحت جیسی نیک لڑکی کے لیئے یہ صدمہ ایسا نہ تھا جس سے وہ جاں بر ہوسکتی ہمسائی تو تھوڑی دیر ٹھیر ساری رام کہانی سُنا کر چلتی ہوئیں راحت بدنصیب کی

سُنیئے کس کا کھانا کس کا پکانا کس کا سونا آج وہ اپنی ان تمام ضروریات کو بھی اس صدمے پر قربان کر چکی تھی۔ میاں نے رات کو غرہ کیا بیوی اسی اُدھیڑ بن میں تھی اور سمجھ گئی کہ ہو نہ ہو وہیں گئے ہوں گے۔ بھلا اب میرا ٹھکانا اس گھر میں کیا ہوگا اول ہی جلم جلا گھر تھا اب رہا سہا بھی نہ رہا وہ شخص میری پرچھائیں سے بھاگتا ہے اب تو خون کا پیاسا ہو جائے گا۔ میرا زیور کہیں نہیں گیا یہ اُسی عورت کو دیا گیا ہے۔ غرض یہ کہ تمام رات وہ اسی فکر میں غلطاں پیچاں رہی۔ ہم شاید یہ لکھنا بھول گئے کہ ان میاں سے اصل خیر سے راحت کے دو بچے بھی تھے ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ صغیر علی نے کبھی اُن بچوں کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ جب بیوی کا ہی یہ ہَدڑا کر رکھا تھا تو یہ چینگی پوٹے کس شمار قطار میں تھے۔ ایسا معلوم دیتا تھا کہ تھے ہی نہیں۔ راحت کو اب بڑی مصیبت کا سامنا تھا۔ صبح کو کچھ دن چڑھے جب میاں آئے تو راحت نے دل کڑا کر کے کہا کہ اُس روز جو تم نے میرا زیور بھیجا تھا اُس میں تین چیزیں کم تھیں۔ تم نے ظہورن کو گن کر دی تھیں

صغیر علی ۔ مجھے تو کچھ خبر نہیں جیسا تم نے کہا تھا اور جو صندوقچے میں رکھا تھا وہ سب ظہورن کے سامنے رومال میں باندھ کر اُس کے حوالے کر دیا تھا وہ جانے اور تم۔ تمہارے بھائی صاحب سے تو میں اُسی دن کہہ چکا تم بھی سوتی سوتی اب جاگی ہو۔ اگر کم ہیں تو ظہورن کی تو مجال نہیں کہ ایسا ہتا مار سکے یہ تمہارا ہی حوصلہ ہے ع چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

اللہ رے تم عورتوں کا جگرا چُراؤ خود اور لگاؤ مجھ پہ۔ شرم نہیں آتی۔ میں چور ہوں آج تک نہ چُرایا شاید تیرے باوا کے ہاں کا گٹھڑا کبھی چُرایا ہوگا۔

راحت۔ ظہورن بڑھی پُرانی اور معتبر آدمی ہے۔ ابّا جان کے وقت سے آج تک یہ ہمارے گھر میں رہی اور ہزاروں ہی روپیے اس کے ہاتھوں سے نکلے مگر کیا مجال کہ ایک کوڑی کا بھی فرق آیا ہو۔ مجھے تعجب ہے کہ آخر یہ چیزیں کہاں گم ہوگئیں۔ تم یہ کہتے ہو کہ اُس کو دکھا کر سب دی تھیں اور وہ انکار کرتی ہے۔ میں نے اُس سے پوچھا تھا تو کہنے لگی کہ میاں نے میرے سامنے نہیں گِنیں بلکہ میں نے اُن سے کہا بھی تو کہنے لگے کہ تو لے جا کوئی بے اعتباری تھوڑی ہی ہے۔ چوں کہ بات سچ تھی اس لیئے صغیر علی جل گیا اور کہنے لگا کہ وہ مردار نمک حرام کہاں ہے۔ ذرا میرے سامنے تو لاؤ میں اُس سے پوچھوں"۔

راحت۔ ذرا زبان سنبھالیئے اور غصّے کو روک کر بات کیجیئے۔ چلو خیر جو نقصان مجھے اُٹھانا تھا اُٹھا چکی اُس کم بخت کی ہی غلطی ہوگی۔

صغیر علی۔ اب تو اور بھی اینٹھے اور تن کر کہنے لگے کہ میں تو اُس سے پوچھ کر رہوں گا اپنا اور اُس کا خون پانی ایک کردوں گا بتاؤ وہ کہاں ہے

راحت۔ وہ بازار سودا لینے گئی ہے تم کو پوچھنے کی ضرورت نہیں مجھے اب معلوم ہوگیا۔

میاں۔ تم تو مجھ پر الزام دھرتی ہو اور مجھے جھوٹا بدمعاش بنا رہی ہو

وہ تمھارے باوا کے وقت کی معتبر ہیں ہی چوٹا بدمعاش ہوں تمھارے باوا کے ہاں ڈاکہ ڈالا تھا نا۔ آنے دو اُس مردار کی کیسی گت بناتا ہوں راحت صغیر علی کی ایسی باتوں سے سر دپڑ گئی اور سوچنے لگی اگر ظہورن اس وقت آگئی تو یہ اُس ناکردہ گناہ کو دُھن ڈالے گا اگر ایسا ہوا تو غضب ہو جائے گا۔ بہتر ہو کہ میں اُس کو باہر کے باہر ہی ٹال دوں اس خیال سے انگنائی میں نکلی اور چاہتی تھی کہ کھڑکی میں سے ہمسائی کو بلا کر اُن سے کہے کہ ظہورن کو اپنے ہاں بٹھالینا کہ اتنے میں ظہورن سودا لیئے ملکتا ملک چلی آتی ہی۔ صغیر علی اُس کو دیکھ کمرے سے باہر نکلا اور ایسا جھپٹا جیسے آدم خوار شیر شکار پر۔ اور لگا چیخ چیخ کر پوچھنے کہ تو نے مجھے چوٹا بنایا۔ راحت میاں کی آواز سُن کر دوڑی اور فوراً ظہورن کے پاس آن کھڑی ہوئی۔

ظہورن۔ میاں میں نے تو آپ کو چوٹا نہیں بنایا کیا بات ہی میری سمجھ میں نہیں آتی۔ صغیر علی پر جن سوار تھا اُس نے ایک کہی نہ دو لگا اُس غریب بڑھیا کو بال پکڑ کر مارنے۔ راحت کی جان عجب مشکل میں تھی اُس نے بہتیری کوشش کی کہ بڑھیا کو چھٹالے مگر اُس فرعونِ بے سامان پر غصہ سوار تھا۔ راحت بے چاری ڈبلی پتلی دھان پان اُس پہلوان سے کیوں کر جیت سکتی تھی۔ دو چار ڈھکنیاں اس نے بھی کھائیں۔ ظہورن بڑی شریف اور نیک مزاج تھی پیٹتی جاتی تھی مگر کیا مجال کہ ایک

لفظ بھی مُنہ سے غیر نکلا ہو۔ صغیر علی نے اُس کو ایک ایسا دھکا دیا کہ وہ دھڑ سے جا پڑی اور فوراً ناک سے خون جاری ہو گیا۔ اُس وقت صغیر علی پیچھے ہٹا اور راحت نے ظہورن کو اُٹھایا سر پہ پانی ڈالا چارپائی پر لٹا کر اُس کی تسلّی تشفّی کی اور بہت عذر معذرت کی اور کہا ظہورن صبر کرو یہ مار تم پر نہیں پڑی مجھ پر پڑی ہے۔ کیوں کہ میرے کارن اُس ظالم نے تم کو ناحق اور ناروا مارا ہے۔ یہ وہ ظہورن تھی اور اُس گھر کی تھی کہ اس کے مالکوں نے کبھی آدھی بات نہیں کہی شامتِ اعمال کہ بڑھاپے میں جوتیاں کھانی لکھی تھیں۔ راحت کو سخت صدمہ تھا اور وہ ظہورن کی خاطر بہت روئی مگر کیا کر سکتی تھی وہ جانتی تھی کہ اگر میں کچھ بولی تو یہ شخص زبان پھٹ اور ہاتھ چُھٹ ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ میری بھی جو ذری بُھری جو آبرو باقی ہے وہ بھی جاتی رہے۔

صغیر علی نے اپنی دانست میں بڑی بہادری کا کام کیا تھا اور اپنے اس فعل پہ بڑا نازاں تھا۔ عورت ذات کو مار کر دل میں خوش ہونا اور بہادری کا دم بھرنا سراسر بیجا تھا۔ اپنے مقابلے کے کسی جوان کو مارتا تو معلوم ہوتا کہ کہ بیسی کا ساٹھ ہوتا ہے زور آور اور کم زور کا مقابلہ ہی کیا۔ نوکر اور آقا کی برابری کیا۔ غرض وہ بے چاری ظہورن کو مار کوٹ کر چلتا ہوا۔ کھڑکی میں سے ہمسائی غُل غپاڑہ سُن کر آگئیں۔ راحت نے ظہورن کو سمجھا بجھا کر کہا کہ تم نثار کے پاس چلی جاؤ اور وہیں رہو، تمہارا ٹھکانا یہاں نہیں۔ آج کو یہ ہوا کل خدا جانے کیا ہو۔ مجھ پہ یہاں کا صحاج

کی جو تکلیف ہو گی وہ سہوں گی۔ ظہورن راحت کو بہت چاہتی تھی کیونکہ
اُس نے ہی اس کو پالا تھا مگر کرتی کیا سوائے جانے کے اور کچھ چارہ
نہ تھا۔ غرض ظہورن جو ایک شفیق اور دل سوز رفیق تھی وہ بھی چلی گئی
اور راحت بے چاری اپنے دونوں بچوں کو لے کر سنگ آمد و سخت آمد
رہنے لگی۔ ظہورن کی مار ماں کی دھتکار پر یہ چھوٹے چھوٹے بچے
دہل گئے۔ باپ مُنہ نہ لگاتا تھا یوں بھی الگ تھلگ رہتے تھے اور
اب تو اُس کی صورت سے کانپنے لگے۔ ظہورن جب گھر پہنچی تو نثار نے
اُس کی ردی حالت دیکھ کر پوچھا کہو خیریت ہے، آپا اچھی ہیں، اس وقت
کیسے آئیں ہو۔ ظہورن زار قطار رونے لگی۔ نثار گھبرا کر ہیں کیا ہوا؟
تب ظہورن نے سارا ماجرہ بیان کیا اور کہا کہ میں اب وہاں
نہ جاؤں گی۔ نثار کو بہنوئی کی اس نازیبا حرکت پر بہت غصہ آیا اور نانی
سے کہنے لگا کہ مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ انھوں نے دوسرا نکاح کر لیا ہے
اور آپا کا زیور جو غارت ہوا ہے وہ اُسی کو دیا گیا ہے مگر میں نے اس لیئے
آپ لوگوں اور خاص کر آپا کے سامنے ذکر نہیں کیا تھا کہ یہ بات تو دیر
سویر کھلے ہی گی کون سی خوش خبری ہے جو میں کہوں۔ نانی اماں اب
آپ بتائیے کہ کیا کیا جائے۔ بھائی صغیر کی زیادتی اب حد سے بڑھ گئی
آپ دیکھتی ہیں کہ آپا کا کیا درجہ ہو گیا ہے ہم کن آنکھوں سے دیکھیں۔
میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ اُن کو یہاں بُلا لیں خدا کا فضل ہے کہ
اُن کے اور اُن کے بچّوں کے لیئے یہاں روٹی کی کمی نہیں۔

نانی - بیٹا میں کیا بتاؤں میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا - میاں بیوی بُرے بھی دیکھے ہیں مگر ایسی مصیبت تو خدا دشمن پر بھی نہ ڈالے - لو یہ تم سے نئی بات سُنی کہ وہ نکاح بھی کر بیٹھے - دیکھیئے اب بچی کی جان کیوں کر بچتی ہے کہیں دشمنوں کو کوئی دُکھڑا نہ لگ جائے تو پھر ہم کدھر کے رہے - ہماری نظروں میں تو دنیا اندھیر ہو جائے گی -

نثار - مشکل یہ ہے کہ آپا تو خواہ اُن پر کتنی ہی مصیبت کیوں نہ پڑے ہرگز نہ آئیں گی - میں نہیں سمجھتا کہ وہ اس قدر کیوں دبی چلی جاتی ہیں - افسوس ایسی عورت جو کبھی اُلٹ کر آدھی بات نہ کہے اور مُنہ سے اُف تک نہ کرے اور ساری سختیاں اپنے اوپر جھیل لے جائے اُس کے ساتھ ایسا پاجیانہ سلوک ہو - غرض ہمیں تو کچھ بن نہیں آتی خدا بُروں سے پالا نہ ڈالے - نثار نے بہت چاہا کہ کسی طرح بہن کو بُلا لے کہ کچھ دن تو اُسے آرام ملے مگر اب تو معاملہ ہی اور تھا - پہلے تو شاید دباؤ ڈالا جاتا تو آ بھی جاتی مگر اب تو زیور کا معاملہ تھا یا یوں سمجھو کہ بس جیتے جی چُھٹ گئی - میاں کو گئے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا کچھ خبر نہیں کہ کہاں گیا کیوں گیا اور کب تک آئے گا - گھر کی اُسے پروا نہیں خبر لے تو کون ہے - ؎

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

راحت کے پاس خرچ بھی ختم ہو گیا - تنہائی اور ہجوم افکار سے دل گھبرانے لگا - ؎

سینۂ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجوم یاس دل گھبرا گیا

خدا خدا کرکے دسویں دن میاں نے گھر کی شکل دیکھی۔ بچے باپ کو دیکھ کر ابا ابا کہتے لپکے۔ مگر اُس سنگ دل نے مطلق پروا نہ کی بلکہ جھڑک دیا۔ الگ الگ۔ تھوڑی دیر بیٹھا رہا پھر پوچھا کہ کیا ظہورن گئی؟۔

بیوی۔ ہاں وہ تو جب ہی چلی گئی میں نے بہت روکا مگر نہ رُکی۔

میاں۔ کہاں گئی؟۔

بیوی۔ وہیں اپنی پُرانی جگہ اور کہاں جاتی۔

میاں۔ میں عجب پریشانی میں تھا خدا نے جان بچالی ورنہ بُری طرح پھنس گیا تھا۔

بیوی۔ خیر صلاح کہو تو کیا ہوا؟۔

میاں۔ کیا بتاؤں خواہ مخواہ ہزار ڈیڑھ ہزار کے چکّر میں آگیا۔ دس روز تک اسی مصیبت میں گزرے آج رہائی ہوئی ہے تو یہاں تک آیا ہوں۔ ابھی کچھ فیصلہ نہیں ہوا سرکار سے چار روز کی مہلت ملی ہے اور وہ بھی ضمانت پر رہائی ہوئی ہے۔

بیوی۔ تم بات تو بیان کرو کہ معاملہ کیا ہے؟۔

میاں۔ تم عورت ذات معاملہ مقدّمہ کیا سمجھو۔ آفت آسمانی کا کیا علاج۔ گردشِ تقدیر کے سوائے کیا کہوں۔ اگر تم اس وقت اپنا زیور مجھ کو دے دو تو میری عزت اور جان بچ جائے ان شاءاللہ آج کل چلتی ہے جلد ہی چھڑا دوں گا۔ راحت کا کلیجہ دھک سے ہو گیا

اُس کا دل اس قدر نرم تھا کہ وہ کبھی کسی غیر کی بھی مصیبت نہ دیکھ سکتی تھی چہ جائے کہ میاں کی۔ ع

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر ٭ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

کہنے لگی کہ کس قدر روپیئے کی ضرورت ہے؟ - مجھے زیور دینے میں ہرگز عذر نہیں تم پر سے صدقے کیا تھا جس وقت چاہو لے لو اگر پس و پیش ہے تو صرف اس بات کا کہ لڑکی کا ساتھ ہے تمھاری آمدنی کافی نہیں آج وہ چھوٹی ہے کل بڑی ہو جائے گی پھر ہم کو مشکل کا سامنا ہے - اگر دو تین سو روپیئے کی ضرورت ہو تو میں نثار سے لے دوں۔

میاں - نہیں ہرگز نہیں! میں اُن کا احسان لینا نہیں چاہتا - ابھی لڑکی بچہ ہے بڑا وقت پڑا ہے تب تک میرا ہاتھ کھل جائے گا اس وقت تو تم زیور ہی دے دو - مجھے روپیئے کی سخت ضرورت ہے روپیئے بغیر میری جان پر بنی ہے - راحت نے ایک ٹھنڈا سانس بھر کے زیور کا صندوقچہ سامنے لا رکھ دیا - راحت جانتی تھی کہ اگر میں انکار کروں گی تو بھی یہ شخص مجھ سے زبردستی لے کا پر لے گا اور ٹھکا فضیحتی ہوگی سو الگ - اس سے بہتر ہے کہ میں ہی خود کیوں نہ دے دوں - غرض راحت نے اپنا کُل زیور اُس مکّار شخص کو جو راحت کا جانی دشمن، خون کا پیاسا اور اُس کی ساری تباہی اور بربادی کا بانی مبانی تھا صبر و شکر کے ساتھ دے دیا - ع

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی ٭ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

صرف کانوں میں دو بالیاں اور دو چھلّے جو وہ پہنے ہوئے تھی باقی رہ گئے تھے، سو وہ بھی اس نے نہ چھوڑے اور کہہ کر اُتروا لیئے۔ اور اس طرح اُس کو بالکل ننگی بُچّی کر دیا۔ میاں جب سب زیور باندھ بوندھ چلنے کے لیئے تیار ہوئے تو بیوی نے کہا دیکھنا میرے پاس تو خرچ بھی نہیں رہا۔ **میاں** - ہاں ضرور ختم ہو گیا ہوگا لو اب تو یہ دس روپیئے لو کل اور کچھ بندوبست کروں گا۔ اس فکر میں مجھے تو کچھ سُدھ نہیں۔ راحت بھولی بھالی سچ سمجھی کہ کہیں ضرور کسی مصیبت میں پھنس گئے کیوں کہ صحبت تو بدمعاشوں ہی کی ہے ممکن ہے کہ کسی نے کوئی چال چلی ہو اور انھیں پھانس دیا ہو۔ دس روپیئے دے کر وہ تو چلتا بنا۔ دس روپیوں ہی میں سے راحت نے اپنے گھر کا ضروری سامان منگوایا اور پکانے ریندھنے میں لگ گئی کیوں کہ پیٹ کا دھندا کسی حال میں بھی نہیں چکتا۔ دم کے ساتھ لگا ہے سو لگا ہے۔ دل کی خبر خدا کو تھی رات کو وہ حضرت پھر غائب رہے۔ راحت کے لیئے یہ کون سی انوکھی بات تھی۔ ع ہم تو بُروں کی جان کو پہلے ہی رو چکے۔ کچھ زیادہ پرچہ ل نہ کی۔ البتہ جب لگاتار دو ہفتے گزر گئے اور میاں کا پتہ نہیں چلا تو اُس کو ہَول اُٹھے اور اُس نے میاں کے کارخانے میں ہمسائی کے لڑکے کو بھیجا کہ ذرا پوچھ تو آئے کہ وہ کہاں گئے ہیں۔ کارخانہ دار نے کہا کہ "وہ تو بمبئی گیا، دس بارہ ال دبارہ) دن ہو گئے آئے اپنی بیوی کو سَیل (سَیر) کرانے لے گیا ہے"۔ آہ یہ خبر جس وقت راحت نے سُنی اُس کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی

سُن کر چپ ہوگئی کر کیا سکتی تھی۔ خدا معلوم صغیر نے بیوی سے ایسا کیوں بَیر باندھا تھا اور وہ کون سا ناقابلِ معافی قصور تھا جس کی پاداش میں طرح طرح کے ستم توڑے جاتے تھے۔ راحت کا وہ زیور جو کن چاہوں اور ارمانوں سے بنا تھا یوں بے دردی سے خاک میں ملا یا گیا۔ اُس کے روپیئے سے نئی بیوی کی ہر خواہش پوری کی گئی۔ وہ عورت چوں کہ شریف نہ تھی جو اُسے غیرت ہوتی بلکہ نہایت آزاد تھی۔ غرض دونوں بمبئی گئے اور خوب گُل چھرّے اُڑائے۔ یہاں جو مرا سو مرا۔

باب (۲۳)۔ راحت کی بیماری کا آغاز

آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں ہے سوزِ غم ہائے نہانی اور ہے

وہ دن اور آج کا دن راحت روز بروز گرتی ہی گئی۔ دن بدن اس کی صحت خراب ہوتی گئی۔ علاج معالجہ کرے کون نہ زر نہ زور۔ ہلکا ہلکا بخار ہر وقت رہنے لگا جو مقدمہ تھا دق کا۔ کئی مہینے اسی طرح گزر گئے بھلا وہ دس روپیئے کب تک چلتے۔ راحت کو اب اپنے بچّوں کی بھی خبر نہ رہی، دنیا اُس کی نظروں میں اندھیر تھی اوپر سے آئے دن کی بیماری گھر چوپٹ ہوگیا۔ وہ تو نثار برابر بہن کی خبر لیتا رہا اور جو کچھ خرچ کی ضرورت ہوئی دیا ورنہ خدا معلوم کہ کیا ہدڑا ہوتا۔ صغیر علی جب تمام روپیہ اُڑا چکے بلکہ نوبت قرض پر پہنچی تب اُنھوں نے دہلی کا رُخ کیا

کیوں کہ تھکا اونٹ سرا کو دیکھتا ہے۔ شرمندہ شکل گھر میں آئے تو بیوی کو بسترِ مرگ پر ادھ موا پایا۔ دونوں بچے بھی ماں کی عدم خبر گیری اور کچھ کس مپرسی سے بدحال تھے۔ بدنصیب راحت میاں کی شکل دیکھ کر زار زار رونے لگی۔ بخار اور خشک کھانسی نے اس درجے ناتوان کر دیا تھا کہ بات کرنی مشکل تھی۔ میاں کی شکل نظر آتے ہی اُس کے سب زخم ازسرِ نو تازہ ہو گئے۔ غضب خدا کا کہ جو میاں اتنے دنوں بعد گھر کا رُخ کرے اور بیوی کو ایسی حالت میں دیکھا ہو اُسے کیا زیبا تھا کہ اُس کا درد دکھ نہ سُنتا۔ ناظرین میں تو ایسے شخص کو ضرور ملک الموت کہوں گی کیوں کہ اس میں انسانی ہمدردی اور دوسروں کی تکلیف کا مطلق احساس نہ تھا۔ چوں کہ دوسری بیوی کا دُم چھلا پیچھے لگا ہوا تھا اور روپیہ پاس نہ تھا۔ اس لیئے یہ جب تک گھر میں بیٹھا رہا یہی سوچتا رہا کہ میں اس دوسری بلا کو کہاں اتاروں یک نشد دو شد۔ آخر دل میں سوچنے لگا کہ میں اسی گھر میں کیوں نہ اُتاروں گھر تو میرے باوا کا ہے۔ اس لیئے مجھے اختیار ہے۔ جب یہ کچھ جھگڑا نکالیں گی تو میں کہہ دوں گا کہ مجھ میں اتنی وسعت نہیں جو علیٰحدہ علیٰحدہ رکھوں۔ تمہارا جی چاہے رہو ورنہ جہاں سینگ سمائے چلتی بنو۔ صغیر علی کو چاہیئے تھا کہ وہ بیوی کی تیمارداری اور دوا درمن کی فکر کرتا۔ وہ تو اُلٹی اپنی ہی مصیبت بیان کرنے لگا راحت چُپ چاپ پڑی پڑی اپنے سفاک شوہر کی بناوٹی باتیں سنتی رہی

اُس کا دل اس کی بے رحمی اور بے انصافی پہ خون کے آنسو رو رہا تھا۔
ابھی وہ کچھ جواب بھی نہ دینے پائی تھی کہ نثار ڈاکٹر کو لے کر آیا اُس کو بہن کا فکر کھائے جاتا تھا۔ گھر میں دیکھا کہ بہنوئی صاحب بھی تشریف رکھتے ہیں تو دیکھ کر چُپ رہ گیا۔ ڈاکٹر نے مریضہ کو دیکھا اور انگریزی میں نثار سے کہا کہ "بخار پُرانا ہوگیا کھانسی نے خوب جڑ پکڑ لی پشش (پھیپھڑے) میں خرابی معلوم ہوتی ہے۔ میں علاج ضرور کرتا ہوں مگر تم نے اس حالت کو پہنچایا جب میرے پاس آئے ہو اس کے جاں بر ہونے کی بہت کم امید ہے۔ مگر میری صلاح ہے کہ ایسے مریض کو ضرور باہر پہاڑ پر لے جانا چاہیئے۔ کیوں کہ وہاں کی آب وہوا اس مرض کے لیئے نہایت مفید ہے"۔ نثار یہ سُن کر چُپ ہو گیا۔ ڈاکٹر نے کہا "آپ لگ کر علاج کیجیئے میں اپنے مقدور بھر کوشش کروں گا"۔ یہ کہہ اپنی فیس جیب میں ڈال کر چلتا ہوا۔

باب (۲۴) - راحت پر سوکن کا آنا

سمندِ ناز پہ ایک اور تازیانا

گن گن کے دل نے بیٹے سالہا مری خوشی کے
جینے کا اب مزا کیا اب کیا کر دن گی جی کے

چوں کہ نثار اور ڈاکٹر کے آنے سے صغیر علی کی بات کٹ گئی تھی اور وہ اپنا ارادہ پوری طرح بیمار بیوی پر ظاہر نہ کر سکا تھا اس لیئے اُس نے دوبارہ یوں بات نکالی۔ بیوی سے کہا کہ تمھیں معلوم ہے کہ بہت دن

سے کچھ کام کاج نہیں ہے میں کام کی ہی خاطر بمبئی گیا تھا مگر وہاں بھی کچھ چلتی نہیں ہوئی اور جس طرح میں نے دن کاٹے میں ہی جانتا ہوں - آخر مجبور ہو کر دلی آ گیا اب یہاں آ کر معلوم ہوا ہے کہ کام خاصہ چل رہا ہے - ذرا دم لے لوں تو پھر کارخانے جاؤں - مگر مشکل یہ ہے کہ دو گھروں کا بوجھ میں کسی طرح نہیں اُٹھا سکتا - اگر تم کہو تو اُس خدا کی بندی کو بھی یہاں لے آؤں سب مِل جُل کر رہو -

راحت - (انجان بن کر) اے وہ خدا کی نیک بندی کون ؟ میں نہیں سمجھی - صغیر علی کی طبیعت میں چوں کہ شرم و لحاظ محبت و ہمدردی کا نام و نشان تک نہ تھا بے دھڑک بول اُٹھا کہ وہ نیک بندی بھی تم ہی جیسی عورت ہے - جیسے تم پالے پڑی ہو اسی طرح وہ بھی تمھاری برابر کی شریک ہے - میں زیادہ تم سے بحث نہیں کرتا جو بات تھی میں نے تمھارے کان میں ڈال دی تمھارا مزاج کسی وقت آپے ہی میں نہیں رہتا آخر تو گھر میرا ہے اور تم میری بیوی ہو یا نہیں، میں جس طرح اور جس کے ساتھ تم کو رکھوں رہنا ہوگا اس میں جھگڑا کرو گی تو مزہ بھی چکھو گی کیا یہ اچھا ہوتا کہ میں تم سے بے پوچھے تمھارے سر پر لا بٹھاتا تو صاحب پوچھنا بھی گناہ ہو گیا - راحت بے چاری کے میاں کی اس گفتگو سے آئے اوائے اوسان جاتے رہے اور کہنے لگی کہ میں نے کہا ہی کیا ہے جو تم بگڑ گئے بہ قول تمھارے تم مختار ہو تمھارا گھر ہے اور میں تمھاری اور اُس آنے والی کی بے داموں کی لونڈی ہوں مجھے کچھ

عذر نہیں اور عذر کروں بھی تو کس برتے پر مثل مشہور ہے کہ ناز کر ناز بردار پر سودا اگر خریدار پر تو سر سے یہاں وہ معاملہ ہی نہیں۔ تم مالک و مختار ہو جو جی میں آئے سو کرو تمھارا گھر تمھیں اور اس آنے والی کو مبارک ہو میں خود ہی کچھ دنوں کی مہمان ہوں۔ چاہیئے یہ تھا کہ میاں بیوی کی کچھ دل جوئی کرتا اور اُس کے غم کو بٹاتا اور کچھ تسلی تشفی کرتا یہ مانا کہ مردوں کو دوسری شادی کرنی عیب نہیں گناہ نہیں مگر ایسی صورت میں جیسا کہ صغیر علی نے کیا درحقیقت بڑا ظلم ہے۔ کچھ عجب طبیعت کا شخص تھا جل بھن کر اُٹھ کھڑا ہوا تمام دن گھر میں نہ آیا۔ راحت اپنی بیماری میں ایسی سرگرداں تھی کہ اسے کچھ خبر نہ تھی۔ نثار نے اپنی نانی سے ذکر کیا کہ ڈاکٹر کی یہ صلاح ہے کہ مریضہ کو پہاڑ پر لے جانا چاہیئے۔ نانی یہ سن کر رونے لگیں اور کہا کہ مجھے تو پہلے ہی بڑی بیماری کے آثار معلوم ہوتے تھے افسوس یہ جوان جان یوں دنوں میں گھل گئی اور زندگی کا مزہ نہ اُٹھایا۔ نثار بہن کی بیماری سے ایسا پریشان تھا کہ سوائے علاج کی دُھن کے اُسے دوسرا کام نہ تھا۔ وہ پھیرے روزانہ بیمار بہن کے ہاں کرتا تھا شام کو صغیر علی گھر میں آئے اور منہ تھتھائے بیٹھے رہے تھوڑی دیر بعد کہاروں نے آواز دی "ڈولی اُترو الو"۔ ظہوران تو پہلے ہی پٹ پٹا کر نکل گئی تھی جب سے کوئی ماما جڑتی نہیں۔ راحت کو اپنا اور بچوں ہی کا خرچ دوبھر تھا ماما رکھ کے اور خرچ کیسے بڑھاتی۔ نثار نے بہن کی تکلیف کی وجہ سے ظہوران کو سمجھا بجھا کر پھر بھیج دیا تھا اور نہایت فراخ دلی

سے بہن کا سارا خرچ اُٹھاتا تھا اور اسی میں صغیر علی بھی کھاتے پیتے تھے خدا بے غیرتی کا بھلا کرے - ایک جورو کو سنبھال نہ سکتے تھے دوسری اور لے آئے اب بتلائیے یہ دُہرا اُدہر اخرچ کون اُٹھائے - ظہورن سودے سُلف کو بازار گئی ہوئی تھی ناچار صغیر نے نئی دُلھن کو خود اُتروایا اُن کا سامان بھی آیا - راحت چارپائی پر پڑے پڑے ان کو تکوں کو دیکھتی رہی - خود اس قابل نہ تھی کہ اُٹھتی اور آؤ تواضع کرتی - میاں نے آپ سامنے والے کمرے میں اُن کو بٹھایا اور وہیں سامان رکھا - اُس وقت راحت کا تمام بدن بیری کی طرح کانپ رہا تھا - غم اور غصے کی آگ سینے میں بھڑک رہی تھی جو اس بیماری کے لیئے اور بھی ستم قاتل تھی آہ راحت تیری شمعِ حیات جھلملا رہی ہے کوئی دن جاتے ہیں کہ سب جھگڑے مٹ جائیں گے - مت رو اور اپنے ساتھ سب کو نہ رُلا صبر کر جلد مشکل آسان ہو جائے گی - راحت بخار سے پڑی بُھن رہی تھی کہ یہ دوسرا دوامی بخار اور چڑھا -

باب (۲۵) - پہاڑ پر جانے کے لیئے بھائی بہن کی صلاح

سر تا قدم زبان ہیں جوں شمع گو کہ ہم
پر یہ کہاں مجال جو کچھ گفتگو کریں

شام کو نثار بہن کی دوا لے کر خود آیا اور بہن سے کہنے لگا کہ ڈاکٹر کی رائے ہے کہ تم کو پہاڑ پر لے جانا چاہیئے - میں بہت فکر مند تھا کہ

کیا انتظام کروں مگر خدا بڑا مسبب الاسباب ہے غیب سے سامان کر دیتا ہے۔ میری بدلی ڈیرہ دون کی ہو گئی، مسوری اور ڈیرہ گھر آنگن ہے۔ میرے خیال میں اب بہت اچھا موقع ہے تم اور تمھاری بھاوج چلی چلیں کیوں کہ اس سے بہتر پھر اور کیا ہو سکتا ہے۔ راحت بھائی کی اس ہمدردی اور محبت سے آبدیدہ ہو گئی۔ میاں کے حساب تو آج مری کل دوسرا دن تھا۔ مگر یہ تو بھائی تھا اپنا خون اپنا جگر اس کو بہن کہاں پیدا۔ اسی واسطے تو کہتے ہیں کہ رتی برابر ناتہ نہ گاڑی بھر دوستی۔ اپنے اڑے وقت میں جان لڑا دیتے ہیں۔ راحت نے بھائی سے کہا میں تو چلنے کو تیار ہوں مگر تمھارے بہنوئی اوندھی مت کے آدمی ہیں خدا ہی ہے جو وہ حامی بھریں۔ تم خود اُن سے پوچھو میری تو سیدھی بات بھی اُنھیں اُلٹی معلوم دیتی ہے۔ تم کو معلوم نہیں کہ آج شاموں شام وہ اُس عورت کو بھی یہیں لے آئے۔ یہ وہی عورت ہے جو مہمان طریق یہاں رہ گئی ہے مجھ کم بخت کو کیا خبر تھی کہ یہ مہمان نہیں گھر والی ہے۔ ہاں شبہ مجھے ضرور ہوا تھا۔ مگر یقین نہ تھا کہ ایسا کر گزریں گے۔ بہر حال میں تقدیر پر صابر شاکر ہوں۔ اُس کے حکم بغیر پتہ نہیں ہل سکتا۔ مگر انسان ہوں دل رکھتی ہوں رنج و خوشی کو محسوس کرتی ہوں اس لیئے خیال آ ہی جاتا ہے نثار رجا نتا تھا کہ یہ دن تو دیر سویر آنے ہی والا ہے بہن سے کہنے لگا کہ فکر کرے تمھاری بلا ایک نہیں دس لے آئیں، اس کیئے کا مزہ بھی تو یہیں چکھیں گے۔ اس شخص کا حوصلہ تو دیکھو کہ تپلے ٹکا نہیں اور جورو دو اکٹھی

طومار باندھ رہا ہے۔ پھر آپا تمھارے کون سے موتی توڑ لیئے وہ پہلے ہی کون سے مہربان تھے جواب قہرمان ہو کر نقصان پونہچائیں گے۔ ہمارے حساب تو ایسا شوہر جو بیوی کی خبر نہ لے ہوا نہ ہوا برابر آپا یہ تو سمجھو کہ جان ہے تو جہان ہے تمھاری جان ہمیں کہاں پیدا! (اور نثار رونے لگا) خدانخواستہ کچھ اونچ نیچ ہو جائے تو دو ننھی منّی جانوں کی مٹّی پلید ہو جائے گی کسی کا کچھ نہ بگڑے گا اُن کو جورو موجود ہم کو بہن کہاں؟ میں ضرور تم کو لے جاؤں گا وہ خوشی سے اجازت دیں تو دیں ان کی مہربانی ہے اور نہ دیں تو اُن کی اجازت کی ضرورت بھی نہیں۔ دب کے بھی بہت دیکھ لیا۔ اب جو ہو سو ہو میں ہر طرح موجود ہوں۔ ہاں پوچھ ضرور لوں گا۔

راحت۔ نہیں بھائی مجھ بے چاری کے کارن کیوں بگاڑو میں جاں بر ہو نہیں سکتی۔ بھلا ایسے مریض چنگے ہو جایا کریں تو بھلی خیلائی۔ مجھ میں اب دھرا ہی کیا ہے۔ یہ نرا ہڈیوں کا ڈھانچ رہ گیا ہے۔ غذا میری چھٹ گئی کھانسی کے مارے رات بھر بیٹھے گزرتی ہے، تپ کسی وقت مفارقت نہیں کرتی، پھر زندگی کی کیا امید۔ ہاں یہ کہو کہ اپنی زندگی کے دن پورے کر رہی ہوں۔ تم نے جس طرح اب تک صبر کیا اب بھی کرو۔ ہمّت اور استقلال سے کام لو۔ لڑائی جھگڑے سے کچھ فائدہ نہیں۔ مفت کی بدنامی۔ جو سُنے گا کہے گا کہ کیسے شریف ہیں جو آپس میں یوں لڑتے ہیں میرا تو یہ خیال ہے کہ وہ خوشی سے اجازت دے دیں گے وہ تو خدا سے

بچا ہتے ہیں کہ میں کل کی جاتی آج چلی جاؤں بلکہ نہ مرتی ہوں تو مرجاؤں ہاں ایک بات ضرور ہے کہ وہ خرچ کی وجہ سے پس وپیش کریں تو کریں سواب ہی وہ میرا کون سا خرچ اُٹھا رہے ہیں۔ آج چھ مہینے ہونے آئے کہ میں اُن کے ایک پیسے سے بھی واحد شاہد نہیں۔ خدا تمھارا دم سلامت رکھے اگر تم بہن کی دست گیری نہ کرتے تو شاید آج میں در در کی ٹھوکریں کھاتی اور بھیک مانگتی پڑی پھرتی۔

نثار۔ بھلا میری کیا شامت آئی ہے کہ اُن کے مُنہ لگوں۔ تم دیکھنا میں اس ترکیب سے کہوں گا کہ وہ راہِ راست پر آجائیں گے۔ رہا خرچ تو خدا اُس گھڑی کو مجھے نہ رکھے کہ اُن کے آگے دستِ سوال پھیلاؤں۔ آپا! اول تو میں ہوں کس قابل لیکن یقین ملنئے کہ اگر میری جان بھی تمھارے کام آئے تو مجھے دریغ نہیں اور روپیہ پیسہ تو ہاتھ کا میل ہے۔ جئیں گے تو بہت کما لیں گے۔ ہمارے ہاں تو جانے کی تیاری بھی ہو چکی۔ میں کل تمھاری بھاوج کو بھیج دوں گا اُن سے ضروری سامان ٹھیک ٹھاک کرالو اور کچھ گرم کپڑے اپنے اور بچوں کے رکھ لو۔ کیوں کہ صرف چار ہی روز ہیں۔

راحت۔ بھائی کیا نانی اماں بھی جائیں گی؟

نثار۔ ضرور اُن کا جانا تو سب سے مقدم ہے۔ ورنہ تمھاری خبر گیری کون کرے گا۔ آپا بڑا اچھا مقام ہے تمام سبزہ ہی سبزہ ہے ان شاء اللہ تم کو ضرور فائدہ ہوگا۔ ٩

یہیں بہار کا پہلے پہل ہوا تھا شگون
عجیب خطۂ دل کش ہے شہر دیرہ دون

تمام شہر ہے گرد و غبار سے خالی
جدھر نگاہ اُٹھے اُس طرف ہے ہریالی

گھنے درخت ہری جھاڑیاں زمیں شاداب
لطیف سرد ہوا پاک و صاف چشمۂ آب

طلسمِ حُسن کا ہے بیچ میں یہ گلدستہ
کھڑے ہیں کوہ و شجر پہلوؤں میں صف بستہ

یہاں جو آ کے مسافر قیام کرتے ہیں
یہ سنتری انھیں پہلے سلام کرتے ہیں

جو دور جائیے بستی سے اور ہی ہے سماں
یہ سوچتا ہے پہاڑوں کو دیکھ کر انساں

بشر پہ رعب یہ قدرت کا چھا گیا کیسا
یہ بل زمین کی تیوری پہ آ گیا کیسا

بس ایک عالمِ ہُو چار سمت طاری ہے
نہ شور و شر ہے نہ دنیا کی آہ و زاری ہے

فضائے کوہ میں ایسی ہوا سماتی ہے
بشر کی روح کو راحت کی نیند آتی ہے

اثر دکھاتا ہے قدرت کا نغمۂ دل گیر
شجر حجر سے ٹپکتی ہے راگ کی تاثیر

یہ راگ وہ ہے جو مضراب کا اسیر نہیں
یہ صرف کان کے پردوں میں گوشہ گیر نہیں

وہی سُنے گا اسے دل گداز ہو جس کا
ہو دل میں سوز تو رگ رگ میں ساز ہو اس کا

یہ راگ مجھ میں سمایا سرورِ مے ہو کر
ہوس تھی روح کو مل جائے اس ہی میں لے ہو کر

راحت۔ (آنکھوں میں آنسو بھر کر) بھائی تم کیسی بچوں کی سی باتیں کرتے ہو۔ تم اپنے سب ارمان نکال لو مگر میں جانتی ہوں کہ یہ بیماری قبر کھود کر آتی ہے۔ یہ بیماری نہیں موت کا کھلا پیغام ہے۔ میں اپنی حالت خود جانتی ہوں کہ کیسی ہے اگر ایسے بیمار بچ جائیں تو پھر کہنا ہی کیا۔

نثار - سبحان اللہ! تم تو بڑی عقل مند کہلاتی ہو لیکن کیسی مایوسی اور ناسمجھی کی باتیں کرتی ہو - وہم کی دارو تو لقمان کے پاس بھی نہیں - اسی وہم نے تو تمھارا ایسا پتلا حال کر دیا ہے - خیر لو یہ سیب رنگترے تو کھاؤ کہ ذرا فرحت ہو - سیب اور رنگترے دیکھ کر راحت کا لڑکا **نصیر علی** اور لڑکی **رفعت** دوڑے دوڑے ماموں کے پاس آئے اور چپ کھڑے ہو گئے - رفعت بڑی پیاری پیاری باتیں کرتی تھی - ماں اور ماموں اُسے بہت چاہتے تھے - توتلی زبان سے کہنے لگی کہ "ماموجان ہم بھی چھیب (سیب) لیں گے"۔

نثار - (گود میں اُٹھا کر) ہاں بی بی ضرور پہلے تم پھر کوئی اور - دونوں کو ایک ایک سیب دیا - بچے لے کر خوش ہو گئے - راحت اپنے جگر کے ٹکڑوں کو دیکھ دیکھ کر آنے والی مصیبت کا اندازہ کرتی تھی اس وقت پھر کچھ خیال آگیا اور دل سے باتیں کرنے لگی کہ بعد میرے خدا معلوم یہ کس کس کی ٹھوکروں میں پڑیں گے اور خدا جانے ان معصوموں کا کیا حال ہو - خیر جو خدا کو منظور ہو گا وہ ہو گا - مگر میرا دل ابھی سے ان کے خیال سے پھٹا جاتا ہے - نثار نے بہن کو روتے دیکھ جان کر آنکھ بچالی اور بات ٹالنے کو دوا کا ذکر چھیڑ دیا۔

باب (۲۶) - سالے بہنوئی کی جنگِ زرگری

نشہ دولت کا بداطوار کو جس آن چڑھا
سر پہ شیطان کے اک اور بھی شیطان چڑھا

استنے میں بہنوئی صاحب بھی باہر سے آ گئے سالے کو دیکھ کر جھٹکے۔ نثار نے
سلام کیا اُنھوں نے مُنڈیا کے ایک جھٹکے سے اس طرح سلام لیا جیسے
کوئی کلکٹر کسی امیدوار کا سلام لیتا ہے اور جھپٹ کر اپنی کوٹھڑی میں داخل
ہو گئے۔ مزاج وزاج پوچھے اُن کی بلا خدا کے فضل سے اُن کا مزاج
کیا کم تھا وہ خود تیس مار خاں تھے۔ کسی دوسرے کا مزاج پوچھے اُن
کی جوتی۔ مگر غرض بُری بلا ہوتی ہے نثار خود گیا اور کوٹھڑی میں ایک طرف
ونک کر بیٹھ گیا۔ مگر وہ فرعونِ بے سامان بلا سلطنت کا سلطان مخاطب
ہی نہ ہوا اور حقہ اُڑاتا پان چباتا رہا۔ آخر نثار نے بے حیا بن کر پہل کی
بھائی جان آپ کو تو معلوم ہو گا کہ آپا کی کیسی حالت ہے؟۔
صغیر۔ کیوں خیر کیسی حالت ہے؟۔
نثار۔ مہینوں سے بخار آ رہا ہے کھانسی دم نہیں لینے دیتی سُوکھ کر
کانٹا ہو گئی ہیں اور آپ پوچھتے ہیں کیسی حالت ہے۔
صغیر۔ پھر اس میں تردد کا کیا محل ہے۔ بخار کس کو نہیں آتا کھانسی کس کو
نہیں ہوتی۔ رہا دُبلا یا وہ موٹی کس دن تھیں ہم نے تو سُوکھی چمرخ
قبر کا مردہ ہمیشہ سے ہی دیکھا۔
نثار۔ خیر آپ کے نزدیک اگر کوئی محلِ تردد نہ ہو تو نہ ہو ہمیں تو تردد
ہے اور بہت تردد ہے۔ ڈاکٹروں نے دق بتلائی ہے اور تبدیلِ آب و ہوا
کو بہ تاکید کہا ہے کہ پہاڑ پر لے جاؤ۔
صغیر۔ ڈاکٹر تو پاگل ہے اور تم کو تو میں کیا کہوں۔ خدا کو دیکھا نہیں تو

عقل سے پہچانا ۔ ذرا سی بات میں کہتے ہیں مکان بدلو اور اور بڑھے
تو جگہ بدلو ۔ آدمی نہ ہوا کنکوا ہوا ۔ موت ہر جگہ موجود ہے بھلا کوئی موت
سے بھی بھاگ کر بچ سکتا ہے ۔ موت اگر آگئی ہے تو یہاں بھی بیچ کھیت
مریں گی اور پہاڑ کیا عرشِ معلّٰی پر بھی لے جاؤ تب بھی مریں گی ۔ اور
نہیں آئی تو یہاں وہاں کہیں بھی نہیں مریں گی ۔ تمھیں لوگوں نے تو
ان حضرت کا دماغ چلا دیا ہے اور میر پھوپھا بنا دیا ۔ یہ نچلے نخرے سدا کی
روگی ہمیشہ کی بیمار ۔ ایسی باحیا ہوتیں تو کبھی کی مر چکتیں یہ صورتیں
مرنے کی نہیں ہیں ۔ رہا بخار ۔ معمولی بخار ہے اُتر جائے گا وہ بات ہی
کون سی ہے ۔ تمھاری بہن کا مزاج آج تک تو میری سمجھ میں آیا نہیں ۔
کبھی کھُل کر وہ بات کرتی ہی نہیں، میں نے پوچھا تھا کہ اگر تم کہو تو
حکیم کے ہاں لے چلوں وہ کچھ نسخہ لکھ دیں گے پی لینا آرام ہو جائے گا
مگر وہ کچھ بھی نہ بولیں اور بولتیں کیوں وہ تو مجھے اپنا جانی دشمن
جانتی ہیں، ایسی بیوی یقیناً شوہر کے لیئے عذابِ جان ہے اور میں تو بُرا ہوں ہی ۔
نثار بہنوئی کی باتیں سُنتا رہا اور خون کے سے گھونٹ پیتا رہا آخر کار اُن کا
لکچر ختم ہونے کے بعد کہا کہ یہ بخار جس کو آپ معمولی سمجھے ہوئے ہیں بہت
خطرناک ہے یہ یونانی دوا عناب اور بنفشہ سے جانے والا نہیں ہماری
نگاہ میں چھ مہینے سے دنیا اندھیر ہے ایک ایک دن کی خیر مناتے
گزرتی ہے اور آپ ابھی بے خبر ہی ہیں اور پندرہ پندرہ دن کا غوطہ
لگاتے ہیں، یہی انسانیت اور یہی تیمارداری ہے تو میرا اس خبر گیری کو

سلام ہے آپ کی زبان کون پکڑ سکتا ہے۔ آخر نثار نے پھر بات چھیڑی ہاں تو آپ نے میری بات کا کوئی معقول جواب نہ دیا۔

صغیر۔ تم مجھ سے سوال جواب کرنے آئے ہو۔ نامعقول آدمی کیا معقول جواب دے سکتا ہے۔ رہیں جھونپڑے میں اور خواب دیکھیں محلوں کا۔ یہاں پیٹ کے دھندے سے فرصت نہیں آپ کو پہاڑ کی سوجھی ہے۔ یہ کون سی میم صاحب ہیں جو چلیں پہاڑ پر شکل چڑیلوں کی مزاج پریوں کا اجی! ہوش کی دوا کرو۔ بھلا میرے پاس ٹکے دھرے ہیں۔ میں خود بھاڑ میں جھونک رہا ہوں بیگم صاحب چلیں پہاڑ پر۔ میاں عقل کے ناخن لو۔

نثار۔ (غصّے کو پی کر) خرچ ورچ کی آپ فکر نہ کریں۔ میں اپنے کو بیچوں گا اور اُن کا علاج کروں گا۔ میں آپ سے کچھ مانگنے نہیں آیا، اپنی بہن کو لینے آیا ہوں، آخر بھائی ہوں۔

صغیر۔ تم بھائی ہو تو ہوا کرو، میں شوہر ہوں۔ وہ میرے بس میں ہے یا تمھارے۔ کیا تم دھینگا مشتی کر کے لے جاؤ گے، تو لے جاؤ۔

نثار۔ آپ کیسی اُوٹ پٹانگ باتیں کرتے ہیں۔ میری بدلی دیرے کی ہو گئی ہے میں جا رہا ہوں۔ میری گھر والی اور نانی امّاں بھی ساتھ جا رہی ہیں اگر میرے ساتھ چلی جائیں گی تو اس میں آپ کا کیا حرج ہو گا۔

صغیر۔ لو ہمارا کچھ حرج ہی نہیں اور مجھے روٹی ٹکرا کون پکا کر دے گا۔

نثار - تو شاید یہ ماما ہیں جو چولھے میں جلنے کے سوائے ان کا کچھ کام نہیں -

صغیر - ہاں صاحب میں تو ٹکے کا مزدور ہوں - تم ٹھیرے امیر آدمی میری تمھاری کیا برابری - یہاں تو سب ہی کام کرنا ہوگا - چولھا بھی جھونکنا ہوگا پیسنا کوٹنا پکانا ریندھنا سب ہی کچھ ہوگا گھر ہی ہو ٹھیرا -

نثار - آپ کی یہ باتیں تو نرے ٹالے بالے ہیں ' بس میرا منہ نہ کھلوائیے

صغیر - (ہنس کر) نہیں نہیں آپ اپنا منہ نہ بھینچیے ' کھول ڈالیئے -

نثار - اچھا کھلواتے ہیں تو سنئیے - گستاخی معاف - ساری عمر آپ کی روٹی ٹکڑے کا اہتمام میری بہن نے کیا - اب چند روز بیگم صاحب اگر کر لیں گی تو کیا مضائقہ ہے -

صغیر - پھر وہی جلی کٹی باتیں - ارے بھئی - بیگم ہوں گی تمھاری بیوی مجھ غریب کی بیوی بیگم ویگم کیوں ہونے لگی - خیر میرا کیا ہے - جیسے کٹتھا گھر رہے ویسے رہے بدلیں - تندور (تنور) سلامت میں اپنا بندوبست تو کچھ نہ کچھ کر ہی لوں گا مگر بچوں کی جدائی مجھے کیسے گوارا ہو گی -

نثار - بچوں سے جیسی آپ کو محبت ہے وہ بھی مجھے معلوم ہے ' ابھی مہینوں آپ بمبئی کا سیر سپاٹا کرتے رہے تب بچے یاد نہ آئے -

صغیر - اور آئے ہوں تو تمھیں کیا خبر -

نثار- آئے ہوں گے میں کہاں تک آپ کی سمع خراشی کروں بس دو ٹوک بات یہ کہ بہتر یہ ہے کہ آپ میری بہن کو میرے ساتھ کر دیجیئے۔ اگر زندگی ہے اور بچ گئیں تو پھر آجائیں گی نہیں مردوں میں تو ان کا شمار ہے ہی۔ حسنؔ چپ پڑی پڑی میاں کی باتیں سنتی رہی اور اس کی ایک بات کا بھی جواب نہ دے سکی۔ ناظرین جھوٹ بولے تو ایسا کہ دروغ گویم برروئے تو۔ حکیم کے ہاں لے جانا تو درکنار کبھی اس نے الٹ کر بات تک تو پوچھی نہیں یہ حکیم کے ہاں لے جائیں گے بہ ایں منہ اور سالا۔ اس پر راحت اگر بولتی تو گویا آگ پر تیل ڈال کر اور بھڑکاتی وہ چپ ہی رہی کہ خیر جو اُن کا دل چاہے کہہ لیں۔

صغیر- تم نے تو تل کا پہاڑ کر دیا، کیا بخار لوگوں کو آتے نہیں۔ جب تم لے جانے پر آمادہ ہو اور وہ جانے پر تو پھر مجھ سے پوچھ گچھ کی ضرورت، دو دل راضی تو کیا کرے گا قاضی۔

نثار- بھائی مجھے سخت افسوس ہے کہ آپ کو مطلق ہمدردی نہیں ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا اور نہ آپا نے جانے کے لیئے حامی بھری۔ کسی کی طرف سے ایسی بڑی بدگمانی کرنی بھی گناہ ہے۔ رہا تل کا پہاڑ بنانا سو یہ آپ کا خیال ہے بات یہ ہے کہ آپ نے پہاڑ کو تل سمجھ رکھا ہے۔ ہم کب چاہتے ہیں کہ ہماری بہن بیمار رہے خدا کرے کہ آپ کی زبان مبارک ہو اور وہ تندرست ہو جائیں۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ آپ ہی غور کریں کہ یہ آپ کا فرض تھا کہ حکیم ڈاکٹر کو دکھاتے اور معقول

علاج کرواتے نہ یہ کہ آپ مجھے بھی روکتے ہیں۔ آپ کو معلوم نہیں کہ ہمارے دلوں کی کیا کیفیت ہے۔ دن رات آپا کا غم کھائے جاتا ہے جب سالے بہنوئی کی بہت دیر تک ردّ و کد ہوتی رہی تو راحت جو اب تک چپ پڑی تھی بولی۔ نثار رات بہت زیادہ آگئی ہے نانی اماں تمھاری منتظر ہوں گی تم خیر سے سدھارو میں ابھی مرتی نہیں۔ تم گھبراؤ نہیں اور یہ جو کچھ عذر کر رہے ہیں ٹھیک ہے تمھارا اب مجھ پر کچھ زور نہیں۔ البتہ خوشی کی دوسری بات ہے۔ تم ناحق اپنا سر کھپا رہے ہو۔ لو بس اب تم سدھارو کہ مجھے بھی نیند آرہی ہے۔ نثار چلتے چلتے بہت تاکید سے بہ منت کہتا گیا کہ زندگی موت کا معاملہ ہے آپ خوب سوچ سمجھ لیں اور مجھے کل تک شافی جواب دے دیں۔ نثار تو سلام علیک کر کے رخصت ہوا اور صغیر اپنے دڑبے میں گھس گئے۔

باب (۲۷)۔ سالے بہنوئی کی دوسری جھڑپ

کفر توڑا خدا خدا کر کے   لائے اُس بت کو التجا کر کے

راحت کو اچھی طرح خبر تھی کہ یہ مرض مُہلک ہے جس سے نجات نہ ہوگی اس لیئے بچّوں کی بہت احتیاط کرتی تھی۔ عام قاعدہ ہے کہ چھوٹے بچّے ماں سے زیادہ مانوس ہوتے ہیں۔ پہلے تو راحت دونوں بچّوں کو ظہورن کے پاس سُلاتی تھی۔ اس وجہ سے کہ میری بھاپ بچّوں کو نہ لگے۔ اب بڑی مشکل تھی کہ بچّے کس کے پاس سوئیں۔ کیوں کہ علی احمد

سُلاتے میں اسے خود خدشہ تھا کہ گھر میں دوسرے آدمی کا قدم جم گیا ہو وہ بھی اسے لوگوں نے جتایا کہ دشمنی میں کچھ دکھائی نہیں دیتا ۔ اس لیئے مجبوراً اپنی چارپائی کی پٹّی سے پٹّی ملاکر بچّوں کو سُلاتی تھی بھائی کے جانے کے بعد راحت بہت دیر تک بے چین رہی ۔ آخر آنکھ لگ گئی ۔ صبح میاں اُٹھے اور راحت سے کہا کہ تم نے کھانے دانے کا بھی کچھ انتظام کیا ۔ اُنھیں تو پکانے کی عادت نہیں ۔ آپ سمجھے یہ "اُنھیں" کا اشارہ کس طرف ہی ؟ ۔ اب اشاروں سے کام نہ چلے گا صاف صاف کہنا چاہیئے ۔ نام تو اُس پنجابن کا زینب تھا بعد میں کُھلا کہ صغیر اسی سے نکاح کرنا چاہتے تھے" سو کر لیا ۔ ہمارے نزدیک تو وہ آفت جان یا بلائے بے درمان اور بڑی بے ڈھب تھی لیکن کُھلی کُھلی بے نقط سُنانے سے کچھ نتیجہ نہیں جیسی کچھ ہی ظاہر ہو جائے گا بیوی ۔ میں کیا بتاؤں ماما کوئی ملتی نہیں ۔ رہی میں سو میں موجود ہوں مجھے تو خاصی پکانے کی عادت ہو گئی ہی لاؤ کیا پکواؤ گے کسی سے سودا منگوا دو تو میں ہی مرتی گرتی پکا دوں گی ۔ راحت کا یہ فقرہ کہ "مجھے عادت ہو گئی ہی" ضرور طنزاً تھا جسے صغیر علی بھی تاڑ گیا ۔ مگر اُس کی عادت تھی کہ جب اپنی غرض آن پڑتی تھی تو چوں نہ کرتا تھا ۔ باپ نے نصیر کو آواز دی اور کہا کہ جاؤ کھڑکی میں سے ہمسائی کے لڑکے کو بُلا لاؤ ۔ نصیر باپ کی صورت سے کانپتا تھا جلدی سے بھاگم بھاگ جا اُس لڑکے کو بُلا لایا ۔ صغیر نے اُس سے شامی کبابوں کا قیمہ

اور دوسرے سالن کے لیئے سیم کے بیج منگوائے کیوں کہ نئی بیوی کے لیئے مزے مزے کے کھانے اور زبان کے چٹخارے لازمی تھے۔ بچّہ سودا دے کر چلا گیا باپ نے بیٹے کے ہاتھ وہ تمام چیزیں راحت کے پاس بھجوا دیں۔ وہ کبابوں کا سامان دیکھ کر سر دھُن گئی اور سوچنے لگی کہ یا الٰہی یہ قیمہ مجھ سے کیسے پسے گا۔ بے چاری ہانپتی کانپتی چار پائی پر سے اُٹھ باورچی خانے میں گئی چولھے میں آگ سُلگا قیمہ اُبالنے کے لیئے چڑھا دیا اور دوسرے سالن کا مسالا پیسنے لگی۔ بخار اس وقت ہلکا تھا مگر نقاہت بہت تھی مسالا کیا پستا۔ جوں توں کر کے بہ ہزار دقت مسالا پیسا اور قیمہ پیسنے بیٹھی سالن کوئلوں پر رکھا۔ قیمہ پیسنے میں بازو شل ہو گئے۔ کون تھا جو اس ستم رسیدہ کی داد کو پہنچتا۔ بس اللہ تو ہی دیکھتا ہے یہ تو بیماری اور اُس پر یہ کام ایسا کون تھا جو اس کا ہاتھ بٹاتا۔ یہ وقت ایسا تھا کہ اس کی خدمت کی جاتی نہ کہ اُلٹی اس سے خدمت لی جا رہی ہے۔ کیا خدا کی شان ہے۔ کہاں ہیں وہ لوگ جنھوں نے تیرا نازک ہاتھ اس آہنی پنجے میں پکڑوا دیا۔ ع

ہر کہ با فولاد باز و پنجہ کرد　　ساعدِ سیمینِ خود را رنجہ کرد

بُلاؤ اور اُن کو اس سلوک کا نتیجہ دکھلا تیری ہی صورت شاہدِ حال ہے۔ خیر، خدا تیرے ساتھ ہے۔ بڑی مشکل سے اُس نے سالن پکایا اور کباب تلے، دوا ابھی تک نہ پی تھی بخار کی آمد کا وقت قریب تھا اس نے

چاہا کہ دوا پی لے اور اس خیال سے لڑکھڑاتی ہوئی اپنے کمرے میں گئی
چاہتی تھی کہ دوا پیئے کہ میاں نے ایک چیخ ماری کہ "دوپہر ہونے آئی تم
ابھی تک چولھے ہی میں گھسی ہوئی ہو۔ شاید پھولوں میں تُل رہی ہو گی وہاں
نزاکت اور نخروں ہی سے فرصت نہیں۔ کیا پاپڑ بیل رہی ہو"۔ بیوی جو صبح
سے اس وقت تک چولھے میں اپنا مُنہ دیئے ہوئے تھی۔ میاں کی ایسی
جلی کٹی باتوں پر جل کر بھسم ہو گئی۔ دوا کو جوں کا توں رکھ کر سیدھی
باورچی خانے میں چلی آئی۔ چولھے پر توا رکھ روٹیاں ڈالنے لگی۔ ادھر
بخار کی گھبراہٹ۔ اُدھر کھانا پکانے کی تکان اُس پر میاں کا بے جا
عتاب، غرض یہ کہ اُس کے رہے سہے اور بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے اور
آسے اَوَاسے ہوش حواس جاتے رہے۔ روٹی پکا ہی رہی تھی کہ نثار
آگیا۔ بہن کو چولھے پاس بیٹھا اور روٹیاں پکاتا دیکھ کر آگ بگولا ہی تو ہو گیا
کہ غضب خدا کا تم جیسا بیمار اور یوں چولھا جھونکے ہم تمھاری فکر کرتے کرتے
تباہ ہوئے جاتے ہیں اور تم اپنی جان یوں ہلکان کر رہی ہو۔ ڈاکٹر تم کو
کہتا ہے کہ آرام لو یہ تمھارا آرام ہے؟ ۔ ہاتھ پکڑ کر بہن کو اُٹھا لیا دیکھا تو
بخار چڑھ رہا تھا۔ اُسے لے جا کر پلنگ پر لٹایا اور خود نخچلے میں بیٹھ گیا
صغیر۔ کمرہ پہ ہاتھ دھرے کمرے سے نکلے اور کہنے لگے کہ بھئی گھر کا کام
اگر یہ نہ کریں گی تو کون کرے گا۔

نثار۔ بھائی آپ کو کیا ہو گیا ہے ذرا ہاتھ لگا کر دیکھئے تو کہ تمام جسم توے
کی طرح جھلس رہا ہے یہ کیسا رحم اور انصاف ہے۔ جب تک یہ بیمار ہیں

انھیں کوئی کام نہ کرنا چاہیئے ورنہ دوا دارو سب بے کار۔ اسی عرصے
میں دروازے پر ڈولی اُتروانے کی آواز آئی۔

راحت۔ خدا معلوم کون آیا ہے؟۔

نثار۔ کوئی نہیں تمہاری بھاوج ہیں اور کون ہوگا۔ ۵

آنے والا جانے والا بے کسی میں کون تھا ٭ ہاں فقط اک دم غریب آتا رہا جاتا رہا

صغیر اپنے کمرے میں چلا گیا اور ظہورن نثار دُلہن کو اُتروا کر لائی۔ نثار نے ظہورن سے کہا کہ "تم نہیں آپا کے پاس رہو اور گھر کا کام کاج کیا کرو" پہلے تو اُس نے انکار کیا مگر پھر سمجھانے سے مان گئی۔ نثار نے بہنوئی سے کہا کہ "آپ نے جواب نہیں دیا"۔

صغیر۔ (سمجھ تو گیا مگر شرارت سے) جواب کس بات کا؟۔

نثار۔ اوہو آپ کا حافظہ ایسا کمزور ہے کل کی بات آج بھول گئے شاید آپ کو رات کا کھانا بھی صبح کو یاد نہ رہتا ہوگا۔ اب پھر سُن لیجیے آپا کے لے جانے کا آپ نے کیا فیصلہ کیا؟۔

صغیر۔ یہ بھی کوئی مقدمہ ہے جو میں فیصلہ کروں۔ اجی جناب (طعن سے) لے جائیے۔ میں نے منع کب کیا تھا۔

نثار۔ بہت اچھا۔ نثار کی دُلہن سامان وامان کی باندھا بوندھی میں لگ گئیں کیوں کہ جانے میں ایک ہی دن بیچ تھا۔ راحت کا سارا زیور تو غارت ہو ہی چکا تھا۔ اس نے اڑے وقت کے لیئے چار بالی پتے اور کڑے لگا رکھے تھے۔ میاں بدحواس کو خیال نہ آیا ورنہ وہ بھی ہر چہ در کانِ نمک

رفت نسمک شد۔ ہو جاتے۔ بات یہ ہوئی کہ خلافِ توقع جو سیاں صغیر کو زیور کا گجا ہاتھ لگا، مالِ مفت دلِ بے رحم۔ خوشی میں ایسے پھولے کہ دیکھا بھی نہیں کہ کیا ہے اور کیا نہیں، اس طرح یہ دو چیزیں اُن کے جھپٹے سے بچ گئیں۔ راحت نے نثار سے کہا کہ بھائی تمھیں خرچ کی ضرورت ہو گی تم جانتے ہو کہ روپیہ میرے پاس نہیں، البتہ یہ چیزیں حاضر ہیں۔ سو تم ان کو فروخت کر کے صرف کرو میں نہیں چاہتی کہ اتنا بار تم پر ڈالوں۔

نثار۔ (دلہن کو دلاسا دے کر) آپا مت گھبراؤ میرے پاس جو کچھ ہے وہ کس کا ہے وہ بھی تمھارا ہی ہے۔ میں تم دو نہیں، اگر میری کھال کی جوتیاں بھی بناؤ تو مجھے عذر نہیں اور نہ تمھاری بھاوج اس مزاج کی ہیں میں اُن کے پس غیبت کہتا ہوں کہ اُنھیں مجھ سے زیادہ تمھارا خیال ہے۔ تم ایسی باتیں کیوں کرتی ہو۔ تم اگر تن درست ہو جاؤ تو میں نے سب کچھ بھر پایا۔ **مشتاق** کا خط آیا ہے وہ بھی بہت پریشان ہے اور لکھا ہے کہ بھائی علاج میں کوتاہی نہ کرنا۔ اُس نے پرسوں ہی سو روپے کا منی آڈر صرف تمھارے علاج کے لیئے بھیجا ہے کیوں کہ بہنوئی صاحب کی حالت سے وہ بھی خوب واقف ہے۔ راحت بھائیوں کی یہ شفقت اور مہربانی دیکھ کر بہت متاثر ہوئی، دل بھر آیا اور کہنے لگی "میرے ماں جائے! میرا دل نہیں چاہتا کہ تم کو اتنا زیر بار کروں آخر یہ چیزیں میری ہی ہیں اگر میرے مُردے ہی پر لگ جائیں گی تو کچھ بے جا نہ ہو گا،

پردیس کا معاملہ ہے - خدا معلوم کیا بات پیش آئے کیا نہ آئے - کچھ روپیہ لگا رہے تو اچھا ہے" -

نثار - ہاں یہ تم ٹھیک کہتی ہو میں نے پہلے ہی سے بندوبست کر لیا ہے مگر دل کیسے گوارا کرے گا کہ تمھارا زیور بیچوں اور اُس سے کام چلاؤں بہن بھائی کے زیادہ اصرار سے چُپ ہو گئی - چنانچہ تمام دن نثار دلہن نے نند کا سامان ٹھیک ٹھاک کیا اور شام کو دوا پلائی اور کچھ کِھلا کِھلوا اپنے گھر چلی گئی - ایک دن تو رہ ہی گیا تھا وہ ہُوا ہو گیا راحت کی اجازت کچھ آسان مرحلہ نہ تھا - لیکن صغیر بالکل احمق بھی نہ تھا سالے کے تیور بد دیکھ نرم پڑ گیا اور کان تک نہ ہلایا -

باب (۲۸) - مسوری کی روانگی

اہلِ فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے ۞ لوحِ مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

نثار کا سارا کنبہ مع راحت کے دہرہ سے روانہ ہوا - سیدھے مسوری پونہچ ایک مختصر مگر صاف سا بنگلہ کرایہ پر لے لیا - سب وہیں رہے صرف نثار دہرہ سے آتا جاتا رہا - اپنی طرف سے کچھ کمی نہ کی علاج بھی معقول کیا مگر ؎

مریضِ عشق پر رحمت خدا کی ۞ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

کیونکہ مرض پہلے ہی بہت بڑھ گیا تھا - ایک پہاڑ نہیں اگر دس

پہاڑوں پر بھی جاتیں تو بے کار۔ میاں نے ایک پیسے کا کارڈ تک نہ بھیجا کہ بیوی مر گئی یا زندہ ہے۔ راحت نے پہنچتے ہی اپنی خیریت کا خط لکھ دیا تھا۔ ؎ سیدھی سیدھی ہم تو باتیں اُن کو لکھ بھیجیں کے داغ

وال الٹ پھیروں کی گر تدبیر الٹی ہو تو ہو

میاں تو پڑھنے لکھنے سے بالکل کورے تھے اس لیئے اُن کے لیئے عذر معقول تھا لیکن اگر خود نہ لکھ سکتے تھے تو لکھوا تو سکتے تھے مگر جب دل ہی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں۔ بیوی کا جانا بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا خالی گھر ملا کوٹھڑیاں کھول صندوقوں کے قفل توڑ جہیز کے سارے برتن اور کپڑے میاں نے چن چن کر نکالے اور کوڑے کر ڈالے اور جو تڑوں سے ہاتھ پونچھ کھڑے ہو گئے۔ خوب کھایا کھلایا نئی بیوی کو ٹھنسایا، اور مونچھوں پر تاؤ دیئے، چند دنوں میں کوڑی کوڑی کو محتاج ہو گئے۔ اب اس نئی نویلی سے بھی ہر وقت کی لڑائی ٹھن گئی ولولے اور شوق کا اُبال اُتر گیا۔ طغیانی جاکر جوشِ محبت کا دریا پیٹے میں آگیا۔ ساون ہرے نہ بھادوں سوکھے۔ ع وہی گھر پا وہی جالی جو آگے تھی سو اب بھی ہے۔ صغیر نے ایسا ڈھب ڈالنا چاہا کہ اس کا بھی ہاتھ گلا نوچ کھسوٹ کر کھا جائے مگر وہ ٹھیری ایک چالاک تجربہ کار عورت بارہ گھاٹ کا پانی پیئے ہوئے وہ کچی گولیاں نہیں کھیلی تھی جو ان کے دام میں آجاتی یہ راحت نباشد کہ جس کل چاہا اُٹھایا بٹھایا۔ غرض ایک روز دونوں میں خوب جوتی چلی، بیوی خفا ہو کر برقع اوڑھ گھر سے نکل گئیں،

کئی روز تک بے پتہ رہیں۔ میاں اُن کے فراق میں دیوانے ہو گئے بڑی دَوڑ دھوپ کی اور پتہ نکال ہی لیا۔ غرض خدا جانے کیا کیا خوشامد درآمد کی۔ ہاتھ پاؤں جوڑے، ناک رگڑی۔ کچھ بھی ہوا ہو روٹھی ہوئی دُلہن کو منا لائے۔ اس دفعہ اُس گھر کی ملکہ نے نیا چونچلا نکالا کہیں تمھاری بیاہتا بیوی کے ساتھ مل کر نہ رہوں گی کیوں کہ اوّل تو وہ بیمار ہیں اُن کی بیماری اُڑ لگنی ہے دوسرے ہر وقت اُن کے بھیّا تھنسے رہتے ہیں۔ اللہ بی مٹھوسا خانم تمھارا پدڑا (پردہ) نوسو چوہے کھا کے بلّی حج کو چلی۔ دعا دے سمدھیانے کو نہیں پھرتی دودو دانے کو۔ رہی راحت وہ کس شمار قطار میں ہے۔ کسی کونے کھدرے میں پڑی رہتی ہے تمھارے لینے میں نہیں دینے میں نہیں وہ کچھ تمھارا ہی کام کر دیتی ہے۔ اب تمھارا ادھ گھر سے بھی بدر کروانے کا ہے تو وہ خود ہی اپنا مُنہ کالا کر گئی ہے اب میدان خالی ہے۔ ۹

بلبلیں باغ میں اب کیوں نہ بہاریں لوٹیں
خار اک میں ہی تھی سو میں نے چمن چھوڑ دیا

صغیر نے کہا "اچھا دیکھا جائے گا ابھی جلدی کیا ہے، اُسے زندہ تو پھرنے دو جب بات سو بات"۔ راحت کو میاں کی کوفت نے پہاڑ پر بھی چین نہ لینے دیا ہر وقت اس کے سینے میں غم کی آگ بھڑکتی رہی سب اپنے اپنے کلیجے پر ہاتھ رکھ کے دیکھیں کہ یہ کُڑھنا بجا تھا یا بے جا۔ شوہر کا وہ ظلم، سَوکن کا یہ ستم، تو کیا یہیں بھی جلن اور تپش نہ ہو

یہ ممکن نہیں۔ یہ انسانی فطرت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ آگ کا کام جلانا ہے اور وہ جلائے بغیر نہ رہے گی۔ سوکن کے غم نے احسن کا کلیجہ اور بھی چھلنی کر دیا۔ دل میں ناسور ڈال دیئے جو بڑے رِسا کرتے تھے۔ بخار رہنے لگا۔ اس کی حالت دن بدن خراب ہونے لگی اور وہی دوا جو مفید پڑی تھی اُلٹی تاثیر دکھانے لگی۔ تب احسن نے نثار سے کہا کہ بھائی میری آنکھیں اپنے وطنِ مالوف کو ڈھونڈتی ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں دلی جاؤں اور وہیں پیوندِ خاک ہوں کیونکہ یہاں بھی میری وہی حالت ہے بلکہ روز بروز بدتر۔ بیچ کے دنوں میں کچھ فائدہ ہو گیا تھا مگر معلوم ہوا کہ وہ عارضی تھا۔ مجھے اپنی زندگی سے بالکل یاس ہے جس طرح بھی ہو جلد دلی چلو خدا جانے کس وقت بلاوا آ جائے۔ نثار بھی بہن کی حالت دیکھ رہا تھا کہ روز بروز ردّی ہوتی جاتی ہے اس نے ڈاکٹر سے پوچھا۔ اُس نے کہا کہ مرض بہت طول پکڑ گیا۔ تشنج اور بھی شروع ہو گیا۔ بظاہر کوئی امید نہیں۔ بہتر ہے کہ آپ لوگ جلد اپنے وطن چلے جائیں۔ یہ سن کر نثار کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا اور پکڑ کر وہیں کا وہیں بیٹھ گیا۔

باب (۵۴) مسوری سے مایوسی اور دلی کی واپسی

ہندوستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

بہن کے خیال سے اس کی کمر ٹوٹ گئی اور بادلِ ناخواستہ وہاں سے دلی کا

رنج کیا۔ آنے سے پہلے احتیاطاً ایک خط صغیر علی کو بھی لکھ دیا۔ خط پڑھ کر اُس نے پھینک دیا اور کہا تو یہ کہ " اخ تھو! ہم نہ منع کرتے تھے " وہاں تو روپیہ کو رو رہا تھا۔ موت سے منہ چھپا کر بھاگی تھی ' پھر موت کے منہ میں آگئی بڑائی۔ بھلی سی ہے تو پھر منہ نہ دکھا سے ۔ چُلو بھر پانی میں ڈوب مرے ۔ دیکھ ذرا سوچ کر ہم اور اگر مرنے ہی پہ تُلی ہے تو دو گز زمین کیا اُسے وہاں قبول نہ کرتی جو اس گھر دے کو پھر میرے سر پہ لا پٹخا " اسی غصے میں وہ سٹیشن پر بھی نہ گیا بلکہ ریل کے وقت گھر سے بھی ٹل گیا۔ نثار بہ ہزار دقّت پالکی میں ڈال کر بہن کو لایا اور چاہتا تھا کہ اپنے گھر میں اُتارے مگر راحت نے کہا کہ چاہے کچھ بھی میری جان پر بن جائے میں اپنے اُسی غم کدے میں جاؤں گی جہاں ساری عمر تیر کی ہے اور اُسی کے قدموں میں جان دوں گی جس نے مجھے لبِ گور کر دیا۔

وہی قاتل وہی مخبر ہے وہی منصف ہے
اقربا میرے کریں قتل کا دعوی کس پر

نثار کو لاچار بہن کی بات ماننی ہی پڑی ۔ بیوی کو بہن کی خدمت کے لیئے چھوڑنا پڑا ورنہ کس کی بگڑی کو ن ڈالے گھاس۔ رات اپنے معمول کے موافق صاحبِ خانہ رونق دہِ کاشانہ ہوئے ' بچے باوا کو دیکھ کر دوڑ کر چمٹ گئے آخر خون کا جوش تھا۔ صغیر نے ایک قہر آلودہ نگاہ سے دیکھا اور خون کے سے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

اب کی دفعہ یونانی علاج شروع ہوا کھانسی اس بلا کی تھی کہ پیٹ میں سانس نہ سماتا تھا کھانستے کھانستے پسلیاں ام گئی تھیں۔ سَوکن کو گھر ملا خالی اُس نے اپنی بیو خوب جمالی اور ایلی گیلی پھُرک پھُرک بھرتی تھی۔ تین چار روز کے بعد راحت نے بھاوج سے کہا کہ تم اسباب کی کوٹھڑی کھولو اُس میں سے استعمالی برتن نکالو اور بچوں کے کپڑے بھی۔ کوٹھڑی کھولی برتنوں کے صندوق کھولے وہاں ایک چمچہ تک باقی نہ تھا۔ بھاوج نے کہا کہ کوٹھڑی میں تو جھاڑو دلی ہوئی ہے۔ صندوق کھُلے پڑے ہیں برتن ورتن سب صاف۔

راحت۔ کیا واقعی برتن نہیں ہیں، سچ کہو؟۔

بھاوج۔ جی ہاں۔ برتن تو برتن کپڑے بھی نہیں۔ جاتے وقت میں ہی اسباب سے ٹھُسا ٹھُس بھر گئی تھی مگر اب تو سارے صندوق خالی پڑے ہیں۔

راحت۔ (ٹھنڈا سانس بھر کر) افسوس چلتے چلتے یہ داغ بھی مجھے لگ گیا۔ خدا لینے والوں کا بھلا کرے۔ گہنا یوں خاک میں ملا کپڑے اور برتنوں کا یہ حشر ہوا۔ بس صبر! سمجھنے والے سمجھ گئے کہ سوائے صغیر علی کے یہ کام کسی باہر والے کا نہیں اور واقعی بات بھی یہی تھی وہ شوہر نہ تھا گھر کی گھونس تھا وہ اگر اس طرح ہاتھ صاف نہ کرتا تو اُس خانہ خراب کا کام کیسے چلتا۔ رات کو بیوی نے میاں سے کہا کہ مَیں نے صبح کو کوٹھڑی کھُلوائی صندوق سب خالی پڑے ہیں برتن

اور کپڑوں کا پتہ نہیں خدا معلوم کیا ہوئے"۔
میاں - میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں، گہنے کی طرح یہ بھی میرے سر تھوپ دو، رکھتی کہیں ہو بتاتی کہیں ہو مجھ سے کیا پوچھتی ہو تم کچھ مجھے بتا کے تھوڑی ہی رکھ گئی تھیں - مجھے کیا خبر کہ صندوقوں میں کیا تھا کیا نہیں - ہاں تم اپنے صندوق دیکھ لو آن میں سے کوئی گیا ہو تو جو چور کی سزا سو میری - باقی رہا اُس کے اندر کیا تھا کیا نہ تھا، جانے میری بلا - گھر میں کوئی آیا نہیں گیا نہیں پھر کیا کالا چور لے گیا یا زمین کھا گئی -
راحت - میں نے تمھارا نام لیا ہے جو تم اپنے اوپر ڈھال لے گئے میرا مال جائے" میں لُٹ جاؤں اور زبان ہلانے کا بھی حکم نہیں ہا تم ذرا دریافت تو کرو -
صغیر - میں کس سے پوچھوں؟ -
راحت - جو گھر میں رہتا تھا اُس سے -
صغیر - وہ تو میں ہی ہوں اور میرے سوائے کون ہے؟ - بغلی گھونسہ کونے سے لگی کن سوئیاں لے رہی تھی - صغیر کو مخاطب کر کے کڑک کے بولی - "شاباش تم پر کہ تم بیٹھے میری بُرائیاں سُن رہے ہو اور کچھ نہیں کہتے ہاں کیوں بولنے لگے وہ تمھاری بیوی گھر بار کی مختار ہیں - میں بے چاری لونڈی باندی ہوں - خدا تم سے سمجھے جیسا تم نے مجھے دھوکا دیا -
غضبِ خدا وہ کم بخت مجھ کو چوری لگا رہی ہے اور تم سُن رہے ہو - تم مرد ہو

یا عورت، وہ تمھارے لتّے سلے رہی اور تم بھیگی بلّی بنے بیٹھے ہو۔ ڈوب مرو چلّو بھر پانی ہیں۔ مجھ پر تو ذرا ذرا سی بات پر پل پل کے آتے ہو اور اب اِنَّا لِلّٰہ نہیں کہتے۔ تم بولتے ہو تو بولو ورنہ میں اس کی خبر لوں اور اس کو ٹین کر رکھ دوں۔ اس کو اپنے بھیّا کا گھمنڈ ہوگا تو میں بھی کوئی نگوڑی ناٹھی نہیں کہ جو چاہے مجھے دبا لے۔ ارے میں تو اچھے اچھوں کے کان کتر لوں۔ تم نے اور تمھارے ساتھ اس نے مجھے سمجھا کیا ہے جو اس طرح اور دل پر ڈھال حق ناحق مجھے ہزاروں صلواتیں سنا رہی ہے۔ سنتے سنتے میرا کلیجہ پک گیا۔ سنو تم، میں کسی کی آدھی بات نہیں سننے کی سنو سنا کر بھی نہ چھوڑوں۔ تم نہیں بولتے تو نہ بولو۔ تمھیں اس کی سب باتیں پچ جاتی ہیں، میں کیا کسی کی نوکر چاکر ہوں جو اس کی سڑی بسانڈی باتیں سنوں۔ سننے میری بلا۔ اس میں کیا سُرخاب کا پر لگا ہے جو اس طرح بڑھ بڑھ کر بولتی ہے، دیکھا بن مارے کی توبہ اسی کو کہتے ہیں۔ کھٹیا پیر پڑی ہے مگر زبان برابر چلی جاتی ہے۔ آخر میرے ضبط اور تحمّل کی بھی کوئی حد ہے۔ راحت نے کہا "چور کی ڈاڑھی میں تنکا" دور کیوں جاؤ۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ یہ جو اصل خیر سے تم دو بیٹے اور بیٹے کھڑے ہو یہ کس کا ہے۔ کہو خدا لگتی بات"۔

بغلی گھونسہ ۔ لو اور سنو جتنے کالے اتنے میرے باوا کے سالے کیا ایک شکل کے دو دو بیٹے نہیں ہوتے ہیں۔ یہ تو میں نے اپنے ہاتھ سے ٹانکا ہے تو جھوٹ بولتی ہے۔ یہ بھی تو نے خصم کو سمجھا ہوگا کہ سارے کا

سارا اپنی طرف گھسیٹ لیا اسی طرح لوگوں کے سر کی پگڑی اُتارتی ہی
راحت۔ سوکن کی کلادرازی سے بہت پشیمان ہوئی اور پیچھا
چھڑانے کی غرض سے کہنے لگی کہ اچھا بی اچھا تمہارا ہی ہوگا قصور معاف
کرو۔ تمہارے مُنہ کون لگے۔ ماشاء اللہ تمہاری زبان تو تیغی سے
بھی زیادہ تیز ہی میں اُس کی برابری نہیں کر سکتی۔ خطا ہوئی جو تم سے
پوچھا۔ یہ کہاوت تو چلی ہی آتی ہی کہ جس کی چیز جائے وہی چور کہلائے
بغلی گھونسہ۔ اور شاید تیرے مُنہ میں زبان نہیں جب ہی تو اترائے
ہوئے سوا پہر ہوا۔ ابھی کل جنتی تو مرنے کو پڑی ہی اور یہ طوفان
جوڑ رہی ہی۔ صغیر چپکا بیٹھا نیچی گردن کیئے سب سُنتا رہا چور کے
پاؤں کہاں وہ چاہتا تھا کہ دونوں سوکنوں کے بیچ میں بولے اور
بیچ بچاؤ کرادے مگر سلامتی اسی میں تھی کہ کچھ نہ بولا کہ دونوں خود بخود
آپس میں سُلٹ لیں گی میں کیوں مفت میں بُرا بنوں۔ خیریت اسی
میں تھی کہ رفو چکر ہو گئے۔ راحت بے خبر کیا گت بناتی اوّل تو وہ خود ہی
مردہ تھی دوسرے اُس کی شرافت اُس کو اجازت نہ دیتی تھی کہ
میاں کا سامنا کرے۔ مگر یہ از غیبی گولا ضرور اُن کے کس بل نکال دیتی
اور بہت کرکری ہوتی۔ راحت بالکل خاموش ہو گئی مگر بغلی گھونسہ
دیر تک بڑاتی اور بڑبڑاتی رہی آخر اُس نے بھٹیاریوں کی طرح
گونڈا اُوندھا کر دیا اور پیشی بڑھا دی۔ باقی پھر۔ راحت کے بھائی
نے یہ تازہ سانحہ سُنا۔ بجز کفِ افسوس ملنے کے اور کر کیا سکتا تھا۔

خدا بُرے سے پالا نہ ڈالے۔ کچھ ضروری کپڑے اور برتن بھیج بہن کا کام چلتا کر دیا۔

باب (۳۰) ۔ راحت کا آخری کلام اور سب کو رخصتی سلام

رخصت ہی باغباں کہ ذرا دیکھ لیں چمن ✣ جاتے ہیں واں جہاں سے پھر آیا نہ جائے گا

راحت کی سوکن کے دل میں بخار بھرا ہوا تھا اور پھر ایک ہی گھر کا رہنا سہنا آب و آتش کا کیا ساتھ، غرض یہ کہ سوکن نے ناک چنے چبوا دیئے ہر وقت کوئی نہ کوئی بات نکال کر لڑنے کھڑی ہو جاتی تھی۔ راحت کے بچوں سے بہت جلتی تھی اُن کی ایک ایک بات کو ٹوکتی تھی۔ راحت کی حالت بہت بگڑ گئی تھی پاؤں پر ورم آگیا تھا، دست شروع ہو گئے طشت چوکی تو کئی کئی ہفتوں سے پائینتی لگی ہوئی تھی اب پلنگ بھی کاٹ دیا۔ سُسرے کو مرے ہوئے مدتیں ہو گئیں وہ بیٹے کے چند ہی روز بعد راہیِ ملکِ عدم ہوئے۔ رہیں ساس سو وہ ہجرت کر کے اپنے بھائی کے ساتھ چلی گئی تھیں۔ البتہ اس کی دونوں نندیں دہلی ہی میں تھیں۔ وہ کبھی کبھی بھاوج کے ہاں کھڑے کھڑے آجاتی تھیں۔ راحت کی حالت اب مایوسی کی تھی، وہ ملنے جلنے والوں کی صورت کو ترس گئی تھی اور جب سے موت سر پر کھڑی تھی اُس کا دل اپنوں کو جی بھر کے دیکھ لینے کو بہت چاہتا تھا اس لیئے اُس حرماں نصیب نے ایک روز مقرر کر کے اپنے ورے پرے کے کُل عزیزوں اور ملنے جلنے والوں کو ایک رقعہ لکھوایا جو

رقعہ – ہمارے پاس اب تک بہ طور یادگار محفوظ ہی اور وہ یہ ہی

اک بحرِ بے کراں ہی حوادث کا سلسلہ ❊ اُلجھا جو ذہن اس میں وہ دیوانہ ہوگیا
اُٹھے موّرخین زمانے میں گم ہوئے ❊ افسانہ گو جو تھا وہ خود افسانہ ہوگیا

اے میری عزیز بہنو! میرا نام آپ کو معلوم ہی کہ **راحت** ہی۔ مگر راحت مجھ ستم زدہ سے کوسوں دور رہی اب اصلی راحت کا وقت قریب آن لگا ہی۔ یہاں بُری یا بھلی جیسا بھی تقدیر میں لکھا تھا، گزر رہی۔ خدا وہاں کی مشکل آسان کرے جہاں ہمیشہ ہمیشہ کو رہنا ہی۔ ع

کیا وہ دنیا جس میں ہو کوشش نہ دین کے واسطے
واسطے واں کے بھی کچھ یا سب یہیں کے واسطے

مدّتوں سے فریش اور قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہوں۔ آج مری کل دوسرا دن۔ میرا دل چاہتا ہی کہ اپنے عزیزوں کے علاوہ جو جو اس ناچیز کو جانتے اور شفقت فرماتے رہے ہیں اُن کو اپنی زندگی میں ایک دفعہ پھر دیکھ لوں اور سب سے مل لوں۔ اپنا دردِ دکھ کہہ سُن کر دل ہلکا کروں اور پھر اطمینان سے مروں لہٰذا التماس ہی کہ پرسوں بعدِ نماز جمعہ کلبۂ احزان میں قدم رنجہ فرمائیں اور اپنی تشریف آوری سے قالبِ مردہ میں روح تازہ ڈالیں اور لونڈی کو جو پابہ رکاب ہی بن داموں خرید لیں۔ ع

راحت عاصی ہی تو اس کا خاتمہ کیجو بخیر ❊ یاالٰہی اپنے ختم المرسلین کے واسطے

(طالب دعائے مغفرت، **راحت**)

راحت نے نثار دلہن سے فرش وغیرہ کا انتظام کرایا کہ آخر آنے والی ہو گیاں

کہاں بیٹھیں گی اور خود بھی نہا دھو کے صاف ستھرے کپڑے پہنے۔ دو بجے سے بیویاں آنی شروع ہو گئیں عزیز تو خیر آتے ہی مگر دور پرے کی عورتیں بھی محض اس غرض سے کہ دیکھیں راحت نے کیوں بلایا ہے آئیں اور گھر کھچا کھچ بھر گیا۔ جب سب عورتیں جمع ہو گئیں تو راحت کو گاؤ تکیئے کے سہارے لا بٹھایا۔ اُس دن راحت کی طبیعت بھی خلافِ معمول شگفتہ تھی اور جذباتِ دلی نے اُس کو ایک غیر معمولی تقویت دی تھی۔ ذرا دم لینے کے بعد راحت سیدھی ہو بیٹھی اور یہ تقریر دم دار آواز سے صاف صاف مگر دم لے لے کر کی۔ بیچ بیچ میں روتی بھی جاتی تھی اور دوسروں کو بھی رُلاتی تھی۔ ہاں اُس کی باتیں بھی ایسی ہی تھیں کہ سننے والوں کا دل کٹا جاتا تھا بھلا قلم میں زبان کی سی تاثیر کہاں مگر سُن کر آپ بھی دو آنسو بہائیں اور اُس مظلوم کی روح کو فاتحہ کے ثواب سے محروم نہ رکھیں۔

راحت کی دل ہلا دینے والی پُرتاثیر تقریر

دُنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں ✤ وہ گل ہے یہ گل بوئے محبت نہیں جس میں
وہ دوست ہے یہ دوست مروّت نہیں جس میں ✤ وہ شہد ہے یہ شہد حلاوت نہیں جس میں

بے درد و الم شامِ غریباں نہیں گزری
دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گزری

گودی میں کبھی ماں کی کبھی قبر کا آغوش ✤ گل پیرہن اکثر نظر آتے ہیں کفن پوش
سرگرمِ سخن ہے کبھی انساں کبھی خاموش ✤ گہ تخت ہے اور گاہ جنازہ بہ سرِ دوش

اک طور پہ دیکھا نہ جواں کو نہ حسن کو
شب کو جو چھپر کھٹ ہیں تو تابوت ہیں دن کو

کرتا نہیں غربت میں کوئی آ کے مدد تک ٭ گر ساتھ گیا ہے تو کوئی قبر کی حد تک
پھر آتے ہیں روتے ہوئے پہنچا کے لحد تک ٭ وہ خانۂ تاریک ہے تنہائی ابد تک

نہ دوست نہ احباب نہ ہم بزم گئے ہیں
تنہا یونہیں شاہانِ اولوالعزم گئے ہیں

تو اے واجب التعظیم بزرگو اور میری شفیق بہنو! آج جو میں نے آپ سب کو یہاں آنے کی تکلیف دی ہے اور میری آنکھوں کے سامنے امید کے خلاف بہت سا معقول مجمع ہے۔ میں یہ جانتی ہوں کہ اس وقت میرے دل کی کیا کیفیت ہے۔ یہاں نہ کوئی تماشا ہے نہ کوئی میلا ٹھیلا اور نہ کوئی تقریب ہے جس میں آپ بہنوں کو مدعو کیا گیا ہے۔ بلکہ آپ سب کے جمع کرنے سے صرف میری یہ غرض ہے کہ میں آپ کو اپنی مصیبت بھری داستان سناؤں اور آگاہ کروں کہ مردوں کے مظالم کس درجے تک پہنچ گئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ میں خود بھی بہت جلد ختم ہونے والی ہوں اس لئے اس بے قرار دل نے چاہا کہ آپ سب کو آخری بار ایک دفعہ پھر دیکھ کر اپنی خاطرِ حزیں کو تسلی دوں۔ ٥

غرض کردم کہ بیادِ تو دلم خرسند است ٭ آخر ایں دیدۂ دیدار طلب را چہ علاج

اس میں بہت سی بیویاں ایسی ہیں جو مجھے اچھی طرح جانتی ہیں اور میں انھیں لیکن بعض ایسی بھی ہیں جن کی صورت سے میں واقف نہیں۔

میں سمجھتی ہوں اور غالباً میرا قیاس صحیح ہی کہ اس ناچیز کی کشش اُن کو لائی ہی اور اُن کا آنا میرے سر آنکھوں پر اور زیادہ میرے تشکر اور امتنان کا باعث ہی کہ محض انسانی ہمدردی اور ایک دُکھیا کی غم خواری اُنھیں لائی ہی ورنہ یہ کہاں اور میں کہاں۔ عجب نہیں کہ ان میں بہت سی مخدراتِ عصمت ہمارے ہی محلّے کی ہوں مگر یہ میری بدقسمتی اور قید مالایُطاق کا نتیجہ ہی کہ میں نہ صرف اُن کے فیضانِ صحبت اور تبادلۂ خیالات سے محروم رہی بلکہ اُن کی شکل وصورت سے بھی اجنبیِ محض ہوں۔ ان کے کان اگر آشنا ہیں تو اُس شرمناک آواز سے ہیں جس کو ناموافقتِ زن وشوہر سے تعبیر کیا جا سکتا ہی۔ مجھے افسوس اور بے حد قلق ہی کہ یہ شہرت نیک نامی کی نہیں بل کہ بدنامی کی ہی اور اُس بدنامی اور کلنک کے ٹیکے کو میں اپنی پیشانی پر سے مٹانا چاہتی ہوں۔ ؎

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیرِ خویش ؎ عذر بہ درگاہِ خدا آورد

آپ لوگوں نے مجھے پہلے بھی دیکھا تھا اور اب بھی دیکھ رہی ہیں۔ اب میں مردہ بہ دستِ زندہ ہوں۔ چوں کہ میں عرصے سے بیمار ہوں اس لیے میرا یہ کہنا کہ مجھ میں اب اور جب میں کتنا فرق ہو گیا، ایک بدیہی بات ہی یہی بڑی وجہ ہی کہ میں بلند آواز سے تو کجا آہستہ سے بھی مسلسل بات نہیں کر سکتی، سانس پیٹ میں نہیں سماتا کھانسی دم نہیں لینے دیتی پرسوں جب میں نے آپ سب صاحبوں سے اپنے غریب خانے پر تشریف لانے کی التجا اور تمنّا ظاہر کی تو مجھے خود خیال آیا کہ میں کس طرح

اپنا مدعا ظاہر کرسکوں گی۔ ناتوانی حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ایک ایسا بیمار جو ہر وقت دوسروں کا محتاج ہو حتیٰ کہ بغیر سہارے کے کروٹ بدلنی محال ہو کیوں کر اپنے خیالات کا اظہار کرسکتا ہے۔ غرض اس خیال کے آتے ہی میری یہ آس بھی یاس سے بدل گئی کہ میں کیا بول سکوں گی اور کیوں کر بول سکوں گی لیکن میرے دلی جذبات نے مجھے سہارا دیا اور آپ لوگوں کی تشریف آوری نے مجھے اُبھارا یعنی مُردے میں جان ڈال دی۔ میں خلافِ توقع اپنے مُرجھائے ہوئے دل میں غیر معمولی تروتازگی، اپنی پژمردہ طبیعت میں ایک قسم کی چونچالی اور بحالی پاتی ہوں
۵ اور امید کرتی ہوں کہ جو مرکوزِ خاطر ہے وہ زبان سے ظاہر ہو جائے گا۔

ہے گہر جو اشک میرے دیدۂ پُرنم میں ہے
اے خوشی کیا جانے تو کیا لطف میرے غم میں ہے

آسمان وہی زمین وہی سورج وہی چاند وہی۔ خدا نے جب سے دنیائے بے ثبات قائم کی لیل و نہار وہی۔ لیکن زمانے نے آدم سے لے کر تا ایں دم انقلاب کے لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں ناپائے دار بُرقعے اوڑھے اور اُتار پھینکے۔ نت نئی شانیں پیدا ہوئیں اور مٹ گئیں عالمِ بے ثبات نے اپنی ہستی کا موہوم ثبوت محض ایک عارضی چلتی پھرتی دھوپ چھاؤں۔ تغیراتِ موسم۔ بہار و خزاں۔ گرما و سرما۔ لیل و نہار سے دیا مگر ثبات کی شکل کسی حال بھی نظر نہ آئی۔ ایک آیا ایک گیا۔ ادھر بنا اُدھر مٹا۔ پیدا ہوا اور مرا۔ فنا کا زبردست ہاتھ ہر چہار طرف دراز ہے

رہی بقا وہ صرف اُسی ایک ذات واحد کے لیئے مخصوص ہے جو ازلی اور ابدی
ہے۔ سدا سے ہے اور سدا رہے گا۔ باقی سب دھوکا ہی دھوکا
ہے۔ دنیا کی حالت کو بہ غور ملاحظہ کیجیئے۔ بڑے بڑے غدّار شہر صفحۂ دنیا
پر بسے اور ایسے مٹے کہ آج اُن کے کھنڈر بھی ڈھونڈے نہیں ملتے۔
جہاں پر فضا باغ تھے وہاں آج جنگل اور ویرانہ ہے۔ وہ عالی شان محل
جو آسمان سے باتیں کرتے تھے آج زمین کی برابر ہیں۔ وہ اولو العزم بادشاہ
جن کا سکہ چار سُو رواں تھا اور جن کی سطوت و جبروت کے ڈنکے بجتے تھے۔
آج تہ خاک اور ایک فاتحہ کے محتاج ہیں۔ دور نہ جائیے ۱۸۵۷ء کے
غدر کو ہی لیجیئے کہ اُس نے ہندوستان میں ایک تہلکۂ عظیم ڈال دیا۔
خصوصاً دلّی پر جو گزری اُس کا حال بڑی بوڑھیوں سے آج تک بہ غم
سُن لیجیئے وہ اب تک مصائب و شدائد غدر پر آنسو بہاتی ہیں۔ دُنیا کی
کروٹ نہیں جھرجھری لینے کی یہ ایک ذرا سی مثال آنکھوں کے سامنے ہے۔
غدر سے پیشتر دلّی جو درحقیقت چھٹی کی دُلہن بنی ہوئی تھی۔ یہاں کی
چہل پہل یہاں کی خوش حالی اور بے فکر زندگیاں آناً فاناً میں مبدل
بہ عسرت و مصیبت ہوگئیں۔ سیکڑوں خاندان تباہ ہزاروں گھر برباد۔
پردے کی بیویاں نور کی پتلیاں عصمت کی دیویاں جو بھونروں میں پلی
اور ناز و نعم کے سانچے میں ڈھلی تھیں، در بہ در ماری ماری پھریں۔ اُن کے
سروں پر چادر تک سلامت نہ تھی نفسی نفسی کا معاملہ تھا۔ میاں سے
بیوی۔ بھائی سے بہن۔ ماں سے بچے چھٹ گئے۔ چہروں سے پریشانی

اور بھوک سے ناتوانی عیاں تھی۔ آنکھوں میں دم تھا۔ عصمت و عفت کا اللہ ہی حافظ و نگہبان تھا۔ غرض کچھ کہا نہیں جاتا کہ کیا مصیبت تھی خدا پھر وہ دن دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ غدر کے بعد وہ خاندان جو تباہ ہو گئے تھے پھر آج تک اُن کو پنپنا نصیب نہ ہوا البتہ جب امن چین ہو گیا تو لوگ اپنے اپنے کاروبار میں لگ گئے۔ میرا خاندان بھی غدر کی زد میں آگیا تھا مگر شکر خدا کا کہ ٹھوکر کھا کر کچھ سنبھل گیا۔ وہ پہلی سی فراغت تو کہاں نصیب تھی مگر خدا کا شکر ہے کہ دال روٹی کی بھی کمی نہ تھی میرے بہت سے عزیز غدر کی بھینٹ چڑھ چکے تھے۔ اُن میں سے ایسے بھی تھے کہ اس شرفا گردی میں جو بے خانماں ہوئے تو آج تک اُن کا پتہ نہ چلا کہ اُن کو آسمان نگل گیا یا زمین پھٹ گئی اور وہ سما گئے۔ میرے خاندان میں لڑکیوں کی پیدائش بہت کم تھی اور اگر ہوئیں بھی تو مر گئیں۔ البتہ لڑکے بہ نسبت لڑکیوں کے زیادہ پیدا ہوئے اور بہ فضل خدا جیتے بھی رہے۔ میں بدنصیب جو اس وقت آپ لوگوں کے سامنے بدنام کنندۂ نکو نامے چند ہوں کچھ ایسی گھڑی کی پیدا ہوئی کہ پیدا نہ ہوتی تو اچھا تھا۔ میں ایک خوش حال اور فارغ البال گھرانے میں پیدا ہوئی۔ ناز و نعم میں پلی۔ ماں باپ کی آنکھ کا تارا اور اُن کی زندگی کا سہارا تھی مگر تقدیر کی خبر نہ تھی کہ زندگی کی صبح اس بہار کی ہو گی اور شام اس دشتِ پُرخار کی۔ یہ بات آپ صاحبوں سے مخفی نہیں ہے کہ میرے والدین خوش گزران تھے۔ اُن کے سایہ میں میرے پاس غم و الم پھٹکنا نہ تھا۔ اُن کا

دنیا سے اُٹھ جانا پہلا جھکولا تھا جو مجھے لگا اور ایک دفعہ میرے شجرِ زندگی
کو جڑ بنیاد سے ہلا دیا۔ میرے والدین میری دنیا کی متاہلانہ زندگی کے آغاز
سے پہلے سدھار گئے جو میری بدبختی کی بڑی دلیل تھی۔ جو کام میرے ماں باپ
کے کرنے کا تھا وہ میری نانی اور ماموں کے سر پڑا اور میں اُن کی شکر گزار
ہوں کہ اُنھوں نے ایک شریف اور نجیب شخص کے ہاتھ میں میرا ہاتھ پکڑا دیا
میری زندگی کے صرف تین برس اُس فرشتہ سیرت کے ساتھ گزرے اُس نے
میری وہ ناز برداری کی کہ ماں باپ کے صدمے کو بھلا دیا اور جب مجھے
معلوم ہوا کہ خدا نے ماں باپ جیسی نعمت گو مجھ سے لے لی مگر دنیا میں
ایک اور ایسے شخص کو بھیج دیا جو میرا متکفل ہوا اور تکفّل بھی ایسا کیا
جیسا کہ چاہیئے۔ وہ بہترین اور خوش ترین نمونہ افرادِ انسانی کا تھا۔ یا
یوں سمجھیے کہ انسان کے بھیس میں ایک رحمت کا فرشتہ اور میری راحت
رسانی کا ذریعہ تھا۔ لیکن بدبختی بلا کی طرح میرے پیچھے چمٹی ہوئی تھی۔
یہ لیل و نہار رکتا نہیں اور افسوس کہ بہت جلد چاندنی جا کر اندھیر اُگھپ
چھا گیا یعنی شومیِ بخت اور نارسائیِ تقدیر سے آئی اوائی اور ملی ملائی
نعمت چشم زدن میں چھن گئی۔ بہار کا موسم گیا اور خزاں آگئی یا روزِ روشن
شبِ تار سے بدل گیا۔ یا آرام وچین کا ستارہ غروب ہو گیا۔ اُس
مرنے والے کا داغ ناسور ہو گیا۔ جو اب تک رِستا ہے اور اُس کی یاد اور
اُس کی جدائی کا قلق ہے جو قبر تک میرے ساتھ جائے گا۔ ۵

ما غریباں را تماشائے چمن درکار نیست ٭ داغ ہائے سینۂ ما کم تراز گلزار نیست

(راحت کا دل میاں کے ذکر سے بھر آیا اور آنسو بے اختیار بہنے لگے۔ اس کو رونا دیکھ کر سب بیبیاں اشک بار ہوئیں کیوں کہ وہ سب اس کی دردناک حالت سے واقف تھیں) راحت نے آنسو رومال سے پونچھ کر بھرّائی ہوئی آواز میں پھر تقریر شروع کی۔ میری ہم درد بہنو! آپ مجھے معاف کریں کہ میرا دل بے قابو ہوگیا تھا۔ میرا رونا کیا ایک دم کا ہی نہیں دم کے ساتھ ہی۔ آپ لوگ میری ہم دردی میں آنسو بہاتے ہیں وہ وقت بہت قریب ہی کہ میرے لیئے میرے عزیز خوب دل کھول کر روئیں گے اور میں اُن کے رونے سے بھی بے خبر ہوں گی۔ ؎

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی ٭ کچھ ہماری خبر نہیں آتی

میری آواز چوں کہ کم زور اور ناتوان ہی اس لیئے میں بیچ بیچ میں دم لیتی جاتی ہوں۔ قصّہ مختصر کہ بیوگی کا ہار میرے گلے میں پڑ گیا۔ میاں کا مرنا میرے لیئے کچھ کم مصیبت نہ تھی اور پھر مجھ جیسے غم زدہ انسان کے لیئے جو ماں باپ کا داغ اُٹھائے ہوئے ہو۔ خیر میں نے خدا پر بھروسہ رکھا اور اُسی در پر پڑی رہی۔ آہ اس وقت میرا دل پھٹا جاتا ہی اور وہ وقت میری نظروں تلے پھر آگیا۔ میں دوسرے نکاح کے خلاف نہیں ہوں اور نہ اپنی دوسری بہنوں کو مانع ہوں کیوں کہ بیوہ کے نکاح کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ جلّ وعلیٰ شانہٗ نے دیا ہی اور وہ حکم اُس بارگاہِ اقدس سے صادر ہوا ہی جو اپنے بندوں پر ماں باپ سے زیادہ مہربان ہی مگر نہ میں

مرد یکساں ہیں نہ سب عورتیں یکساں جیسی صورتیں مختلف ہیں اسی طرح سیرتیں بھی جدا جدا ہیں - ایک وہ مرد ہیں جو بیوی کے سوگ میں کچھ دنوں بیٹھتے ہیں ایک وہ ہیں جو جورو کا کفن میلا نہیں ہونے پاتا کہ دوسری کرلاتے ہیں ان سے بڑھ کر دل گردے والے وہ ہیں جو زندہ بیوی پر سوکن کا پہاڑ لا گراتے ہیں - عورتوں میں ایسی بھی ہیں جو ستی ہو جاتی ہیں اور روز روز کے جلاپے سے ایک ہی دفعہ جل مرتی ہیں - عورتوں میں ایسی بھی ہیں جو چوتھی کی دلہن اور صرف شوہر کا نام سننے کی گنہگار ہیں - مرنے والے کے نام پر بیٹھی ہیں اور دم نہیں مارتیں - قسم قسم کی تکلیفیں جھیلتی دکھ درد اٹھاتی اور زندگی کے دن تیر کرتی ہیں - ؎

منزل ہو لاکھ سخت پہ ہمت نہ ہاریئے ٭ گو لاکھ ہوں مصیبتیں پر دم نہ ماریئے

دوسروں کے دل کی خبر خدا کو ہے کہ وہ دانائے نہان و آشکارا ہے مگر میں اپنے دل کی کہتی ہوں کہ وفورِ غم کی فوری کسک سے متاثر ہو کر میں نے یہ مستعجلانہ فیصلہ نہیں کیا تھا بلکہ خوب سوچ سمجھ کر اور وہ فیصلہ یہ تھا کہ میں مرنے والے کے نام پر تمام عمر بیٹھی رہوں اور حشر میں بھی جب اٹھوں تو اس کے نکاح میں اور اسی کی ہو کر اٹھوں جس سے میرا دامن وابستہ تھا بہ شرطے کہ لوگ مجھے بیٹھنے دیں اور نمک بر جراحت پاشیدن کا کام نہ کریں

؎ نمک چھڑکا گیا اچھا ہوا فیض
دہانِ زخم اب تک بے مزہ تھا

گو میرا ارادہ سچے دل سے یہی تھا مگر عدّت کے اندر ہی ریشہ دوانیاں

شروع ہوگئیں۔ ان لوگوں نے مجھے دل کھول کر رونے بھی نہ دیا اور
چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔ میں بچہ نہ تھی ان لوگوں کے تیور دیکھتی اور
آنے والی تازہ مصیبت کے تصور سے کانپ جاتی۔ میرے دلِ زار پر
مرہم رکھنے والا کوئی نہ تھا ہاں زخم کو کریدنے والے بہت تھے۔ کان میں
یہ آواز پڑتی کہ "گھر کے گھر ہی میں ہو جائے تو اچھا ہے" میں کہتی تھی کہ "اسی
گھر میں مر جاؤں اور میرا پردہ ڈھک جائے تو اچھا ہے" اور ان دونوں
باتوں میں بُعْدَ الْمَشْرِقَیْن تھا۔ نقار خانے میں طوطی کی آواز کون
سنتا ہے۔ دس کی لاٹھی ایک کا بوجھ۔ میری ساس نے جو آج کل بیت اللہ
شریف میں ہیں مجھ کو ایسا دبوچا کہ ہلنے تک نہ دیا۔ کبھی سمجھاتی تھیں تو کبھی
دھمکاتی۔ میں سوچتی تھی کہ یا اللہ میکا میرا نہیں رہی سسرال وہ یوں وبال
جاؤں تو کدھر جاؤں اور گر دل تو کیا کروں۔ ساس
کی خلافِ مرضی چلوں تو کس برتے پر۔ مانا کہ نانی تھیں مگر وہ باعتبارِ عمر
نانی۔ بھائی خدا کے فضل سے ایک چھوڑ دو دو میرے قوتِ بازو تھے
اور ہیں مگر یہ ایک دن کا نہیں دو دن کا نہیں ساری عمر اس کھڑاگ کو
کون سمیٹے گا۔ جب کسی طرف سے ٹھنڈی ہوا نہ آئی تو میں نے بھی
سوہیں دھونی رمائی۔ میری ساس نے اپنے ارادے میں پوری کامیابی
حاصل کرنے کی غرض سے یہ اور شگوفہ چھوڑ دیا کہ میرے میکے والوں کو یہ
کہلا کر برگشتہ کر دیا کہ "لڑکی راضی ہے" جو ایک سفید جھوٹ تھا۔ میں ہرگز
راضی نہ تھی یہ وہی بات تھی کہ تنہا پیشِ قاضی روی راضی آئی۔ میکے والوں

مجھ گنہگار سے پوچھا تک نہیں اور پوچھتے کیسے جب اُن کو پھٹکنے تک کا بھی حکم نہ تھا وہ سمجھے کہ ہاں ایسا ہی ہوگا اور اُلٹے مجھ سے کھنچ گئے غرض میکے کا رستہ یوں بند کیا گیا۔ میری ساس نے میری قبر گھر کے گھر ہی میں کھود دی یعنی مرنے والے کے بھائی سے بلا میرے پوچھے گچھے زبردستی نکاح کر دیا۔ نکاح میں ایجاب و قبول شرطِ اعظم ہے میں کنواری نہ تھی جو نہ بولتی، بچّہ نہ تھی جو نہ سمجھتی، بے حیا کہلاتی تو کہلاتی بولتی اور ضرور بولتی مگر جب خبر ہوتی نا۔ مجھے خبر کب ہوئی جب باہر نکاح ہو ہوا لیا اور شربت گھر میں آیا جو شربت نہ تھا زہر کا گھونٹ تھا جو میرے حلق میں زبردستی اُتار اگیا۔ سُنتی تو کئی کئی دن سے تھی کہ میری موت کے سامان ہو رہے ہیں مگر خبر ایسے وقت ہوئی جب موت کا فرشتہ سر پر آن کھڑا ہوا اب پچھتائے کا ہوت جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت۔ میں اپنے موجودہ شوہر کے مزاج اور عادت سے بہ خوبی واقف تھی کیوں کہ ایک ہی گھر میں تھی وہ ایک نہایت بد مزاج اور غیر تعلیم یافتہ شخص تھا۔ میں اوّل تو نکاح ہی سے کارِہ تھی چہ جائے کہ ان حضرت سے۔ ع تم بات کے قابل نہ ملاقات کے قابل۔ مگر تقدیر کا لکھا کب ٹلتا ہے۔ لکھا چھوٹنا تھا سو چھوٹا۔ پنا ہی غلط پڑی تو یہ بیل کیسے منڈھے چڑھتی۔ ان لوگوں نے مجھ کو ایک دن کے لیئے بھی میکے نہ جانے دیا حالِ آں کہ عدّت کے بعد سب عورتیں میکے جاتی ہیں۔ قیدِ فرنگ میں رکھا۔ میرے عزیزوں کو زندگی میں چھڑا دیا۔ بے یار و مددگار تو تھی ہی یہ ذرا سا سہارا بھی

یوں گیا - اب دنیا میں میرا کون رہا - ناخنوں سے گوشت یا تن سے روح کو جُدا کر دیا - آپ یقین جانیئے میں ایمان سے کہتی ہوں کہ حالتِ بیوگی میں مجھے وہ تکلیفیں نہیں پونہچیں جو اَب ہیں اور میری بیوگی حالت اس سہاگ سے کہیں بہتر تھی - نکاح کا ہونا گویا مصائب کا دروازہ کُھلنا تھا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ میں لبِ گور جا لگی - آپ سب صاحب دعا کریں کہ خداوندِ تعالیٰ جلد میری مشکل آسان کرے - ہ

کیا پوچھتے ہو ہم دم اس جسمِ ناتواں کی
رگ رگ میں نیشِ غم ہے کہیئے کہاں کہاں کی

کیا یہ صریحاً ظلم نہ تھا کہ میری زندگی ایک ایسے شخص سے وابستہ کی جو میری جان کا دشمن اور عزت کا خواہاں تھا - میں اُس کی ہر ایک عادت سے واقف تھی اور یہ نہ چاہتی تھی کہ اپنے غم میں اضافہ کروں مگر خدا بھلا کرے اُن لوگوں کا جنھوں نے میری کل بگاڑ دی اور تمام عمر مجھے بے چین رکھا - میں کچھ کنواری نہ تھی جو بولنا یا مرضی ظاہر کرنی میرے لیئے معیوب ہوتا - میں بیاہی ہوئی کیسی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ بیوہ تھی میں بہتیرا چیخی پکاری مگر میری فریاد کسی نے نہ سُنی اور اس بے درد شخص کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا - اگر میں نکاح کے بعد کی تکلیفوں ظالم اور بے انصافیوں کا ایک عُشرِ عشیر بھی آپ لوگوں کے سامنے بیاں کروں تو دنوں کیا ہفتے گزر جائیں تب بھی ختم نہ ہو مجھے اپنی زندگی کا بھروسہ نہیں وقت آن لگا موت سرھانے کھڑی ہے جو سانس آتا ہے غنیمت ہے

میں نے آج تک ایک لفظ شکایت کا اپنے شوہر کی شان میں نہیں کہا ہمیشہ
درگزر کی اور یہ سمجھ لیا کہ جو کچھ ہونا تھا وہ ہوگیا اب بددلی اور بے رخی سے کیا نتیجہ
یہ کوئی کمھار کا برتن تھوڑی ہے جو بدل لو شریفوں کے لیئے مرنا اور بھرنا میں نے
بہت چاہا کہ آپس میں سلوک رہے اور گھر کی ہوا نہ بگڑے مگر اکیلے یہ میرے
کرنے کی بات نہ تھی - میں نہیں سمجھتی کہ اس شخص نے مجھ سے کس وقت
کا بدلا نکالا، حال آں کہ میری ان کی پہلے کی کوئی پرخاش نہ تھی - جو جو
تکلیفیں میں نے اُٹھائیں آپ میں سے بہت سی بہنیں جانتی ہیں -
میں نے ہر ایک بات پر صبر کیا - سب سے بڑی تکلیف جو مجھے اپنے شوہر
کی جانب سے پونہچی بد اخلاقی اور بدزبانی کی تھی - وہ وہ جگر خراش باتیں
جو میں نے کبھی عمر بھر نہیں سُنی تھیں رات دن سُنتی اور سہتی تھی مہینوں
میرا شوہر مجھے تنہا چھوڑ کر باہر رہا - میرا زر زیور اور جہیز کا کُل سامان بلا ضرورت
کچھ دھوکے سے اور کچھ جبراً لیا اور اُڑایا مگر میری اتنی مجال نہ تھی کہ مُنہ سے
اُف کرتی - میں جانتی ہوں کہ گھر کی چیز اگر ضرورت کے وقت کام آجائے
تو مضائقہ نہیں، میاں بیوی کی چیز علیٰحدہ نہیں اور وہ گھر گھر ہی نہیں
جس میں میاں بیوی کی رائے میں اس بلا کا اختلاف ہو جیسا کہ میرے
ہاں تھا - مگر فضول مدوں میں روپیہ صرف کرنا کیا معنی ہے - کیا گھر دار
والوں کا یہی قاعدہ ہے کہ بنے بنائے اچھے خاصے بھرے پُرے گھر کو
دھڑی دھڑی کر کے لوٹیں اور اس طرح میری آنکھوں کے سامنے اس
صفاکی اور بے دردی سے اُجاڑ دیں - دوسرا نکاح کرنا بھی بروئے

شرع شریف مردوں کے لیئے جائز قرار دیا گیا ہی مگر خداوند تعالیٰ کے احکام کو پسِ پُشت ڈال دینا اور اس ایک اجازت کو جواز کی حد سے نکال کر فرضِ عین قرار دینا اور اُس تعمیل من مانی کرنا اور عدل و انصاف کو ملیا میٹ کر دینا ایک کو عرشِ معلّٰی پر چڑھا دینا اور دوسری کو تحت الثرٰی میں دھنسا دینا یا زندہ گاڑ دینا شرع شریف کا منشا رہی نہ انسانیت کا شیوہ - انسان ہو کر یہ فرعونیت کب شایاں ہی جس میں سر تا پا قساوت قلبی نمایاں ہی - میری اس تمہید سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ دو بار میں خدا اور اُس کے رسولِ اکرم کے احکام میں دست اندازی کرنا یا اُن کی غلط تاویل کرنا چاہتی ہوں - میری کیا طاقت اور کیا مجال ہی نہ میرا ایسا خیال ہی ہاں یہ کہنے پر ضرور مجبور ہوں کہ جس آزادی اور جس طریقے سے ان احکامِ الٰہی کا مرد استعمال کر رہے ہیں اُس کا اثر ہم غریبوں پر کیا پڑ رہا ہی - میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتی کہ صاف اور صریح احکامِ الٰہی کو کھینچ تان کر جو مردوں نے تاویل نکالی ہی وہ عجیب توجیہ اور منطق ہی نرالی ہی - بجنسہٖ جیسے کوئی وَلَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ کو لے لے اور وَاَنْتُمْ سُکَارٰی کو چھوڑ دے - تعددِ ازدواج کو پکڑے اور عدل کو چھوڑ دے اور ایسے عدل کو چھوڑ دے جس کی سخت تاکید ہی اور جو جزوِ لاینفک ہی اُس حکم احکم الحاکمین کا اور جس کی نسبت خود بارگاہِ رب العزت سے ارشاد ہوا ہی کہ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً یعنی اگر اس بات کا

ڈر ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک پر ہی کفایت کرو - خدا کے حکم نے نہیں بل کہ اُس کے حکم کے غلط استعمال نے ناگفتہ بہ خرابیاں ڈالی ہیں۔

اس اجازت سے استفادہ کس وقت اور کس حالت میں کیا جا سکتا ہے یہ کام ہمارا انہیں مردوں کے سوچنے سمجھنے کا ہے - اگر اس کی محرک محض نفس پرستی ہے تو موقع محل ضرورت کی واجبیت یا نا واجبیت کسی بات پر غور کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر دل میں انصاف اور دوسرے کی تکلیف کا احساس ہے تو اُن مشکلات کو پیشِ نظر رکھنا بھی ضرور ہے جو ایک سے زیادہ بیویاں کرنے میں لازمی ہیں - بڑا عذر لنگ مردوں کا انقطاعِ توالد و تناسل ہے - یہ امر بالکل خلاقِ عالم کے دستِ قدرت میں ہے جو مرد اور عورت دونوں کے حیطہ اقتدار سے باہر ہے۔ لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَ اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُکْرَانًا وَّاِنَاثًا وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا اِنَّهٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ - (آسمان اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے (نری) بیٹیاں عنایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے (نرے) بیٹے عنایت کرتا ہے یا بیٹے اور بیٹیاں (ملاکر) اُن کو دونوں قسم کی اولاد دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ایسا (بے نام و نشان) کر دیتا ہے کہ اُس کے اولاد ہی نہیں ہوتی (اور) وہ (اولاد کی مصلحت سے) واقف (اور مرد و زن بنانے پر) قادر ہے) - باقی ساری توجیہیں نرے ڈھکوسلے اور خوئے بد را بہانہ بسیار - اور اگر ضروری

کے ساتھ یہ امر بھی مردوں کی خاص توجّہ کے قابل ہی کہ اپنی حالت اپنی مالی وسعت کو بھی پیشِ نظر رکھیں۔ یہ نہیں کہ چو ہا بِل میں سماتا نہیں اور دُم سے باندھے چھاج۔ اب میں ذرا اُس افسوس ناک عملی نتیجہ کو پیش کرنا چاہتی ہوں جس کی صدہا زندہ مثالیں ماوشما کے سامنے موجود ہیں۔ غالباً اس مجلس میں کئی بیویاں ایسی ہوں گی اور ضرور ہوں گی جو سوکناپے کے لا علاج مرض میں گرفتار اور بن موت اجل کا شکار ہیں۔ نہ مرتی ہیں نہ جیتی ہیں بل کہ ادھر میں پڑی جھول رہی ہیں۔ یہ ایک کُھلی بات ہی کہ "من ایک ہی سے لاگا" ہزاروں ٹکڑے"۔ مرد جدھر ڈھلے بس ڈھلے۔ جدھر سے نگاہ پھری بس پھری۔ نہ انصاف سوجھتا ہی نہ برابری۔ بھلا کہیں ایک میان (نیام) میں دو چھریاں رہ سکتی ہیں۔ "دو بادشاہ در اقلیمے نمی گنجند" مشہور مقولہ ہی۔ جب عدل کر نہیں سکتے تو مرد عورتوں کو کیوں اُلٹی چُھری سے ذبح کرتے ہیں اور وبالِ آخرت کیوں اپنے سر مول لیتے ہیں۔ یہ مرض جس میں میں گرفتار ہوں ہندوستان کی سیکڑوں عورتیں اس میں مبتلا ہیں اور اس کے بانی محض مرد ہیں۔ میں سب مردوں کو الزام نہیں دیتی مگر جہاں تک دیکھا گیا ہی انھیں کے بے جا دستِ تظلّم سے عورتیں پامال ہو رہی ہیں۔ ہر قسم کی تکلیف میں نے اُٹھائی مگر جب سَوکن کا حال مجھے معلوم ہوا اور میری طرف سے زیادہ بے رُخی کی گئی تو زندگی وبال ہو گئی۔ پیمانہ لبریز تھا اتنے زبردست غم کی تاب نہ لانے سے

چھلک پڑا اور بخار جم گیا مرض دق نے مجھے دق کر دیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ مرض کس کی بدولت لگا۔ میں اس وقت کھلے خزانے کہوں گی کہ میرے شوہر کے بے حیا برتاؤ سختیوں اور انواع و اقسام کے مظالم نے مجھے اس درجے تک پہنچا دیا کہ مجھ میں اب کچھ باقی نہیں رہا۔ میں حیران ہوں کہ آج مجھ میں کہاں کی طاقت آگئی۔ آپ جانتی ہیں کہ چراغ جب گُل ہونے لگتا ہے تو بھڑک اُٹھتا ہے یہ وہی بھڑک ہے جو موت سے قُرب کی خبر دیتی ہے۔ ع۔ بھڑکتا ہے چراغِ صبح جب خاموش ہوتا ہے۔ میری عزیز بہنو! دل ایسی چیز نہیں جو انسان دکھا سکے میرا دل چھلنی ہے ہزاروں داغ ہیں۔ آپ ہی انصاف سے کہیں کہ مجھ جیسا بیمار کیا اس قابل ہے کہ چولھا پھونکے آئے گئے کی خاطر تواضع کرے جسے اپنے تن بدن کی سدھ نہ ہو وہ دوسروں کی خبر گیری کیا خاک کر سکتا ہے مگر میں نے اس بیماری کی حالت میں بھی اپنے شوہر کے حکم کو نہ ٹالا اور سوکن کو بخار چڑھے نے کھانے پکا پکا کر کھلائے اور آنکھ پر میل نہ لائی۔ خیر خدا انصاف کرنے والا ہے وہ اچھے برے سب کو جانتا ہے۔ میں نے اپنے حتی المقدور میاں کی اطاعت میں کمی نہیں کی بھول چوک کی خدا معاف کرے۔ دنوں اپنے میکے والوں سے نہیں ملی یہاں تک کہ خط لکھنے کا بھی حکم نہ تھا۔ اس وقت تک اگر میری بیماری میں اُنھوں نے ایک پیسہ بھی صرف کیا ہو تو بتا دیں۔ خاک بہ دہنم اگر میرے بھائی نہ ہوتے تو

بتائیے کہ میں سڑ سڑ کر مرتی یا نہیں اگر خدا نہ کرے اُن کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہوتا اور میرے میکے والے مجھ پر کچھ خرچ نہ کرتے تو مجھے کچھ رنج اور شکایت کا موقع نہ تھا مگر جب میں دیکھتی اور جانتی ہوں کہ وہ خرچ اُٹھا سکتے ہیں اور دوسری بیوی پر دھڑا دھڑ اُٹھا رہے ہیں تو مجھے کیوں کر خیال پیدا نہ ہو یہ چھوٹے چھوٹے بچے جو آج کل میں بے ماں کے ہونے والے ہیں باپ ان سے ایسا بے خبر ہے کہ کبھی پلٹ کر بھی نہیں دیکھتا وہ ایک بُرے شوہر کا نمونہ اور میرے لیئے سوہانِ روح تھے تو خیر ایک اچھے باپ ہی بنتے۔ مجھ سے ناراض تھے اولاد ہی کو سمیٹتے۔ اب آپ بتلایئے کہ میری روح قبر میں ان معصوموں کے لیئے پھڑکے گی یا نہیں؟۔ کاش میں بھی ہوتے ہی مرجاتی جہاں خاندان کی ساری لڑکیاں مرگئیں میں بھی مرجاتی تو آج میں اس طرح حرمان و یاس کی پتلی بن کر جان نہ دیتی مگر حکم خدا یوں ہی تھا۔

بزرگو بہنو! میں نے آپ کی بہت سمع خراشی کی اس رام کہانی سے میرا مقصد یہ ہے کہ شادی کرتے وقت آپ بڑے بوڑھوں کو جہاں اور باتوں کی چھان بین اور چڑھاوے اور زیور کی پڑتی ہے اور اس کے لیئے ہزاروں کوششیں ہوتی ہیں خدا کے لیئے بے زبان لڑکیوں کا جو بسبب دنیا اور بسبب شرم و لحاظ کے اپنا منشا ظاہر نہیں کرسکتیں دوسرے شخص کے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے پہلے اس کا مزاج، چال چلن، عادت، اخلاق، صحبت اور علمیت کا ضرور خیال رکھنا چاہیئے۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ لڑکیاں اچھے بُرے کو نہ سمجھ سکیں۔ تعلیم نے اُن کے دماغ روشن کر دیئے اور آنکھیں

کھول دی ہیں اب وہ نری کٹھ پتلیاں نہیں ہیں - دیدۂ بینا۔ گوشِ شنوا
اور زبانِ گویا رکھتی اور اپنے سود و زیان کو سمجھ سکتی ہیں - اگر اُن کی
مرضی بہ راہِ راست معلوم نہ ہو سکے تو بالواسطہ معلوم کی جا سکتی ہے یہ کوئی
بڑا مشکل کام نہیں - یہ میں نے مانا کہ بزرگ اور خصوصاً ماں باپ اپنی اولاد
کے خدا نخواستہ دشمن یا بدخواہ نہیں، وہ بہتر سے بہتر شوہر تلاش کرنے
کی کوشش میں رہتے ہیں، لیکن بڑا ظلم ہوگا کہ جس کا نکاح ہوتا ہو اُس
کی آواز نہ سُنی جائے - انتخابِ شوہر میں کسی قسم کا دباؤ ڈالنا ہرگز مناسب
نہیں - کنوارے ناتے کی ذراسی رکاوٹ آگے چل کر بڑی آفت ڈھاتی
ہے - یہ ذراسی نالی آگے جا کر دریا کا پاٹ دکھاتی ہے - اس وقت دباؤ کر
کر دینا کچھ دنوں بعد رنگ لاتا ہے - کیا آپ کو ان لڑکیوں سے ہمدردی
نہیں کہ جن جگر کے ٹکروں کو اس قدر محبت اور شفقت سے پال پوس کر
بڑا کرو اُن کو تھوڑی سی خوشی کے لیئے جو محض عارضی ہوتی ہے تمام عمر
کے لیئے قربان کردو، بہتر ہے کہ اس بیاہ کے کرنے سے اُن کو زندہ گاڑ دو
یا کنوئیں میں دھکا دے دو - کیوں کہ آپ لوگوں کا وہ ظلم بھی قریب قریب
اسی ظلم کے ہے - میری تو گزر گئی اب خدا وہاں کی اچھی کرے آپ
لوگ میرے لیئے دعائے خیر کریں کہ وہاں میرے صبر کا اجر ملے -
میں خیال کرتی ہوں تو مجھ جیسی سیکڑوں بہنیں ایسی مصیبتوں میں گرفتار
ہیں - اُن میں ایسی بھی ہیں جن کو میکے کا بھی سہارا نہیں اُن کی کہیئے

کہ کیسی گزرتی ہو گی۔ میں آپ سب کے سامنے کہتی ہوں کہ مجھے اپنی
زندگی دوبھر تھی اور چاہتی تھی کہ موت سے پہلے مر جاؤں مگر یہ ممکن نہ تھا
مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ موت کی آرزو کرنا گناہ ہے بلکہ خدا کی ناشکری ہے مگر
کیا کروں کہ میں بھی انسان ہوں اور ہر ایک انسان کے سینے میں
گوشت کا دل اور دل میں سیکڑوں آرزوئیں ہیں۔ پتہ بھی میں رکھتی
ہوں کبھی کبھی اپنی تکلیفوں سے گھبرا کر موت کی تمنّا کی، خدا معاف
کرے۔ بہنو! میرا دل پھٹا جاتا ہے موت کی بھیانک صورت ہر وقت
آنکھوں کے سامنے ہے۔ طاقت جواب دے چکی جس پر زندگی کا
دار و مدار ہے۔ میں اپنا شمار مُردوں میں اُسی وقت سے کرنے لگی تھی
جب سے ایسے سفّاک شخص کے پھندے میں پھنسی مگر اب تو واقعی
مُردہ ہوں، صورت میں حالش مہربس۔ نادان بچّوں کا خیال میرے
لیئے سوہانِ روح ہے۔ اگر باپ ڈھنگ کا ہوتا تو مجھے کچھ اطمینان ہوتا
میں نہ ہوں گی مگر آپ دیکھیں گی کہ یہی میری چہیتی **رفعت** جس سے
کچھ غم غلط ہوتا تھا سوتیلی ماں کی ٹھوکروں میں رُلے گی اور یہی **نصیر**
جس کو میں گھر کا چراغ سمجھتی تھی سوتیلی ماں کا گوڑیا غلام بنے گا۔
کوڑی کوڑی کا سودا لائے گا۔ (عورتیں رونے لگیں) تعلیم تو
ان کی تقدیر ہی کی نہیں تھی کیوں کہ باپ خود جاہلِ محض ہیں پڑھائے
لکھائے کون۔ غرض یہ کہ میری ہڈیاں بھی قبر میں سُلگیں گی جس کے
تصوّر سے میری روح کانپتی ہے۔ راحت بیچ بیچ میں کئی مرتبہ

روئی اور اپنے ساتھ سب کو رُلایا۔ جس قدر بیبیاں جمع تھیں بُت کی مانند خاموش بیٹھی مریضہ کی تقریر سُنتی رہیں۔ کوئی عورت ایسی نہ تھی کہ جس کی آنکھ میں آنسو اور دل میں درد نہ ہو۔ راحت بہ سبب ناتوانی کے نڈھال ہوگئی اور یارائے تقریر نہ رہا۔ نثار دُلہن نے دو گھونٹ پانی کے پلائے تب راحت نے اپنی تقریر پھر شروع کی میری بزرگ بہنو! مجھے آپ کے بیش قیمت وقت کا خود خیال ہے گھبرایئے نہیں مجھے اب زیادہ کہنا نہیں۔ میرا یہ آخری کلام ہے۔ پھر میں کہاں اور آپ کہاں۔ ؎ غنیمت جان اس مل بیٹھنے کو

جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

مثل مشہور ہے کہ سوکن چون کی بھی بُری معلوم ہوتی ہے اور حق بات یہ ہے کہ اپنے ہم نشین کو کوئی ٹھنڈے دل سے دیکھ نہیں سکتا۔ خیر یہ بھی سہ لیا کہ سوکن آگئی مگر گھر والے کا برتاؤ دونوں سے یکساں ہو تو غم کی آگ کچھ ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔ لیکن جب ایک طرف تو کمال مہربانی اور دوسری طرف حد سے زیادہ بے التفاتی ہو تو پھر کہیئے کہ دل کیا کہتا ہوگا

؎ دنیا میں اگر ڈھونڈیئے تو کیا نہیں ملتا

پر چاہنے والا نہیں ملتا نہیں ملتا

مگر میاں بیوی کا ایسا نکٹا رشتہ ہے کہ ع شاد بلید زیستن ناشاد باید زیستن ۔ یہ سب بہنیں جانتی ہیں کہ عورتوں کو زیور سے قدرتاً شوق

ہوتا ہے اور ان کا شوق کچھ بے جا نہیں۔ عورت کی زینت اسی سے ہے۔ میں دل کی دُکھیا تو تھی ہی ظاہری اور نمایشی زیب و زینت سے بھی محروم ہوگئی یعنی یہ کہ میرا کُل زیور جوان کا دیا ہوا بھی نہ تھا بلکہ میرے میکے اور میرے پہلے میاں کا تھا دھوکہ دے کر بیچ کھونچ ڈالا اور مرے پر سو درّے باقی کا اُس میں سے نکال نکال کر میری سَوکن کو میرے سامنے پہنایا اور میں نے دیکھا، کیا کوئی اندازہ کرسکتا ہے کہ میرا دل کیا کہتا ہوگا۔ آنکھیں کیسے دیکھتی ہوں گی۔ میرے کپڑے میرے برتن سب اسی گھاٹ اُترے مگر اُف کرنے کا حکم نہیں اور مجھے کوئی چیز برتنی نصیب نہ ہوئی۔ ۵

اے زبردست زیردست آزار ✤ گرم تا کے بماند ایں بازار

کیا کوئی انصاف سے کہہ سکتا ہے کہ میرا دل کیسا کلپتا ہوگا۔ کیا میں انسان نہ تھی میرا دل زیور کپڑے کو نہ چاہتا تھا۔ کیا میں شوہر کی محبت و مہربانی کی خواہش مند نہ تھی۔ تھی اور ضرور تھی، فطرت نے مجھ میں بھی انسانی مادّہ پیدا کیا تھا اور مجھ میں بھی ہر ایک بات کو احساس کرنے کی طاقت خدا نے دی تھی۔ تاہم میں آدھا لفظ بھی زبان پر نہ لائی۔ جل جائے یہ زبان جو میں نے مُنہ سے بھاپ نکالی ہو۔ پھر اس ضبط کا نتیجہ کیا ہوا، یہ ہوا کہ ہڈی سے چمڑا لگ گیا۔ میرا مرنا کوئی انوکھا نہ ہوگا۔ بہتیری خدا کی نیک بندیاں چلی گئیں۔ مگر میرے بھائی جو مجھ پر جان

پچھڑ کہتے ہیں اور اُنھوں نے اس وقت تک اپنا آرام وچین روپیہ پیسہ تن من دھن سب کچھ مجھ پر قربان کر دیا۔ جس وقت مجھے سپردِ خاک کریں گے تو میری بربادی پر اُن کا دل کیسا لوٹے گا۔ ۵

دنیا کے جو مزے ہیں ہرگز وہ کم نہ ہوں گے
چرچے یہی رہیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے

رہے میاں اوّل تو اُن کے بہلانے کا مشغلہ موجود وہ خدا سے چاہتے ہیں کہ کل کی مرتی آج مر جائے کہ کسی طرح پاپ کٹے۔

اے میری محترم بہنو! یاد رکھیئے کہ جس قوم نے عورتوں کی قدر نہیں کی اُن کی عزت نہیں کی اُن کے نازک دلوں کو مسلا اور بے دردی سے رَوندا اور اُن کی آرزوؤں کو پامال کیا خلاصہ یہ کہ ظلم سے بن موت مار ڈالا کیا وہ قوم کبھی ترقی کر سکتی ہے؟۔ ہرگز نہیں۔ عورتیں غم خواری اور ہمدردی کے لیئے مردوں کے دل کا بہلاوا بنا کر پیدا کی گئی ہیں نہ اس لیئے کہ مرد اُن کو اُن کے حقوقِ جائز سے محروم کریں اور اُن کو تختۂ مشقِ ظلم وستم بنائیں۔ کیا وہ خدا کی بندیاں نہیں، کیا اُن کا دل نہیں اور کیا اُس میں تمنّا و آرزو موج زن نہیں کیا وہ نری پتّھر کی مورتیں یا کاٹ کی پتلیاں ہیں کہ جس کل چاہا اُن کو نچایا کبھی مارا اور کبھی جلایا۔ یہ قاعدے کی بات ہے کہ اپنا عیب کبھی کسی کو نظر نہیں آتا اور اپنی چھاچھ کو کوئی کھٹا نہیں کہتا۔ مردوں کو اپنے عیب نظر نہیں آتے نہ وہ کبھی اس طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ لیکن

ڈرو اُس دن سے جو قریب ہے اور جہاں رتّی رتّی کا حساب دینا ہوگا اور جہاں سوائے انصاف اور حق رسی کے ظلم کا نام نہیں ہے۔

جلا جلا کے ہمیں خاک میں ملا دو گے　*　خدا سامنے حضرت جواب کیا دو گے

مرد ہم سے وفاداری اور اطاعت شعاری اور دنیا بھر کے حقوق کے طالب ہیں مگر اے بندگانِ خدا خدا لگتی بات کہو کہ ہمارے بھی کچھ ذرا بھر سے حقوق تم پر ہیں یا نہیں؟ ۔

اے نر ایسی پریت کر جیسی برچھ کرے
دھوپ سہے سر آپنے اَوروں چھاؤں کرے

کہاں ہیں وہ جوہر دکھلاتے ہیں ذرا میدان میں آئیں اپنی وفاداری اور ایثارِ نفس۔ نفس کشی۔ تحمّل۔ برداشت۔ بردباری اور صبر کی زندہ مثالیں دکھلائیں۔ اَلنَّادِرُ کَالْمَعْدُوْمِ کی سند نہیں۔ یا ہم کو دیکھیں جن کی زندگی کو مایۂ نشاط و فرحت و انبساط بنانا اور اگر ذرا نگاہ بدلی تو کوئیں جھنکا دینا اور دنیا سے کھو دینا۔ جیتے جی موت کے مُنہ میں دے دینا اُن کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

کھلونا سمجھ کر بگاڑو نہ ہم کو　*　کہ ہم بھی کسی کے بنائے ہوئے ہیں

آئیے اور فرمائیے کہ ہمارے دامن پر آپ نماز پڑھیں گے یا نہیں؟ ہم میں سے سنٹ پرسنٹ (یعنی پوری سو کی سو) اس کی مستحق ہیں کہ اُن کے دامن یقیناً ان گندگیوں سے پاک ہیں جس میں مرد لتھڑے اور سنے ہوئے ہیں۔ گو مردوں نے عورتوں کی بدکرداریوں کی بہ سبب

شکل کھینچنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی اور قلم کا زور خوب دکھایا ہے
"لیکن قلم در کفِ دشمن است" کا معاملہ ہے اور کہیں پانی مرتا ہو تو مرتا ہے
مگر یہ ماننا پڑے گا کہ عورتیں عصمت و عفت کی دیویاں اور پاک امنی
اور وفاداری کا بہترین نمونہ ہیں۔ "ہر کہ شک آورد بود کافر" اور یوں
ہر ریوڑ میں ایک نہ ایک کالی بھیڑ ضرور ہوتی ہے اس سے مجھے بھی انکار
نہیں مگر جزو پر کُل کا حکم لگانا گرم پانی سے گھر کا جلانا ہے۔ ع
ایں خیال است و محال است و جنوں ۔ راحت نے پھر سنبھل کر کہا۔
میں آپ کی دل و جان سے مشکور ہوں میرا رواں رواں آپ کو دعا
دیتا ہے اور جب تک سانس چلتا ہے دعا دیتا رہے گا ع کرم کردی الٰہی
زندہ باشی۔ میری تقریر نے آپ کا بہت وقت لیا اور شام بھی ہو تی آئی
آپ لوگوں کے کام کاج کا حرج ہو رہا ہے مگر یہاں ایک دریا ہے کہ
سینے میں مَوج زن ہے۔ س

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے ✦ سفینہ چاہیئے اس بحرِ بے کراں کے لیئے

ناچار میں اب ختم کرنا چاہتی ہوں (حاضرین ہمہ تن شوق سے کہیئے
ہم ہمہ تن گوش ہو کر سُن رہے ہیں) صرف دو باتیں میری اور سن لیجیئے
میں نے اب تک جو کچھ کہا گو وہ میری آپ بیتی تھی مگر ایک مسافر کو جو
منزل پر پونہچ گیا ہو اس سے کیا فائدہ۔ دنیا میں پھر آنا نہیں۔ صرف
اگلا گرا پچھلا ہشیار کا معاملہ ہے۔ کیا اس دُکھ بھری کہانی کو میری زبانی
سُن کر نہیں خود دیکھ کر بھی آپ نہ چونکیں گی لہذا س

روزگارم بشد بہ نادانی　　✽　　من نکردم شما حذر بکنید

آپ اس سرگزشت سے عبرت پکڑیں اپنی لڑکیوں کو دیکھ بھال کر بیاہیں ملمع کے چمکارے پر نہ جائیں بلکہ کسوٹی پر کس کے دیکھیں۔ اُس قارون کے خزانے سے مٹھی بھر چنے اچھے جو تن بدن کو لگیں۔ اُس سر بفلک محل سے وہ جھونپڑا اچھا جس میں خوشی کا چراغ جلتا ہو۔ اُس زرتار لباس سے وہ تار تار پوشش اچھی جس کا تانا بانا دونوں محبت کے سوت اور ہمدردی کے ہاتھوں سے بنا ہوا ہو۔ مت بیاہو اپنی پڑھی لکھی قابل بیٹیاں جاہل اَن پڑھ لوگوں سے۔ دوسری اور آخری بات یہ عرض کرنی ہے کہ سب بیبیاں دعا کے لیئے ہاتھ اُٹھائیں۔ میں سب سے رخصت اور سب مجھ سے رخصت!۔ اب کے بچھڑے خدا نے چاہا تو حشر میں ملیں گے اور وہ ملنا ایسا ہوگا کہ جس کے بعد بچھڑنا نہیں۔ فاتحہ پڑھیئے اور دعا کیجیئے کہ سب کے صدقے میں مجھ گنہگار کا بیڑا بھی پار ہو۔ آمین ثم آمین۔!

یہ راہ وہ ہے جس میں کئی منزلیں ہیں سخت　✽　نا بستی کوئی ملتی ہے اور نا کوئی درخت
نا دلق ساتھ جائے گا اور نا شہانہ رخت　✽　نا بوریا گدا کا نہ شاہوں کے ہونگے تخت

یکساں یہاں ہے قدر سلیمان و مور کی
دشوار سب سے منزلِ اوّل ہے گور کی

ہیں پانچ منزلیں جو کڑی سُنیئے اُن کا حال　✽　پہلے ہے نزع دوسرے دنیا سے انتقال
پھر ہے فشارِ قبر نکیرین کا سوال　✽　پھر روزِ بازپرس کہ وہ سخت ہے کمال

ہو درگہِ خدا میں گرامی ہیں پنجتن

ان پانچ منزلوں کے بھی حامی ہیں پنج تن

یہ اشعار ایک دردناک لہجے سے پڑھ کر پھر راحت کی ہچکی بندھ گئی۔ اپنی برباد شدہ زندگی کا اُجڑا ہوا نقشہ اُس کی نظروں میں پھر گیا۔ جتنا روتی کم تھا اور اب کیا رونا تھا وہ ساری عمر جلتی رہی روتی رہی تڑپتی رہی بلکتی رہی۔ اُس کے آنسو پونچھنے والا اُس کو تسلی دینے والا کون تھا۔

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن
اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

باب (۳۱)۔ راحت کی اصلی راحت گلوخلاصی اور انتقالِ پُرملال

زندگی موت تھی اک عمر میں ثابت یہ ہوا ✦ میرا ہونا تھا فقط میرے نہ ہونے کے لیئے

راحت کی حالت اب یاس کی تھی ڈاکٹر حکیم تو کبھی کے جواب دے چکے تھے مگر پھر بھی دوا برابر جا رہی تھی۔ راحت نے نثار کو اپنے پاس بُلایا اور کہا کہ بھائی تم بہت کر چکے اب خدا پر چھوڑ دو اور دوا درمن سب بند کرو حکم قضا و قدر میں دم مارنے کی جگہ نہیں۔ آئی ہوئی کسی کے ٹالے ایک لمحے کے لیئے بھی نہیں ٹلتی۔ میں بھی اب دوائیں پیتے پیتے تھک گئی۔ نثار بہن کی یہ گفتگو سن کر بے اختیار رونے لگا اور شدتِ گریہ سے ایک لفظ

مُنہ سے نہ نکلا۔ راحت نے اپنی نانی، میاں، بھائیوں اور بھاوج سب کو جمع کیا اور بڑے سوز و گداز سے یہ اشعار پڑھے۔ ۹

خدایا کرشموں کے دکھلانے والے　　دو عالم میں نور اپنا چمکانے والے
ملاڈالا مٹی میں نامنصفوں کو　　زمیں پر ابھی انصاف پھیلانے والے
مٹایا ہر دنیا کے جور و ستم کو　　سدا بے کسوں پر ترس کھانے والے
کوئیں میں بچایا تھا یوسف کو تو نے　　مصیبت میں مشکل میں کام آنے والے
کریں دل کی فریاد پھر اُسی سے　　بچا ہم کو قدرت کے دکھلانے والے

پھر شوہر کو مخاطب کر کے باچشمِ گریاں و سینۂ بریاں یہ تقریر کی:۔ آپ کی ناراضگی نے گو وہ کسی وجہ سے ہو میری دین دنیا خراب کر دی

سائیں انکھیاں مہر کی تو جُھک جُھک کریں سلام
سائیں انکھیاں پھیریاں تو بیری مُلک جہان

میں نے اپنے مقدور بھر آپ کو خوش رکھنے کی کوشش کی مگر شومیِ قسمت اور نارسائی بخت سے اس سعادت سے محروم رہی۔ میں جانتی ہوں کہ آپ کی ناراضی میرے لیئے جنت کا دروازہ بند کر دے گی۔ دنیا تو گئی مگر عاقبت بھی معرضِ خطر میں ہے اب میری دستگیری کیجیئے اور میرا بیڑا پار لگائیے۔ (ہاتھ جوڑ کر) آپ میری خطاؤں کو خدارا معاف کیجیئے۔ مجھے اپنے دامن میں چھپا لیجیئے اور میری خطاؤں پر رحم و عفو کا پردہ ڈھک دیجیئے اور حشر کی رسوائی سے بچائیے۔ اگر خطاوار نہ بھی تھی تو بھی بال بال گنہگار ہوں۔ اپنے کیئے پر نادم و شرمسار

موت میرے سامنے کھڑی ہے اب آئی کی آئی ۔ سہ
سہواً اگر ہوئی ہو کچھ آزردہ خاطری
بخشو مجھے کہ موت ہے نزدیک اب کھڑی

اس وقت نہ لڑائی ہے نہ جھگڑا ۔ بہت لڑے بھڑے اور مل ملا گئے روٹھے اور منے ۔ کھنچے اور جھکے ۔ اب سب مرحلے طے ہو گئے ۔ دنیا کے رگڑے جھگڑے سب ختم ہو گئے ۔ مجھے دو ایک باتیں تم سے کہنی ہیں اگر اجازت دو اور سنو تو کہوں ۔ صغیر جو بڑا کٹر تھا اس وقت اس کا دل بھی کچھ پسیجا ۔ کہا کہ ہاں کہو ۔

راحت (روکر) میرے بعد میرے بچوں کا ہاتھ نانی ماموں کو پکڑا دینا تم باپ ہو تمہارا دل چاہے انھیں دیکھ آنا کہ مری ہٹی کی نشانی ہیں ۔ میں نہیں چاہتی اور نہیں گوارا کر سکتی کہ وہ سوتیلی ماں کے پاس رہیں ۔ تم کو ان کی طرف سے اطمینان ہو تو ہو مگر مجھے نہیں اگر میری یہ وصیت پوری نہ ہوئی تو حشر میں تمھاری دامن گیر ہوں گی

صغیر (روکر) اول تو تم نے میرا کچھ قصور نہیں کیا بلکہ سچ پوچھو تو میں ہی تمھارا قصوروار ہوں اور جو نہ کرنا تھا وہ میں نے اپنی تیرہ بختی سے کیا جس کے لیئے کوئی پچھتاوا اور کوئی معذرت کافی نہیں ہو سکتی اور در حقیقت جو جو مظالم تم ناکردہ گناہ پر مجھ بدنصیب نے توڑے ہیں ان کی تلافی ناممکن ہے بجز اس کے کہ میں ایک مجرم نہیں بلکہ ایک قاتل کی حیثیت سے تمھارے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا ہوں ۔

معافی کا مستحق نہیں مگر طلب گار ضرور ہوں - جس طرح دنیا میں تم نے
میرا پردہ فاش نہیں کیا اور حد سے زیادہ برداشت کی، مواخذۂ عقبیٰ سے
بھی مجھے بچاؤ - اول تو تمھارا کچھ قصور نہیں اور اگر تم سمجھتی ہو تو میں نے
خدا کو حاضر و ناظر جان کر دل و جان سے معاف کیا خداوندِ عالم بھی تم
کو معاف کرے میرے روئیں روئیں سے یہی دعا نکل رہی ہے - میں
تم سے عہد کرتا ہوں کہ تمھارے بچوں کی طرف اب تک واقعی میری
توجہ جیسی کہ چاہیئے نہ تھی میں اندھا ہو رہا تھا مگر اب جب کہ اُن کی ماں
بھی نہ رہے گی تو کیسے ممکن ہے کہ میں اُن کی طرف سے بے توجہی کروں
میں اُن کو آنکھوں پر رکھوں گا - میں جانتا ہوں کہ بن ماں کے بچوں
کا دل بہت نازک ہوتا ہے لیکن صرف اس خیال سے کہ تمھارے قلبِ مضطر
کو تسکین ہو میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمھاری واجبی خواہش کو بہ خوشی
پورا کروں گا یعنی بلا تامل ان کی نانی ماموں کے سپرد کر دوں گا -
کیا مجال جو کوئی ذرا ٹیڑھی نگاہ سے بھی ان معصوموں کی طرف دیکھ سکے
راحت - تم نے میرے قصور معاف کیئے میں تمھاری بڑی شکرگزار
ہوں، میں نے بھی معاف کیا - میرے بچوں کی نسبت جو وعدہ تم نے
کیا وہ بھی تمھاری مہربانی ہے ورنہ میرا اپنا کیا زور تھا اب میں مروں گی
تو میرا دل دُھکدُھکے میں نہ رہے گا - میری جان آسانی سے نکلے گی
خدا مجھ پر سکراتِ موت کی سختیاں بہ طفیل اپنے حبیب پاک کے آسان

کرے! - اس کے بعد نانی اور بھائی کی طرف حسرت بھری نگاہ سے دیکھا
بچوں کو بُلا کر سر پر ہاتھ پھیرا اور پیار کیا - توبہ استغفار کی - کلمۂ طیبہ زبان
پر جاری تھا - بھاوج سرہانے کھڑی یٰسین شریف پڑھ رہی تھی -
راحت چارپائی پر پڑی دم توڑ رہی تھی - آنکھیں پتھرا گئیں اور چھت
کو لگ گئیں خرخرہ شروع ہوگیا - بھاوج اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّۃِ الْیَوْمَ
فِیْ شُغُلٍ فٰکِھُوْنَ ھُمْ وَاَزْوَاجُھُمْ فِیْ ظِلٰلٍ عَلَی الْاَرَآئِکِ مُتَّکِـُٔوْنَ
لَھُمْ فِیْھَا فَاکِھَۃٌ وَّلَھُمْ مَّا یَدَّعُوْنَ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ
رَّحِیْمٍ (بے شک جنتی لوگ اُس دن مزے سے (اپنے) جی بہلا رہے
ہوں گے اور وہ اور اُن کی بیبیاں سایوں میں تختوں پر تکیے لگائے (بیٹھے)
ہوں گے - بہشت میں اُن کے لیے میوے (موجود) ہوں گے اور جو
طلب کریں گے اُن کے لیئے (حاضر) پروردگارِ مہربان اپنی طرف سے
سلام کہلا بھیجے گا -) تک پونہچی تھیں کہ ایک سسکی آئی - دیکھا تو وہاں کچھ
بھی نہ تھا - اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ - راحت کی نندیں بھی
آئی ہوئی تھیں - نانی نے ہاتھ پاؤں سیدھے کیئے اور دوپٹہ ڈھک دیا -
بھائی سر پکڑ کر بیٹھ گئے" چھوٹے چھوٹے بچے سب کو روتا دیکھ کر سہم گئے اور
لگے خود بھی رونے - غرض سب عزیز جمع ہوئے اور مرحومہ کو غسل وغیرہ
دے کر لے جانے کی تیاری کی - نانی اور بھائی کے بین سے لوگوں کے
کلیجے پھٹے جاتے تھے - نثار کی آنکھیں روتے روتے اُلٹ گئی تھیں -
ایک خاکی پُتلے کے لیئے اتنی بے قراری - مٹی تھی مٹی میں جا ملی مینھا

خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى - (لوگو
اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور (مرے پیچھے) اُسی میں تم کو لوٹا کر
لائیں گے اور اسی سے (قیامت کے دن) تم کو دوبارہ نکال کھڑا کریں گے)
راحت جمعہ کے روز سُورج ڈھلنے سے پہلے دنیا سے رخصت ہوئی۔
نام راحت تھا مگر جب تک جی کبھی راحت کا مُنہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔
بائیس برس عمر کے ختم نہ ہوئے تھے کہ موت نے زندگی کو ختم کر دیا۔
دہلی وطن تھا اسی شہر میں ہوش سنبھالا تھا۔ اسی خاکِ پاک کی برکت
تھی کہ غیر معمولی عقل و دانش لے کر دنیا میں آئی تھی۔ تعلیم گو مختصر تھی
مگر بڑی بڑی تعلیم یافتہ عورتوں سے بڑھ کر شائستہ سنجیدہ اور ذی فہم
معلوم ہوتی تھی۔ خدا بخشے اُس کے والد ڈاکٹر صاحب بیٹی کی عقل و
دانش سے بہت خوش ہوتے تھے اور اکثر اُس سے مشکل معاملات
میں مشورہ لیا کرتے تھے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ وہ ہندوستانی
مستورات کے جذبات کو ایسی آسانی اور عمدگی سے اظہار کر سکتی تھی
جس کو بڑے بڑے تعلیم یافتہ بھی مان لیتے تھے۔ راحت بہ اعتبار
سیرت ہزار دو ہزار میں ایک تھی تو صورت شکل میں بھی سَو دو سَو کے
اندر اُس کو منتخب کیا جا سکتا تھا۔ سیکڑوں پیام اُس کی شادی کے
اُس کے والد کے سامنے آئے بڑے بڑے نامور اور لائق لوگ
اس کے خواستگار تھے مگر ڈاکٹر صاحب نے منظور نہ کیا صرف اُس کی
کم عمری سدِ راہ تھی۔ پہلا شوہر اچھا ملا مگر ملا نہ ملا برابر موت نے بنا بنایا گھر

بگاڑ دیا۔ دوسرا لائتھا تو وہ اُسی کا بھائی مگر آدمی آدمی انتر کوئی ہیرا کوئی کنکر وہ ورشہوار تھا یہ ناہنجار اور بدکردار۔ بیوی تعلیم یافتہ میاں حرف شناس بھی نہیں۔ پھر جوڑ ملے تو کیسے نتیجہ جو ایسے تعلق سے ہونا تھا بندھی بات تھی جو ہو کر رہی۔ اب وہ وقت آیا کہ انسان اپنی تدبیر کا سر تقدیر کے آگے جھکائے اور مانے کہ تقدیر کا لکھا ہوا انسان کی کوشش اور تدبیر سے مٹ نہیں سکتا۔ ۹

تدبیر سے قسمت کی بُرائی نہیں جاتی ۔ بگڑی ہوئی تقدیر بنائی نہیں جاتی راحت بدنصیب تو مر گئی مگر تیری یاد تازہ ہے۔ تو مر کر دنیا کے رنج و آلام سے چھُوٹ گئی مگر تیرا ماتم گھر گھر ہے۔ تو نے اپنی نانی کی نصیحت پر ایسا عمل کیا جس کو سب جانتے ہیں۔ ظلم پر ظلم ٹوٹے مگر تو نے اُف نہ کی، تو اپنے میکے میں ایک ملکہ تھی، مگر سُسرال میں بے داموں کی لونڈی تھی۔ تو نے وہ ظلم اُٹھائے جو دوسرا اُٹھا نہیں سکتا۔ آفریں اور صد رحمت تیری ہمّت و استقلال تحمّل اور برداشت پر جس کی بدولت تو جان پر کھیل گئی۔ میکے میں اچھے سے اچھا کھاتی اور پہنتی رہی اور ہزاروں روپئے تیرے ہاتھوں سے اُٹھے مگر سُسرال میں تو ایک ایک پیسے کو ترستی پھڑکتی رہی۔ صغیر علی کی کمائی میں تیرا حصّہ نہ تھا۔ ہم سب گواہ ہیں کہ تو نے کبھی صغیر علی کے گھر میں چین نہ پایا راتوں تو تنہا پڑی رہی اور تیرا شوہر باہر گل چھرّے اُڑاتا رہا حقیقت یہ ہے کہ تیرا دل ایک سچے مسلمان کا دل تھا نورِ ایمان سے پُر۔ آہ صغیرا تو نے

راحت جیسے اَن مول موتی کی قدر نہ کی - وہ ایک فرشتہ خصلت عورت
تھی جو دھوکے اور جبر سے تیرے پنجۂ ظلم میں پھنس گئی - ہماری آنکھیں
جب تک ہم جئیں گے راحت کے لیئے خون کے آنسو برسائیں گی -
جوان کی موت بے کسی کی موت بڑی عبرت ناک ہے - کون ہے جو راحت
کو اچھا نہیں کہتا - میاں نے جس بے دردی سے اُسے گھر سے
نکالا تھا وہ کچھ چھپی ڈھکی بات نہیں - ہائے ! راحت مظلوم میکے
میں جا پڑی اور اُس کے بے درد شوہر نے کبھی پوچھا تک نہیں -
آنا جانا تو کجا - دوسروں کے ہاں جا کر گھنٹوں بیٹھتا ہنسی مذاق لہو و لعب
میں اپنا وقت خوش وقتی سے گزارتا مگر راحت کی طرف بھول کر بھی
التفات نہ کرتا - یہی غم تھا جس نے راحت کا کلیجہ پھونک دیا اور
ناسور ڈال دیئے - نتیجہ یہ کہ وہ دِق میں مبتلا ہو گئی اور تڑپ تڑپ
کر اور پھڑک پھڑک کر مر گئی - بے درد شوہر نے ہزاروں جھوٹے الزام
اُس پر لگائے - زیور اُڑایا خود اور زبردستی منڈھا بیوی کے سر
اُف ! - چوری اور سرزوری اسی کا نام ہے - اُس ظالم شوہر کو یہ
خیال نہ آیا کہ راحت پر کیسے کیسے ظلم توڑ رہا ہوں - وہ ایک فرشتہ
تھی جو بدنصیبی سے ایک شیطان کے بے درد اور زبردست پنجے میں
پھنس گئی تھی - جب راحت کا کام تمام ہو چکا اور اُس کی زندگی کا چراغ
جھلملانے لگا - اُس کی حیاتی قوت نے جواب دے دیا اُس وقت

شوہر صاحب دُنیا دکھاوے کو ٹسوے بہانے بیٹھے۔ اے ظالم شخص اس وقت تو غیروں کا کلیجہ بھی مُنہ کو آرہا ہے۔ کون سا تعجب ہے کہ لوگوں کی دیکھا دیکھی دو جھوٹ موٹ کے آنسو تو نے بھی ٹپکا دیئے۔ راحت کی نانی کو جوان بیٹی کا جو صدمہ تھا سو تھا نواسی کی جواں مرگی نے ان کا خاتمہ کر دیا۔ نواسی کے مُنہ پر سے بار بار چادر اُٹھا کر دیکھتی تھیں اور کہتی تھیں کہ بیٹی یہ تیرے مرنے کے دن تھے۔ میں قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہوں اور تو چل بسی۔ ؎

لو اور سوگ وار رنڈاپے میں گر گئیں ✤ بیٹی مجھے تباہ بڑھاپے میں کر گئیں

اے میری ہوئی مٹّی کی نشانی۔ اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک۔ اے بھائیوں کی لاڈلی تو دنیا سے رخصت ہو گئی۔ وہ بھائی جن کو تو روتا نہ دیکھ سکتی تھی دیکھ تو سہی تیرے فراق میں کیسے بے قرار ہیں۔ مگر تجھے کچھ خبر نہیں اُٹھ اور ان کو سمجھا اور کلیجے سے لگا کہ ان کا غم غلط ہو۔ راحت کو کوئی نئی موت نہیں آئی۔ جو مرنا سب کو پیش آتا ہے وہی اس کا بھی تھا بلکہ سچ پوچھو تو ایک طرح سے اُس کو دنیوی مصائب سے نجات مل گئی موت کیا آئی زندگی پائی۔ یہ سب صحیح مگر منزلِ دنیا میں جو جو مصیبتیں اُس نے اتنی سی عمر میں جھیلیں اُن کا تصوّر ہمارے دل کو مسوسے ڈالتا ہے۔ ہم کیا روئیں گے ہمارا دل خود بخود رو رہا ہے۔ اے دنیائے فانی اس چند روزہ مہمان کی بھی خاطر نہ کی اور یوں اُسے ستایا کہ اس کی

حالت دیکھنے والوں کا کلیجہ پاش پاش ہوا جاتا ہے۔ نیند تو اُسے آتی تھی مگر کروٹوں پر کروٹیں بدلنے کے بعد۔ بچھونا پھولوں کی سیج کی جگہ کانٹوں کا تھا۔ جس پر کسی کروٹ اور کسی کل چین نہ تھی۔ ؎

تلوار کا نہ زخم نہ برچھی کا گھاؤ ہے ٭ نشتر سے چبھ رہے ہیں یہ دل کا لگاؤ ہے

سچ پوچھیئے تو آرام کی نیند آج ہی کی نیند تھی کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر پاؤں پھیلائے بے فکر سو رہی ہیں اور کیسی گہری اور کیسی میٹھی نیند ہے کہ کچھ خبر نہیں۔ ع کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے کہ جاگنا حشر تک قسم ہے۔ آہ یہ اُس شہیدِ ناز کا جنازہ ہے جو شوہر کے خنجرِ ظلم سے مقتول ہوئی ہے۔ یہ وہ مقتول ہے جس کے گلے پر اس کے شوہر کی جہالت اور بے پروائی نے چھری چلا دی۔ دیکھو یہ زبانِ حال سے کیا کہہ رہی ہے۔ کان لگا کر سنو۔ یہ کہہ رہی ہے کہ "گاڑھے اور کمخواب کا پیوند نہ ملانا۔ پڑھی لکھی لڑکیوں کو اَن پڑھوں کے سر نہ منڈھنا اور آنکھیں بند کر کے اُن کو نہ جھونکنا"۔ غیر تعلیم یافتہ صاحب بے رحم اور بے باک ہوتے ہیں وہ اپنے قدح کی خیر مناتے ہیں دوسروں کو کب خاطر تلے لاتے ہیں۔ دیکھیئے تعلیم و تربیت دو بڑی چیزیں ہیں بیوی میں دونوں تھیں میاں میں ایک بھی نہیں۔ اندھے کے آگے روئیے اور اپنے دیدے کھوئیے۔ شنج کیا جانے صابن کا بھاؤ ان کے نزدیک گدھا گھوڑا برابر۔ ع قدرِ گوہر شہ بداند یا بداند جوہری۔

کہا جا سکتا ہی کہ ماں باپ اولاد کے دشمن نہیں جو دیدہ و دانستہ کسی لڑکی کو جھونک دیں گے - میں بھی کہتی ہوں کہ یہ بات بالکل سچ ہی - مگر میں اس کہنے کی معافی چاہتی ہوں کہ ماں باپوں کی آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہی - وہ جھوٹے گوٹے کی سی چمک ظاہری بھڑک نمایشی وعدوں پر پھسل جاتے ہیں - ع بدوزد طمع دیدۂ ہوش مند - اب رواج پڑ گیا ہی کہ پانی کے آگے پاڑ باندھتے ہیں یعنی کچھ قول قرار لکھواتے ہیں - ایسا قول قرار کاغذ پر خوش نما ہوتا ہی مگر عمل کے اعتبار سے تقویمِ پارینہ - پٹاری کا خرچ لکھوانے کا بھی ایک بہت برا اور رکیک رواج پڑ گیا ہی جو بالکل بے کار ہی - اگر خدا نیکی دے گا سب کچھ دے گا نہیں تو صفر - مقدارِ مہر کا معاملہ بھی جتنا سادہ اور سلیس تھا اتنا ہی اب مشکل اور الجھا ہوا ہی - پلّے ٹکا نہیں مہر لاکھوں کا - دینے دلانے کا نام نہیں مؤجّل اور معجّل کی بحث خواہ مخواہ کا طول عمل - ملتا ملاتا ایک خرمہرہ نہیں مفت کا سر پر وبال - صاحبِ عزّت و ثروت خود ہی ان باتوں کا خیال رکھتے ہیں - وارث سے سب کچھ مل سکتا ہی نادار سے کوئی کیا لے گا - ہاں ایک بات اور ہی کہ دوسرا نکاح نہ کرے - خدا چار تک کی اجازت دے اور ہم حکمِ الٰہی کے خلاف قول قرار لیں جو شرعاً اور قانوناً کالعدم - ایسی باتیں سراسر فضول جس میں نہ حاصل نہ حصول، ہاں مفت کی بد مزگی اور چلتی گاڑی میں روڑا اٹکانا بندھی بات ہی - جو باتیں دیکھنے اور کرنے اور روک تھام کی ہیں وہ یہ ہیں کہ

اوّل تو چُھٹپنے میں شادی نہ کریں۔ شادی کا ٹھیک وقت وہی ہے جب کہ لڑکی سیانی ہو جائے اور اُس میں اتنی سمجھ آجائے کہ اپنی ذمّے داریوں، زن و شوہر کے تعلّقات کو اور امورِ خانہ داری کو بہ خوبی جاننے اور سمجھنے لگے۔ دوسری یہ کہ بہت کر کے دولت پر نہ گریں۔ دولت گو قدر کی چیز ہے مگر دیکھنے کی یہی ایک چیز نہیں۔ عمر کا تفاوت۔ اخلاق و عادات کا تباین۔ امیر کو غریب سے۔ خوب صورت کو بد صورت سے۔ لکّھے پڑھے کو اَن پڑھ سے۔ جنٹلمین کو اولڈ فیشن سے بھول کر نہ بیاہیں۔ ملتی جلتی عادتوں اور رجحانِ طبیعت کو پیش نظر رکّھیں۔ سَوکن پر بھول کر نہ دیں یہ بات دوسری ہے کہ سَوکن بعد میں آجائے۔ ایسا ہونا لاعلاج مرض ہے اور بے شک مقدّرات میں داخل ہے۔ یہ دُکھ ایسا ہے کہ سہا جائے نہ اُٹھایا جائے۔ ہم نے مانا کہ اس مُلک کے رسم و رواج سبب سے ایک کو دوسرے کے حالات معلوم ہونا بہت مشکل امر ہے مگر پھر بھی جویندہ یابندہ سب حالات نہ کھلیں تو کچھ تو ضرور کُھل جاتے ہیں۔ ؎

زبانِ خلق کو نقّارۂ خدا کہیئے
بجا کہے جسے عالم اُسے بجا کہیئے

عیب دیکھنے پر پردہ پوشی نہ کریں جیتی مکّھی نہ نگلیں۔ یہ کہہ کر دل کو تسکین نہ دے لیں کہ بگڑا ہوا سنور جائے گا۔ بُری عادت کے جراثیم

کبھی نہیں جاتے بل کہ عمر کے ساتھ بڑھتے ہیں۔ ~~~ ؎

خوئے بد در طبیعتے کہ نشست
نرود جز بہ وقتِ مرگ از دست

ایک بات اور بھی غور طلب ہے کہ متعاقدین کی مرضی کا مطلق لحاظ نہیں کیا جاتا اور بے وقعتی سے نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور یہ کہہ کر ٹال دیا جاتا ہے کہ بچے ہیں یہ کیا جانیں۔ یہ سچ ہے کہ والدین کی تجربہ کاری اور پختہ کاری کے مقابلے میں وہ دنیا کی اونچ نیچ سے کم واقف ہیں۔ تاہم اُن کی مرضی کا معلوم کرنا پیش بندی کے لیئے نہایت اہم ہے اور جب یہ معلوم ہو جائے گا کہ دونوں میں سے کوئی اس تعلق کو پسند نہیں کرتا تو پھر ایسی جگہ دتبو دبو کر دینا اور پھٹے ہوئے دلوں کو زبردستی جوڑ دینے کا نتیجہ کبھی نیک ہو نہیں سکتا۔ جس وقت گہوارہ تیار ہو گیا اور سب عزیزوں کو آخری دیدار کے لیئے بلایا گیا، وہ وقت کیسا تھا۔ خدا نہ دکھائے۔ بھائی پچھاڑ کھا کر گر پڑا۔ نانی کو غش آ گیا۔ دونوں بچے ہٹائے نہ ہٹتے تھے۔ ششدر کھڑے تھے اور ہر ایک سے یہی کہتے تھے کہ ہماری اماں جان! تو یہاں کہیں جاتی تھیں ہم کو دم کے ساتھ رکھتی تھیں اب کے کیا بات ہے جو ہم کو چھوڑے جاتی ہیں۔ انھوں نے کپڑے بھی نہیں بدلے۔ یہ سفید چادر کیسی ڈراونی ہے اس میں کیوں لپیٹ رہے ہیں اور کہاں لئے جا رہے ہیں۔ اے لوگو گھر کے

باہر مردانے میں لیے چلئے وہاں تو مرد ہی مرد ہیں - یا تو ڈولی میں
جاتی تھیں یا آج چارپائی سمیت چلیں - اچھی اب پھر کب آئیں گی
نثار (چمکار کے بھانجے کو گلے لگا کر) میاں! حکیم کے ہاں
جا رہی ہیں ابھی آجائیں گی - میں ساتھ جا رہا ہوں - دیکھو دھوپ
میں ننگے پاؤں ننگے سر تم کہاں چلے آئے اور رفو (رفعت) تیرے
سر پر اوڑھنی بھی نہیں کہاں پیچھے پیچھے بھاگی چلی آتی ہے - بچوں کا
یہاں کام نہیں، گھر میں جاؤ نانی اماں بلا رہی ہیں، ممانی چلا رہی ہیں
بیٹا گھر میں جاؤ - یہ ہزار بمشکل نثار ان کو اندر پہنچا کر آیا، جب کہیں
جنازہ آگے بڑھا - راحت کے جنازے پر عجب بے کسی اور حسرت
برس رہی تھی - اس نے اپنی زندگی اور تمام آرام و چین سہاگ
کی قربان گاہ پر نذر چڑھا دیا - آہ! یہ بڑی مدا بر و اور شاکر و مظلوم
بیوی کی لاش ہے جو جلتی اور سلگتی رہی مگر دھواں تک نہ اٹھا - ہے

چلی پی کے نگر سج بن کے دلھن سکھی میکے میں جی گھبراوت ہے
اب ساجن نگر کو کوچ بھیو یہ تو جھوٹا نگر کہلاوت ہے
سکھی سیتاں مورے کو یاد کیو سپنے میں آ کر درس دیو
مورے ماتا پتا کچھ غم نہ کرو سکھی کاہے پچھاڑ کھاوت ہے
مورے بابل کو ڈولا سجا نے دو مورے بیرن کو سکھا ندھا لگا دو

یہی ریت جگت کی اسے ری سکھی کوئی آوت ہے کوئی جاوت ہے
سکھی دوارے کھڑے ہیں براتی مورے پڑھیں کلمہ نبی کا ساتھی مورے
اب دیس بابل کا چھوٹت ہے سسرال کو دُلہن جاوت ہے
ہوے میکے کے کپڑے اُتار دھرو نہلا کے کیور سے مانگ بھرو
مورے بھاگ سہاگ کی آج گھڑی سکھی کا ہے کو دیر لگاوت ہے
ہے لوٹ گناہوں کی سیس دھری اب میکے سے لے کر پاپ چلی
یہ درد ملا مجھ پاپن کو موری نیّا تو ڈوبی جاوت ہے
سکھی ہوگا مورا واں کیسے گزر منزل ہے کٹھن اور سخت سفر
اندھیاری کٹھریا کی کارے کھیر مو ہے چنتاوں کی ڈراوت ہے
دکھلاویں مَلک جب واکی شبیہ کہو اَنتَ محمّد اَنتَ نبی
یہ جماعت عرب کا ہے سردار مکی مدنی کہلاوت ہے
اُسے سگری عمر یا سے جانت ہوں یہ محمّد ہے یہ پہچانت ہوں
یہ سج دھج پیاری صلِّ علیٰ خود خالق کے مَن بھاوت ہے
لولاک لما واکی شانن میں ہے دھوم یہ کون و مکانن میں
ہے سگر انگر واکو کلمہ پڑھت بیکنٹھ نگر بلاوت ہے

جس وقت جنازہ گھر سے نکلا آہ و بکا کا بازار گرم تھا اور چو طرف ماتم ہی ماتم تھا۔ نثار ہمن کو کندھا دیتا جاتا تھا اور دل کا اللہ ہی مالک تھا

مہندیوں (قبرستان کا نام) میں پونہچے۔ قبر اُس دُرِ شاہگاں کو آغوشِ محبّت میں لینے کو طیّار تھی۔ بھائی نے بہن کو قبر میں اُتارا اور پٹاؤ کا پتّھر اُس قتیلِ خنجرِ جفا کے سینے صفا گنجینے پر ڈھکا اور اُس چاند سی صورت کو خاک میں ملا دیا۔ نثار کا دل بے قرار ہو گیا قریب تھا کہ غش کھا کر گر پڑے مگر لوگوں نے سنبھال لیا۔ باپ اور ماں دونوں کے بیچ میں جگہ ملی یا یوں سمجھو کہ برسوں کے بچھڑے ہوئے ملے۔ نثار نے کہا لو بہن رخصت! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ اَنْتُمْ السَّابِقُوْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ۔ (سلام ہو تم پر اے قبر والو اللہ ہم کو بھی بخشے اور تم کو بھی تم آگے آگئے اور ان شاء اللہ ہم تمھارے بعد آتے اور تم سے ملتے ہیں۔) تم کو جس کی امانت تھی اُس کے سپرد کیا۔ اب قیامت تک پاؤں پھیلا کر سوؤ۔ اب تم ظلم کی دست رس سے باہر ہو۔ دنیا میں تم نے آ کے بڑی بڑی مصیبتیں جھیلیں، جس کے سُننے سے ہمارا کلیجہ پک گیا مگر صد آفریں ہے تم پر کہ سب جھیل لیں اور لب تک حرفِ شکایت نہ آیا۔ ؎

سب جھیل ہی لیتے ہیں جو سر پڑتی ہے اپنے
پھر کیسے کہیں بارِ الم اُٹھ نہیں سکتا

غرض تیسرے پہر تک دبے پاؤں وہاں سے گھر کا رُخ کیا اور
بہن کو جنگل بیابان سنسان میدان میں چھوڑ آیا۔ نثار بہ مشکل
گرتا پڑتا مغرب سے کچھ پہلے گھر پونہچا بچے ماموں کو آتے دیکھ
دَوڑ کر لپٹ گئے اور بے اختیار ہو کر پوچھنے لگے ۔ ماموں جان
ہماری امّاں کو کہاں چھوڑ آئے اُنھیں آپ ہی تو لے گئے تھے
اور پھر نہیں لائے، وہ کہاں ہیں ہم بھی اپنی امّاں کے پاس
جائیں گے چلو وہیں چلو جہاں وہ ہیں ۔ نثار بجز آنسوؤں کی لڑیوں کے
اور کیا جواب دے سکتا تھا ۔ نانی نے رفعت کو گود میں اُٹھا لیا۔
ممانی نے لڑکے کو کلیجے سے چمٹایا۔ باتوں میں بہلایا کچھ چمکار کر
زبردستی کھلایا پلایا ۔ رات آئی تو قیامت کی رات تھی ۔ نانی
اور ممانی نے تھپک تھپک کر اُن کو بہزار مشکل سُلایا۔ رات کو کئی کئی
بار بچے چونک چونک پڑے اور ماں کو ٹٹولتے رہے روئے اور
مچلے ۔ رات بڑی مصیبت سے کٹی ۔ صبح ہوئی اور دنیا کا کارخانہ
اپنے معمول سے چلنے لگا ۔ اللہ اللہ کیا غفلت کا پردہ ہے ۔
نانی اوّل تو بڑھیا پھر دُہرے دُہرے صدمے اُٹھائے ہوئے
وہ پہلے ہی بدحواس تھیں اور اب تو واقعی سٹھی بہتری ہو گئیں ۔

ہوش و حواس تاب و تواں داغ جا چکے

اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

اُن کے بین کس دل سے سُنے جائیں - نواسے نواسی کو دیکھ دیکھ
کر اُن کی آنکھ کا آنسو نہ تھمتا تھا - جناب صغیر علی صاحب کے سُلوک
کو یاد کر کے روز دلِ بے قرار میں ٹیس پیدا ہوتی تھی - مولٰنا صغیر علی
صاحب کا ذکر بھی تھوڑا سا کرنا ضرور ہے اُنھوں نے قدرِ مردم بعدِ
مُردن کو بھی غلط کر دیا - سوم تک لوگوں کے دکھاوے کو اوپری
دل سے بسور لیئے کبھی برائے نام رو بھی لیئے پھر خیر سے نا شُدہ
مرنے والی کا نام تک زبان پر نہ آتا تھا اور کیوں آتا خس کم جہاں
پاک - راحت کی موت میاں بیوی دونوں کے لیئے مبارک ہوئی -
مرنے والی غم سے چھوٹی میاں کا پاپ کٹا - راحت کے مرجانے
سے ان کا کیا نقصان تھا ایک بیوی گئی دوسری اپنی پسند اور
انتخاب کی موجود - لیلیٰ را بچشمِ مجنوں باید دید - یہ راحت کو جلاتے
تھے وہ ان کو راحت پونہچاتی تھی - اب قدر کُھلی - پنجابن کو ملا
میدان خالی کُھل کھیلی - اُس نے چار ہی دن میں ناک چنے چبوا دیئے
مگر اُس کی ہر ادا ان کو بھاتی تھی اُس کے عیب ان کو نظر نہیں آتے
تھے - دل آیا گدھی پہ تو پری کیا چیز! - وہ جلاتی ہے یہ کِھلے جاتے
ہیں - اُس کی گالیاں ان کو میٹھے بول ہو کر لگتی ہیں - سوم

کی فاتحہ کے بعد ہی بچّے نانی کے ساتھ چلے گئے، یہاں ٹہر سے رکھنے والا ہی کون تھا - پنجابن اکیلے گیلے پھرنے لگیں راحت کا کانٹا نکل گیا - سیاں کو کان پکڑ کر اُٹھاتی بٹھاتی تھی - قدرت خدا کی دیکھو جو لَونڈی تھی وہ بیوی بنی جو بیوی تھی وہ خاک میں ملی اگر ارواح کا کچھ تعلّق دنیا سے باقی رہتا ہے اور دل کہتا ہے کہ ضرور رہتا ہے، تو راحت کی روح کیا کہتی ہوگی - کیا راحت کی قبر سے یہ آواز نہ آتی ہوگی - ہ

تربت کو میری چھوڑ کے دشمن کے گھر گئے
بعدِ فنا بھی رحم کے بدلے ستم ہوا

صغیر علی زندہ ہیں - ایسے بے حیا بھلا کہیں مرتے ہیں - بُروں کی رسّی دراز ہوتی ہے - خانۂ ظالم خراب لیکن بعد از خرابی خانہ ہا بسیار - پنجابن کے سُنا بال بچّے بھی ہو گئے - جوڑی خوب ملی ایک اندھا ایک کوڑھی - جیسی روح ویسے فرشتے - پنجابن کے کئی بچّے تھے مگر شیرنی کا ایک بچّہ بلّی کے جھول سے کہیں اچھا ہوتا ہے - مثل مشہور ہے جیسی ماں ویسے جائے - ہ

تیغ چوں بشکست خنجر می شود
زادۂ ظالم ستم گر می شود

راحت کی لڑکی رفعت کی شادی ہو گئی وہ اپنے گھر میں خوش حال ہے۔ لڑکا سُنا کہ کسی دفتر میں نوکر ہے۔ اُس کی بھی اچھی گزرتی ہے۔ رفعت کی شادی کر کے نانی رخصت ہوئیں۔ نثار احمد میرے بھائی سلطان احمد کو کبھی کبھی مل جاتے ہیں تو اُن سے راحت کے بچوں کی خیریت معلوم ہو جاتی ہے۔ صغیر علی کی بھی کچھ اُڑتی پڑتی خبر گاہے ماہے سُننے میں آجاتی ہے۔ محلّے والے کہتے ہیں کہ پنجابن نے ناطقہ بند کر رکھا تھا یہ راحت نباشد۔ واقعی یہ بات ہے کہ جیسا کروگے ویسا بھروگے۔ کہ کردو کہ نیافت۔ صغیر کو دنیا ہی میں جیتے جی دوزخ ہو گئی اور عاقبت کی خبر خدا جانے۔

کل جُگ نہیں کرجُگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سَودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہات لے

ختم شد

قطعۂ تاریخ از میرزا محمد اسحاق ابن مولوی محمد امیر

خواہرزادہ و خویش میرزا خورشید عالم ابن میرزا فتح الملک

ولی عہد ابنِ ابوظفر میرزا سراج الدین بہادر شاہ بادشاہِ دہلی

ہست از مرداں بسے ناول نخست — از زناں ناول گلے دیگر شگفت
شاد باد و بامراد و کامراں — در سقاصد ہر کہ ایں ناول بگفت
لائقِ صد آفرین و مرحبا — از کجا ایں میوۂ نورس بجُست
گرچہ دعوی کرد پیشِ مرداں — ہم دلیلش پیش کردہ نیک و حُسبت
گفت **اسحاق** آفریں صد آفریں! — چوں فغانِ **اشرفِ** دہلی شنفت
پس سگالش کردہ تاریخِ کتاب — "ارمغانِ اشرفِ ازلی"۔ بگفت ۱۹۲۱ء

قطعۂ تاریخ از جناب حافظ محمد یعقوب صاحب اوجِ گیاوی

دکھ درد بھری ہی داستانِ **اشرف** ؛ تاثیر میں ڈوبا ہی بیانِ **اشرف**
سالِ تاریخ طبع اس کا ای **اوج** ؛ لکھ "سوز نہاں ہی یہ **فغانِ اشرف**" ۱۹۲۱ء

قطعۂ تاریخ از جناب مولوی حکیم لطیف احمد صاحب رئیس تتھلی ضلع سارن

بشیرِ خدا اتہ بس حامیِ نسواں — ولایت ملی جن کو اردو زباں کی
لباس تلفظ میں تھوڑے سے ان کے — بہت اچھی تصویر اتری فغاں کی
جو خال و خط اس میں نظر آرہے ہیں — سیاہی ہی یہ سوزِ دل کے دخاں کی
صریرِ قلم چیخ اُٹھی یکایک — دمِ وقتِ تحریر اس داستاں کی
سبب ہی جو کچھ گھر کی بربادیوں کا — بد اطواری و بدسلوکی میاں کی
زن و شو کا رشتہ ہی کہنے کا ورنہ — کہاں کے میاں اور بی بی کہاں کی
یہ ناگفتہ بہ اس میں جو داستاں ہی — ہی دہلی کے اک ذی شرف خانداں کی
اس اجمال کی کوئی تفصیل پوچھے — تو بس ہی یہ تصنیف اس خوش بیاں کی
لطیف اس کی تاریخِ تصنیف لکھ دو — کہ "تصنیف ہی بی بی اشرف جہاں کی" ۱۳۳۹ھ

نام کتاب	قیمت	محصول ڈاک
(۹) **حیات النذیر**۔ مولانائے مرحوم کی مکمل سوانح عمری مع فوٹو اور دو عکسی خطوط کے ۴۹۶ صفحات	سے/	۸/
(۱۰) **نظم بے نظیر**۔ مولانائے مرحوم کی کل نظموں کا مجموعہ مع صراحت اس امر کے کہ کس کس جلسے اور تقریب کے لئے لکھی گئی تھی۔	عہ/	۴/
(۱۱) **مراۃ العروس**۔ لڑکیوں کو امور خانہ داری اور سلیقہ سکھلانے کی بے نظیر کتاب جس پر گورنمنٹ سے ایک ہزار روپیہ انعام ملا۔	عہ/	۴/
(۱۲) **بنات النعش**۔ گویا کہ مراۃ العروس کا حصہ دوم ہے جس میں لڑکیوں کی اصلاح حالت اور تمدن میں اُن کو زیادہ تر بکار آمد بنانے کے لئے عمدہ عمدہ تعلیمی مضامین لکھے گئے ہیں۔ اس پر گورنمنٹ سے پانسو روپیہ انعام ملا ہے۔	عہ/	۴/
(۱۳) **توبۃ النصوح**۔ نیک کرداری۔ اخلاق اور مذہبی تعلیم کا بیش بہا ذخیرہ جس پر گورنمنٹ سے ایک ہزار روپیہ انعام ملا۔	عہ/	۴/
(۱۴) **محصنات** یعنی فسانہ مبتلا جس میں دو شادیاں کرنے کی مصیبتوں کو نہایت دردناک طور سے بیان کیا گیا ہے اور آخر میں ایک مخمس بھی ہے۔	عہ/	۴/
(۱۵) **ایامیٰ**۔ بیواؤں کی دکھ بھری کہانی خود اُن کی زبانی۔ اُنکے اصلی حالات اور دلی جذبات کا فوٹو۔ ان کی مشکلات کا بس یہی علاج ہے کہ بیواؤں کا نکاح ثانی کیا جائے۔	عہ/	۴/
(۱۶) **ابن الوقت**۔ انگریزی کورانہ تقلید کی خرابیاں نتیجہ یہ کہ ازیں سو رانده وازاں سو درمانده مذہبی مسائل پر نہایت عمدہ معقول اور مسکت مباحث۔	عہ/	۴/
(۱۷) **موعظہ حسنہ**۔ وہ تمام نصیحت آمیز خطوط جو مولانائے اپنے اکلوتے بیٹے کو تعلیم کے زمانے میں وقتاً فوقتاً لکھے تھے۔	عہ/	۴/
(۱۸) **منتخب الحکایات**۔ بچوں کے لئے چھوٹی چھوٹی کہانیاں	۶/	۳/
(۱۹) **چند پند**۔ بچوں کے لئے عمدہ عمدہ نصیحت آمیز مضامین	۶/	۳/
(۲۰) **صرف صغیر**۔ فارسی زبان کے قواعد سلیس اُردو میں	۶/	۳/
(۲۱) **نصاب خسرو**۔ امیر خسرو کی ترمیم شدہ خالق باری	۶/	۳/
(۲۲) **رسم الخط**۔ املا وانشا کے نوآموز بچوں کے لئے سلیس قواعد	۶/	۳/

محصول	قیمت	نام کتاب
۴ر	عہ	(۲۳) [illegible] کے فوائد مبتدیوں و عام فہم اردو میں جسپر گورنمنٹ نے پانسو روپیہ انعام دیا
۴ر	۱۲ر	(۲۴) ماینغنبک فی الصرف - صرف عربی کے قواعد زبان اردو
۵	۸ر	(۲۵) لکچروں کا مکمل مجموعہ - دو جلد ۱۲۰۴ صفحے
[illegible]	[illegible]	(۲۶) امہات الامہ - یہ وہ کتاب ہے جسے سوختنی قرار دیکر مولانا پر کفر کا فتوی ہوا تھا اب چند مستند علما کی نظر ثانی ترمیم اور تعدیل کے بعد خواہش مندوں کے سخت اصرار پر زیر طبع ہے - خواہشمند اپنا نام رجسٹر کرا لیں -
		مولانا مرحوم کی آخری اور ناتمام تصنیف
۴ر	عہ	(۲۷) مطالب القرآن - کلام مجید کی مکمل اردو تفسیر کا حصہ اول "معتقدات" صفحہ ۱۴۸ تک پوری تفسیر کو چھ حصوں میں لکھنا مد نظر تھا اور جتنی لکھی جاتی تھی اتنی ہی چھپ بھی جاتی تھی افسوس ہے کہ مولانا کی زندگی نے چند روز وفا نہ کی اور کتاب ادھوری رہ گئی اب جتنی اور جس حیثیت سے طیار تھی ناظرین کی خدمت میں پیش کیجاتی ہے -

خاکسار کی تصانیف

محصول	قیمت	نام کتاب	محصول	قیمت	نام کتاب
۴ر	عہ	(۸) عصائے پیری - اسی سلسلے میں لڑکیوں کے لئے	۱۳ر	بعہ	(۱) واقعات مملکت بیجاپور ص ۱۲۸۷ تین حصے مجلد چھپہ دار لقرئی
۴ر	عہر	(۹) بچیوں سے دو دو باتیں			مستورات کے لئے خانہ داری کا سلسلہ
۳ر	۴ر	(۱۰) عزم بالجزم - استقلال ارادہ پر ایک چھوٹا رسالہ	۵ر	بعہر	(۲) اقبال دلہن مجلد چھپے دار ۱۲ر غیر مجلد
		(۱۱) تاریخ دہلی تین حصے صفحے ۲۵۶۶	۴ر	عہ	(۳) حسن معاشرت مجلد چھپہ دار ۱۲ر غیر مجلد
۱ر	۸ر	نقشے اور تصاویر قلمی - فوٹو ہر سہ حصص بلاجلد (۹) (۲۰۹) و مجلد چھپے دار	۵ر	بعہر	(۴) اصلاح معیشت مجلد چھپہ دار ۱۲ر وغیرہ مجلد
		(۱۲) فغان اشرف - مردوں کا سلوک عورتوں سے کس طرح کا ہے - ایک نہایت دلچسپ قصہ جسکو خاکسار کی فرمایش اور ایما سے اشرف جہاں بیگم صاحبہ دہلوی نے بڑی خوبی سے لکھا ہے -	۹ر	سہر	(۵) لخت جگر حصہ اول و دوم مکمل دستور العمل خانہ داری عورتوں اور لڑکیوں کے لئے ایک لاثانی استانی جس میں فوٹو بھی ہیں مجلد للعہ وغیرہ مجلد
			۴ر	عہر	(۶) حرز اطفال
۵	۴ر		۴ر	عہ	(۷) نشاط عمر

بشیر الدین احمد تعلقہ دار پنشنر - کھاری باؤلی دہلی